



تاریخ الحرمین الشریفین

عبدالسلام نروی

۱۳۷۲ھ

۲۳۲ ص



# فهرست مضامین

باب (۱۳) "روضه جنت"	۱۳۳-۱۳۲	۴-۱	دیباچه
باب (۱۴) مسجد نبوی	۱۳۳-۱۳۲	۷-۱	الوداع
باب (۱۵) الفوارید مدینه	۱۵۲-۱۴۳	۸-۱۵	باب (۱) روحنگی - بمبئی
باب (۱۶) آثار مدینه	۱۵۳-۱۴۳	۱۶-۲۴	باب (۳) بمبئی - جہاز
باب (۱۷) دیار حبیب	۱۶۴-۱۵۵	۲۵-۳۳	باب (۳) جہاز
باب (۱۸) چل چلاؤ	۱۶۷-۱۵۵	۳۳-۴۲	باب (۴) جہاز - سمندر
باب (۱۹) احرام پوشی	۱۸۷-۱۹۵	۴۳-۵۴	باب (۵) سمندر - کامران
باب (۲۰) جتہ - مکہ	۱۹۶-۲۰۵	۵۳-۶۱	باب (۶) کامران، احرام
باب (۲۱) سوا و مکہ	۲۰۶-۲۱۴	۶۲-۷۴	باب (۷) جتہ
باب (۲۲) حرم شریف	۲۱۵-۲۲۳	۷۴-۸۱	باب (۸) جتہ - راہ مدینہ
باب (۲۳) حریم قدس	۲۲۴-۲۳۲	۸۲-۹۱	باب (۹) مدینہ
کعبہ مقصود	۲۳۲-۲۴۲	۹۲-۱۰۰	باب (۱۰) آستانہ نبوت
دیار طفیل	۲۴۵-۲۵۵	۱۰۱-۱۱۰	باب (۱۱) گنبد خضرا
باب (۲۴) عمرہ	۲۵۶-۲۶۵	۱۱۱-۱۲۱	باب (۱۲) زیارت و آداب زیارت



باب (۲۵) آغاز حج	۲۷۵-۲۷۶	باب (۳۶) حج ربا لیت	۳۶۰-۳۶۱
باب (۲۸) منی (قبل حج)	۲۸۵-۲۸۶	باب (۳۷) رخصتی	۳۶۴-۳۶۸
باب (۲۹) عرفات نمبر (۱)	۲۸۶-۲۹۲	باب (۳۸) "جمله معترضة"	۳۸۵-۳۸۶
باب (۳۰) عرفات نمبر (۲)	۲۹۲-۲۹۶	باب (۳۹) جده - جہاز	۳۸۶-۳۹۴
باب (۳۱) مزدلفہ	۳۸۸-۳۹۲	باب (۴۰) جہاز بمبئی وطن	۳۹۵-۴۰۲
باب (۳۲) منی بعد حج نمبر (۱)	۴۰۲-۴۰۴	ضمیمہ اول حکومت حجاز اور مذبح حاج	۴۰۴-۴۰۵
باب (۳۳) " " نمبر (۲)	۴۰۴-۴۱۰	ضمیمہ دوم، عام ہدایات	۴۱۱-۴۱۹
باب (۳۴) " " نمبر (۳)	۴۱۰-۴۱۵	ضمیمہ سوم منازل سفر جعدہ تا مدینہ	۴۱۵-۴۱۸
باب (۳۵) مکہ	۴۵۱-۴۵۹		

## دیکھا

از مولانا الحاج سید سلیمان صاحب ندوی، ناظم المصنفین

اُس عہد سے جب سے خدائے اس دادی غیر ذی زرع کے دیرانہ کو اپنی بستی فرمایا اور  
عالم کے تکتہ ہین اپنا یہ سب سے پہلا گھر بنایا اور اپنے سب سے پہلے عاشق ابراہیم کی  
زبانی آئینہ تمام دنیا کے عشاق کے نام پر پیام بھیجا کہ سال میں ایک دفعہ یہاں کی گلیاں  
اور پہاڑیاں ان کے ہجوم و ازدحام کا روز بازار بنیں، خدا جانے حسن ازل کے کتنے  
شیدائی، یہاں آئے اور چلے گئے اور محبوبِ نادیدہ کے کتنے طلبگار، اس کو ڈھونڈ  
آئے، اور واپس پھرے، ہر ایک کو یہاں جو کچھ نظر آیا، اُس نے چاہا کہ وہ دوسروں کو بھی  
دکھائے، اور جو اُس پر گزری ہو وہ دوسروں کو بھی سنائے، طور کا جلوہ دینا نے  
ایک ہی دفعہ دیکھا ہو، تاہم اسکی داستانِ حسن و عشق اب تک دہرائی جا رہی ہے، اور ہمیشہ  
دہرائی جائیگی، مگر یہاں تو یہ جلوہ ہر سال نظر آتا ہے، پھر اگر اس کی داستان ہر ملک، ہر زبان  
اور ہر طبقہ و ادین میں بیاں دہرائی جاتی رہے تو تعجب انگیز کیا ہے؟

مسلمانوں نے دنیا کے ہر علم و فن کو حاصل کیا، مگر جس کو حاصل کیا اپنے دین و  
ملت ہی کی راہ سے حاصل کیا، ان کا نقطہ نظر ہر علم و فن کی خدمت میں کتاب الہی ہی کی  
خدمت اور اسی کے حکم کی تعمیل رہی، مسلمانوں نے جغرافیہ کے فن کو سیر و مسرت دی

دنیا کے گوشہ گوشہ کو جہاں تک اسلام کی روشنی پہنچی وہ اُس کے پرتو میں آگے بڑھتے گئے، مگر اُن کی یہ تمام کوششیں اور سرگرمیاں قن بمیزد اخی الکاحض کے تحت میں تھیں اور اس کے بعد جو جاذبہ شوق اُن کو میثاب رکھتا تھا، اور دیوانہ وار اُن کو اپنے گھروں سے بے قرار نکال لیتا تھا، اور سفر کی تمام مشکلات کو ان کی نگاہوں کے سامنے ہیج بلکہ اس راہ کی تمام تکلیفوں کو راحت بنا دیتا تھا، وہ وہ نذر عام تھی جو حضرت ابراہیمؑ کی زبانی سنائی گئی تھی، دَاۤیِّجِی النَّاسِ بِالْحَیۡۃِ اَکَاسِیۡۃِ

جب سے یہ نذر دی گئی، ہر زمانہ میں لاکھوں شیدا یوں کی زبانوں نے اُس پر لبیک کہا، اور جب موسم آیا لَبَّیۡکَ اَللّٰهُمَّ لَبَّیۡکَ کہتے ہوئے اپنے گھروں کو اپنے اہل و عیال، اپنے آرام و آسائش کو چھوڑ کر مسافرانہ اٹھ کھڑے ہوئے اور صحراؤں بیابان و جبل و دریا اور سمندر کو طے کر کے بادِ یہ حجاز پہنچے اور اس بے آب و گیاہ صحرا کی زیارت سے اپنی روح کی پیاس بجھائی،

مسلمانوں میں جو بھی بڑا سے بڑا سیاح گذرا ہو، اُس کے دل کی اصلی منزل اور سفر کا کتبہ مقصود، یہی سرزمین تھی، وطن سے حج و زیارت کے لئے نکلے، راستہ کے عجائب و غرائب، ملکوں کے دلکش مناظر اور قوموں کے عجیب و غریب احوال، شاہد کرے ہوئے، اس خطِ پاک میں پہنچنے، فرائض سے فرصت پائی، تو آگے کا رتہ لیا، اور پھر موقع ملا، تو اسی مرکز پر لوٹ کر آگئے، اور پھر کسی دوسری سمت کو نکل گئے، بہنِ بغدادی، اصطخری فارسی، حکیم ناصر خسرو، ابن جبراندلسی، ابن بطوطہ مغربی، اور سیون سیاح اسی قسم کے ہیں، جنہوں نے اپنے سفر کا آغاز اسی نیت سے کیا، اور

پھر جب سیر و سیاحت کی چاٹ لگ گئی تو دنیا کے گوشہ گوشہ کو چل پھر کر دیکھ لیا، اور اپنے مشاہدات کو سفرنامہ کی صورت میں قلمبند کر دیا،

تمام دنیا سے اسلام میں ہر سال ہزاروں حاجی کی ٹانہ میں کے مختلف داروں سے بچھ مستقیم یہاں آتے ہیں اور جاتے ہیں، ان میں سے مسیون صاحب قلم ہر سال اپنے اپنے مشاہدات کو ہر زبان میں حوالہ قرطاس کرتے ہیں، اس سے اندازہ ہوگا کہ ہر سال مشاہدات ارضی کا کتنا بڑا ذخیرہ ہر سال دنیا میں اضافہ ہوتا ہے،

ہندوستان سے کم و بیش بیس ہزار حاجی ہر سال مکہ معظمہ جاتے ہیں، ان میں ڈو چار ایسے صاحب ذوق ضرور ہوتے ہیں جو اپنے سفر کے واقعات اور اپنے دل کے جذبات کو کاغذ کے منظر عام پر لاتے اور دوسروں کو سناتے اور دیکھاتے ہیں، اور ان سے اہل ضرورت حسب ضرورت فائدہ اٹھاتے ہیں،

ہندوستان میں شاید شیخ عبدالحق محدث دہلوی پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے ۱۸۹۹ء میں اس سفر کی یادگار میں جذب القلوب الی دیار الحبوب کا تحفہ اہل وطن کے سامنے پیش کیا، اور جو کچھ وہاں دیکھا تھا، وہ یہاں آکر دوسروں کو دکھایا، اس کے بعد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ۱۹۰۳ء میں فوض الحرمین وغیرہ رسائل میں اپنے روحانی مناظر و مشاہدات کی کاغذ کے صفحات پر تصویر کھینچی، لیکن سفرنامہ کی حیثیت سے شاہ صاحب کے ایک ذی رتبہ شاگرد مولانا رفیع الدین مراد آبادی قابل ذکر ہیں جنہوں نے ۱۹۰۶ء میں حرمین کا سفر کیا، اور احوال الحرمین کتاب لکھی،

اس سے بعد میں ہر سال حاجیوں میں سے کوئی نہ کوئی بزرگ واپس آکر اپنا سفرنامہ عموماً ترتیب دیتے ہیں، اور ان میں مختلف پہلوؤں سے ہر صاحب ذوق اپنی

پسند اور دل بستگی کی باتیں لکھتے ہیں، خصوصیت کے ساتھ قاضی سلیمان صاحب ٹیٹا کو مرحوم کا سفرنامہ سبیل الرشاد، اور برنی صاحب کا سفرنامہ صراط الیمید ذکر کے قابل ہیں ہمارے صاحب دل اور درد آشنا دوست مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی کی زندگی میں مدت سے بتدریج جو اعلیٰاب ہو رہا تھا، میرے خیال میں اسکی تکمیل ۱۳۳۱ھ میں ہوئی جب وہ حجاز کے سفر کے لئے روانہ ہوئے، اور جو احوال و مشاہد انھوں نے کتابوں میں پڑھے تھے، انکا سفر جرجین جاکر برای العین مشاہدہ کیا، اور وہاں جو عینی مشاہدات قلبی کیفیات اور روحانی تاثرات ان پر وارد ہوئے، انھوں نے اپنے اخبار رسچ کے صفحات میں خطوط کی صورت میں منعکس کیا ہو جو وہ مجموعہ انھیں مسلسل مضامین کا یکجا ذخیرہ ہے،

اس سے پہلے جو سفر نامے لکھے گئے تھے، یا وہ صرف عالم جذبات کی باتیں تھیں یا محض ایک سیاح و وقائع نگار کے روزنامے تھے، یا فقہانہ مسائل اور حج و مناسک کے ہدایت نامے تھے، یا حجاز و سفر جرجین کے لئے مسافروں کی گائیڈ بک تھیں، اس سفرنامہ کی خصوصیت ان سب متفرق حیثیتوں کی دلکش جامعیت ہے، سفرنامہ کے مختلف ابواب اور مباحث میں اسکا مصنف اکین مورخ ہے، اکین فقیہ، اکین محدث، اکین صوفی، اکین شاعر اور اکین سیاسی، غرض اس کتاب میں وہ سب کچھ ہے، جسکی حاجی کو اپنے سفر کے آثار چرٹھاؤ کی مختلف حالتوں اور کیفیتوں میں ضرورت پیش آتی ہے، سفر کے واقعات، حج و مناسک کے مسائل، مختلف مقامات کی دعائیں، سفر کے ضروری ہدایات، حجاز کے ملکی حالات آمد و رفت اور سفر کے وسائل، سواری، پانی، کرایہ، مکانات، مٹوفین، راستے، مکہ معظمہ، اور مدینہ منورہ کے شہری حالات، انکے مقدسہ اور وہاں کے ضروری اڈے

یہ تمام معلومات اس میں یکجا ہیں، لیکن اس سفر نامہ کی اصلی حیثیت اور حقیقی عزت میری نگاہ میں دو باتوں سے ہے، ایک اسکی انشا پر وازی کہ مصنف کے قلم نے اس میں انتہائی سادگی کا کمال حسن دکھایا ہے، سہل الفاظ سادہ ترکیبیں اور پھر شاعرانہ تخیل اس کے انشا کی حیثیت سے اس کی اہمیت بہت کافی ہے، دوسری چیز وہ تاثرات اور وجدانیات ہیں، جو اس کتاب کے فقرہ فقرہ سے نمایاں ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صاحب دل مصنف نے کاغذ کی سطح پر اپنے دل کے مگر طے پھیلا دیئے ہیں، میں تو سفر حجاز کی یہ بھی برکت سمجھتا ہوں کہ اُن کے قلم نے ان کے دل کی ایسی ترجمانی کی ہے، اور روح نے جسم کا ایسا قالب اختیار کیا ہے، کہ باطن ظاہر، مجھوٹ، مشکف، اور ناویدہ، دیدنی ہو گیا ہے، مجھے امید ہے کہ فاضل مصنف کی تصنیفات میں ان کے قلم کی یہ سرسری تحریریں، سب سے زیادہ دیر پا سب سے زیادہ سودمند اور سب سے زیادہ مقبول ہوں گی،

مسئلہ حجاز میں موصوف کے سیاسی مسلک سے ہر چند کہ پورا اتفاق نہ ہو تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا، کہ انھوں نے یہ صفحات لکھ کر ہماری زبان، ادبیات، جغرافیہ، فقہ اور تصوف سب پر احسان کیا ہے، اور ظاہر و باطن، لفظ و معنی اور روح و جسم کے مختلف مناظر و مظاہر کا ایک ایسا دلکش نظارہ گاہ تیار کیا ہے، کہ ہر خیال و ذوق کا آدمی اپنے اپنے خیال و ذوق کے مطابق اس سے بہرہ ور ہو سکتا ہے،

ہمارے فاضل فلسفی، اور لائق انشا پر واز دوست کا مذہبی رنگ و ذوق

پختہ ہوتا جاتا ہو، یہاں تک کہ وہ کہیں کہیں صوفیانہ زوادی اور صلح کل کی وسیع  
شاہراہ سے ٹکراتا نہ تشدد کے تنگ کوچہ میں کھڑے نظر آتے ہیں، کیا عجیب بات ہے کہ ایک  
پیرانی تعلیم گاہ کا مولوی دوست نئی تعلیم گاہ کے گریجویٹ دوست کی حد سے زیادہ  
"مولویت" کی شکایت کر رہا ہے، وطلب الا یام نذاولچاسین (ناس)،  
دعا ہو کہ اللہ تعالیٰ، اپنے حبیب کے صدقہ ان صفات کے لکھنے والے کو اجر عظیم  
اور پڑھنے والوں کو بیش از بیش توفیق بنک عطا فرمائے، آمین

سید سلیمان ندوی

۳۴ سوال ۱۳۴۹ھ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## الوداع

واقفاً الحج والعمرة لله (بقر- ع ٨) الحج أشهر معلومات (بقر- ع ١٩) ان اول بيت وضع للناس للذي ببكة مباركاً وهدى للعالمين فيه آياتٌ بيناتٌ مقام إبراهيم ومن دخله كان آمناً ولله على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلاً ومن كفر فان الله غفيرٌ لعالمين (آل عمران- ركوع ١)

عن عائشة أنها قالت يا رسول الله نرى الجهاد افضل العمل افلا يجاهد قال لا لكن افضل الجهاد حج مبرور (بخاري) عن ابن مسعود قال رسول الله صلعم تابعوا بين الحج والعمرة فانهما ينقيان الفقر ولن فوب كما ينفي الكير خبث الحديد والذهب والفضة وليس للحجة المبرورة ثواب الا الجنة (ترمذي) عن ابي امامة قال رسول الله صلعم من لم تمنع من الحج حاجته ظاهرة او سلطان جائر او مرض حابس فمات ولم يحج فليمت ان شاء يهوديا وان شاء نصرانياً (جميع الفوائد)

ببيت اللهم ببيتك، لبيتك لا شريك لك ببيتك ان الحمد والنعمة لك والملك لا شريك لك

له منقول از پنج مورخه راجح سنة ١٢٩٩



یہ الوداع ماہ رمضان کی سالانہ الوداع نہیں، ناظرین سچ سے ان کے خادم بدریچ کی

الوداع ہے،

حج بیت اللہ چند شرائط کے جمع ہوجانے پر ہر مسلمان پر اُسی طرح فرض عین ہے، جس طرح ہر روز پانچ وقت کی نماز، یہاں نماز ہی کا فریضہ کب ادا ہو پاتا ہے، جس میں نہ کچھ خرچ ہے، اور نہ کوئی خاص محنت، کہ فریضہ حج کے نہ ادا کرنے کا رونا روتا یا جائے، عمر کی گھڑیاں خاموشی اور تیزی کے ساتھ گزرتی ہیں، دن ہفتوں میں، ہفتے مہینوں میں، مہینے برسوں میں تبدیل ہوتے رہے، اور اس فریضہ کی ادائی کا خیال تک نہ آیا، کلام غید کی آیات میں اور رسول برحق کی احادیث میں، اللہ معلوم کتنی بار اولے حج کی فرضیت اور تاکید نظر سے گذری، اور عدم ادائے حج کی وعیدیں بار بار پڑھیں، پر قلب کی غفلتوں نفس کی شرارتوں اور ہوش و خرد کی ہرزہ کاریوں نے ہمیشہ مشورہ بھی دیا، کہ یہ ادا کرو احکام دوسروں ہی کے لئے ہیں، اپنے کو ان سے کیا تعلق! اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ عمر کی کتنی بیش بہا فرصتیں، اور زندگی کی کتنی جا کر نہ آنے والی ہفتلیں، اسی غفلت، اسی بے حسی، اور اسی قنوت قلب کی نذر ہو گئیں!

ہندوستان کے طول و عرض میں بے شمار سفر بہ ضرورت اور بلا ضرورت کر ڈالے، لیکن جو ایک ہی جگہ سفر کرنے اور حاضری دینے کی تھی، وہاں سر کے بل چلنا کجا، پیروں کے بل بھی جانا نصیب میں نہ آیا، بنگلون اور کوٹھیوں، حویلیوں اور ڈیوڑھیوں کے گرد چکر لگانے میں ایک عمر گزر گئی، پردہ آستان پاک، جو اس قابل تھا کہ اس کے گرد طواف کرنے میں ساری عمر تمام کر دی جاتی، اور اسی پر پروانہ دار اپنی جان نثار کر دی جاتی، اگر دشمن تقدیر نے محروم رکھا تو اسی کی چین سائی سے، ملک کے گوشہ گوشہ کی سیر کر ڈالی، پر نہ توفیق ہوئی تو ایک اس سرزمین کی زیارت سے مشرف ہونے کی، جس کی سر بلندی پر آسمان کو بھی شک

ہے، جہاں کھڑے ہو کر اللہ کے خلیل (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے اپنے رب کی توحید کی منادی کی تھی، اور جس کی ریگ کے ذرون پر اللہ کے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نقش قدم آج تک ثبت ہیں!

مردمیوں کی حکایت دراز، اور کوتہ سخیوں کا سلسلہ طویل، لیکن رحمت باری بے حساب اور فضل خداوندی بیکران، بڑے بڑے مجرم اپنی سیدہ کاریوں کی پوٹ کی پوٹ لیکر آئے اور بجر کرم کے ایک قطرہ نے سارے دفرون کی سیاہیان دم بھر میں سفیدی سے بدل دینے روئے کا پتے آئے اور ہنسنے کھلکھلاتے واپس گئے، اقلیم سخن کے تاجدار، خسرو نامدار نے اسی مضمون کو یوں ادا کیا ہے، اسے

قطرہ ز آب رحمت تو بس است شستن نامہ سیاہ ہمہ!

اور ایک دہقانی کج زبانی نے اپنی بولی میں یوں عرض کیا ہے، اسے

مجھے تھے سیدہ کاری اپنی دفرون حدتہ دیکھا تو کرم تیرا اسے بھی سوا پاپا!

بالآخر، جس کی رحمت ابر کرم بن کر سوکھی کھیتوں کو آن کی آن میں سرسبز و شاداب کر دیتی ہے، اسکی مشیت اسکی متقاضی ہوئی، اگر ایک محروم عمل، مردہ قلب کو اپنے محرم عزیمت کی حاضری و طواف، اور اپنے حبیب پاک صلعم کی آرامگاہ کی زیارت سے شرف فرمائے، چنانچہ ارادہ ہوا، معصوبہ بندھے، اور زبان پہلی بار لبیت اللہم لبیت، لبیت لا شریک لک لبیت کے تلفظ پر کھلی!

اللہ اللہ! کجا ایک ننگہ خلائق اور کمان وہ قدوسیوں اور نورانیوں والی سرزمین! کمان ایک رویہ گاہ کے ناپاک قدم اور کمان وہ معصوموں اور ملکوتیوں کی سجدہ گاہ!

ایاز قدر خود شناس عقل اس خوش تہمتی پر دنگ خرد اس بو لہجی پر حیران !

ہے آرزو کہ ابرو پر خم کو دیکھئے !

اس حوصلہ کو دیکھئے اور ہم کو دیکھئے !

لیکن ربوبیت کے عجائب کار و بار ہیں، اپنا نام رب العالمین ارشاد فرمایا جو رب الصالحین نہیں فرمایا، مرتبہ کمال پر صرف اتقوا و صالحین، ابرار و اخیار ہی نہیں پہنچائے جاتے، ربوبیت کا تعلق اشرار و فجار سے بھی ہے، دستگیر سی صرف نیکوں ہی کی نہیں، بدرون او بدتر سے بدتر بدرون کی بھی ہوتی رہتی ہے، ہوا سے ہوا جب چلتی ہے تو چمن کے خوشبودار پھولوں اور پیراگاہ کی گھاس کی پیوں دونوں کو مہکا دیتی ہے، اے بدرماندگی پناہ ہمارا، کرم تست عذر خواہ ہمارا !

غرض نیت قائم ہو چکی ہے، حج کے مہینے تین ہیں، اشوال، ذیقعدہ و عشرہ اول ذی الحجہ، الحج اشہر معلومات جس تاریخ کو ماہ مبارک رمضان ختم ہوتا ہے، ٹھیک اسی تاریخ سے موسم حج کی ابتدا ہو جاتی ہے، انشاء اللہ تعالیٰ یکم اشوال کو گھر سے نکلنا ہوگا اور ۳ اشوال کو ایچے ٹھیکے اکسپریس سے لکھنؤ سے جیسی کے لئے روانگی، اور ۵ اشوال کو بمبئی پہنچ کر منگل ٹرینی کے پہلے جہاز سے عزم سفر، پہلے زیارت دیار حبیب و حاضری روضہ انور، جتنے دنوں تک بھی قیمت یادری کرے، پھر آغاز ذی الحجہ میں فریضہ حج کیلئے مکہ معظمہ، بعد ادا سے فریضہ قصد مہجرت، اور اگر زندگی باقی ہے، تو انشاء اللہ اول عشرہ محرم میں واپسی وطن، یہ سارے ارادے اپنے ہیں، اور بندوں کو اپنے ارادوں کے نفاذ پر جو قدرت ہے، اس کا حال معلوم ! ہو گا وہی جو کچھ بندہ کا چاہا نہیں، بلکہ بندوں

کے پروردگار و مالک کا چاہا ہوگا، کیا ایک مثبت خاک اور کیا اُس کے ارادے! ارادہ کا حق تو اُسی کو ہے جس کے ہاتھ میں موت و زندگی، عافیت و سلامتی کی کنجیاں ہیں، مولا کی شانِ کریمی دیکھئے کہ مولا مناظرِ احسن صاحبِ عیسیٰ صاحبِ ذوق و صاحبِ علم بزرگ اور بعض اور عزیزوں اور مخلصوں کی محبت کی سعادت اور رفاقت کی دولت بھی نصیب میں آرہی ہے، انشاء اللہ العزیز،

سچ اس مدت میں کیونکر جاری رہ سکے گا؟ افسوس ہے کہ اسکی کوئی قابلِ اطمینان صورت نہ نکل سکی، مجبوراً فیصلہ کرنا پڑا، کہ اسکی اشاعت بارہ تیرہ ہفتوں کے لئے بند کر دیا جائے، جو اب تک اس خادم کی دلچسپی کی توقع ہے، ایک آدھ ہفتہ کے آرام کے بعد شروع ہو جائے گی، پھر اسی خدمت کا اجرا ہو سکتا ہے، البتہ وسطِ پارچ سے آخرِ پارچ تک کے پرچوں کے مضامین فراہم کئے جاتا ہوں، میری عدم موجودگی میں مولوی ظفر الملک صاحب ان پرچوں کو شایع فرما دیں گے، اس حساب سے ناظرین کو صرف تین مہینے کے لئے رحمت انتظار برداشت کرنی ہوگی، سچ سے محبت و حسن ظن رکھنے والے بھائیوں کے لئے یہ مدت بھی بہت ہے، اور خوب جانتا ہوں، کہ انھیں اس قدر انتظار بھی نہایت شاق گذریگا، لیکن سچ پوچھئے، تو التوا کی مدت کون ایسی بڑی مدت ہے، اور سچ کا نکتہ رہنا ہی کیون اتنا اہم اور ضروری فرض کر لیا گیا ہے، جو اس کی سہ ماہہ التوا پر اس قدر رنج و غم کیا جائے! آخر

غالبِ خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں!

دورانِ سفر میں کچھ لکھنے کی نوبت ہی کیون آئے گی، لیکن اگر کچھ لکھنے کی نوبت آئی

تو اسکی اشاعت کے اولین حقدار روزنامہ ہمدرد دہلی کے صفحات ست ہیں،

آداب سفر سے ہے کہ اس سفر کو سفر آخرت کا نمونہ سمجھے، احرام کی چادر دن کو کفن کی چادر دن کا نمونہ تصور کرے، اور چلتے وقت اپنے تمام ملنے والوں اور اپنے سے تمام تعلق رکھنے والوں سے اپنی خطاؤں کی معافی طلب کرے، ناظرین سچ تک فرداً فرداً پہنچنا ممکن نہیں، ان کے حقوق کی ادائیگی میں میری سچ کی جانب سے خدا معلوم کتنی غفلتیں اور کتنی کوتاہیاں اب تک ہوئی ہوں گی، اور خدا معلوم کتنوں کی دل آزاریاں اور اوراق کے ذریعہ سے ہو چکی ہوں گی، سب کی خدمت میں بہت و بجا تگ و گذارش ہے کہ اپنے اس خادم کی بڑی اور چھوٹی، دانستہ اور نادانستہ ساری خطاؤں کو اللہ کے واسطے صحت دل سے معاف فرمائیں، وہ جو حاکموں کا حاکم ہے، ان کی خطاؤں کو بھی معاف فرمائیں اس دربار کے سچے سفیر کی بشارتیں اور وعدے موجود ہیں،

انہما سب غفوکے بعد دوسری گزارش سچ کی برادری سے یہ ہے کہ اس خادم کو دعا خیر سے محروم نہ رکھا جائے اور زہد و فاسق سب کی سنتے والے کی بارگاہ میں بار بار عرض کیا جائے، کہ اس گنہگار کو حج پیرو اور زیارت مقبول نصیب، حکم ملے کہ توشہ کا سامان رکھو، اور پھر خود ہی ارشاد ہوا ہے کہ بہترین توشہ سفر تقویٰ ہی (دروند و خان خیر النہاد التقویٰ) یہاں تقویٰ کا سایہ بھی نہیں پڑنے پایا، سہارا جو کچھ ہے وہ کسی رکت و جیم کی نسبت بے حساب اور کرم بے انداز کا ہے، اور اس کے بعد اگر کسی توشہ کی طلب و ہوس ہے تو وہ اہل دل کی دعائیں ہیں، نہ یہ نصیب، اس کے جس کے نصیب میں یہ توشہ آجائے!

شانِ کریمی کے حوصلہ دیکھنا! کیسے نامہ سیاہ کو نواز اجا رہا ہے! کس ننگی خلعت

کو سرفراز کیا جا رہا ہے! شاعر نے صدیوں پیشتر اپنی تخیل کی رو میں کہا تھا ہے  
 بطواف کعبہ رستم بہ رحم نہ دادند تو بردن در چہ کردی کہ دردن خانہ کنی!  
 وہاں تو شاعری تھی پر اپنی طرت دیکھ کر دل دھڑک رہا ہے، اور بہت جوابتیرہ ہی ہے کہ کہیں اپنے  
 حق میں یہ شاعری باجہ سے حقیقت نہ بچائے! مولیٰ ہر سبکیں کی لاج تیرے ہاتھ میں ہے! ہر غفلت کا  
 آسرا تیرا ہی دستِ کرم ہے! بلایا ہے تو اپنے در سے محروم نہ واپس کرنا! اپنے اس تہر و غضب کے پناہ میں  
 رکھنا کہ اس آستانِ پاک تک پہنچ کر بھی تیرا بھکاری خالی ہاتھ واپس آئے! اندھے کی آنکھیں روشن  
 کر کے رہنا، نہ ہو کہ خانہ تک پہنچ کر صاحبِ چٹانہ کے دیدار سے محرومی رہے، نہ ہو کہ مکان پر حاشری  
 کے بعد بھی لامکان والے مکین کی تجلیاتِ حجاب ہی میں رہیں بیت کے ساتھ ربانیت کے  
 کے انوارِ جمال کی زیارت نصیب ہو! مردوں کو جلانے والے مالکِ بایوسوں کو خوشخبری دینے والے  
 مولیٰ! بیکسوں کی دستگیری کر نہ لو! آقا! دلون کے زخم پر رحم رکھنے والے پروردگار! تجھ سے  
 بھاگا ہوا تیرا نافرمان غلام، تیرے اور تیرے صیبت کے آستانِ پاک پر سر رکھنے کو حاضر ہو رہا ہے  
 دعاؤں کا قبول کرنا تیرے ہی ہاتھ میں ہے، اور دعاؤں کی توفیق دینا بھی تیرے ہی ہاتھ میں

لے خدا پاک بے انزار و یار،	دست گیر و جرم مار اور گزار
یاد وہ مارا سخنہائے رستیق	کہ تر رحم آور داک لے رفیق
ہم دعا از تو اجابت ہم نہ تو	ایمنی از تو، مہابت ہم نہ تو،
گر خطا گفتم اصلاحش تو کن	مصلحتی تو اسے تو اصلاح سخن

سبحان اللہ! الحمد للہ! ولا الہ الا اللہ! واللہ اکبر!

## باب (۱)

### روانگی بمبئی

عید ہر سال آتی ہے، اب کی عید ہر سال کی منو لی عید نہ تھی، کسی کے آستانے پر ذوقِ جبین سائی دل کو میثاب کئے ہوئے تھا کسی کے دربار میں حاضری کا دن ایک یک کر کے گنا جارا تھا، رمضان ختم ہوا عید آئی، انتظار کی گھڑیاں کٹیں، وعدہ دیدار پورا ہونے کی ساعت آئی، ہجر کے بعد وصلِ بھوری کے بعد حضور سی، انتظار کے بعد دیدارِ پیاس کے بعد سیرابی، جس کا فرماے فطرت نے ازل سے یہ قانون رکھ دیا ہے، اسی نے ماہِ مبارک کا خاتمہ موسمِ حج کے آغاز پر رکھا ہے، الحج اشہر معلومات، حج کا مشہور و معروف موسم عین اس وقت سے شروع ہوتا ہے، جب آخری روزہ اور آخری افطار آخری ترویج اور آخری سحری سے فراغت ہو چکتی ہے، مبارک ہیں ماہِ مبارک کی راتوں کی وہ بیداریاں، جو کسی کی آرزو سے ویدین لیسر ہوں، اور مبارک ہیں ماہِ مبارک کے بھوک اور پیاس، ضعف اور تڑپ والے وہ دن، جب کا خاتمہ کسی کی گلی کے طواف و سعی پیر ہو!

انسا ط عید دیدن روے تو لا

عید گاہِ ماغسریان کسے تو لا

سفر سیر و تفریح کے لئے نہ تھا، تحصیل "علوم" و تکمیل "فنون" کے لئے نہ تھا، علمی و ادبی تحقیقات  
 تاریخی و اثری تفتیش کے لئے نہ تھا، کشمیر و شملہ کا نہ تھا، لندن و پیرس، آکسفورڈ و کیمرج  
 کا نہ تھا، بلان و ہان کے لئے بھی نہ تھا، جہاں گرج گرج کر تفریرین کیجاتی ہیں اور جھگڑ  
 جھگڑ کر روز و لیونشن پاس ہوتے ہیں، سفر جھللاتی ہوئی ریگ والی زمین کی طرف تھا  
 گرمی کے موسم میں اس آسمان کی چھت کے نیچے تھا جس کا آفتاب تہمتا یا ہوا ہوتا ہو، ٹولوں  
 اور پارکوں، آبشاروں اور سبزہ زاروں کی طرف نہ تھا، خشک اور ٹپیل میدانوں  
 بے آب و گیاہ ویرانوں، اور آگ اور خاک برسانے والے ریگستانوں کی جانب تھا  
 ایک گنہگار امتی، اپنے نفع اور شفیق آقا کے آستانے پر حاضر ہو رہا تھا، بندے کی حاضری  
 اپنے مولا کے دربار میں تھی، بھلا کا ہوا غلام، تھک کے اور ہار کر، کھپتا کر اور شرار، کھپتا  
 مالک کی طرف رخ کر رہا تھا، ذرہ آرزو مند تھا، کہ آفتاب کی تابش سے جگمگا اٹھے،  
 قطرے کو ہوس ہوئی کہ بحر بیکران کے وصل کا لطف اٹھائے، مشیت خاک کو یہ دعا  
 ہو کہ نور پاک کے جادوب کشوں کی فرست میں اپنا نام لکھائے، جو کچھ نہ تھا اسے  
 یہ دلولہ ہوا، کہ جو سب کچھ ہے، اس سے تعلق و پیوند پیدا کیجے!

ہے آرزو کہ ابرو پر خم کو دیکھئے!

ہے حوصلے کو دیکھئے اور ہم کو دیکھئے!

حاضری کا حکم دینے والے کا حکم ہے، کہ زادِ راہ ساتھ لے کر چلو و تزدود  
 اور خود ہی زادِ راہ کی تشریح بھی فرمادی ہی، کہ بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے، خات  
 خیر الہام (المقوی)، یہاں قحط تھا، تو اسی جنس کا محرومی تھی تو اسی سرمایہ سے



تہمتی تھی تو اسی تو شرعاً راہ سے ادل چکیا یا طبیعت رکی، ارادہ کا قدم ڈنگایا، مگر معاً  
یاد آیا کہ وہ خدا سے قدیر و جیم جو ہر روز تاریکی کو نور میں بدلتا رہتا ہے، سر سے ہونے فضلہ  
اور محنت پھیلانے والی کھاوے طرح طرح کے رنگارنگ گل بوٹے پھل پھول میوے  
اور غلے وغیرہ اگاتا رہتا ہے، سچا نور میں جان پھونکتا رہتا ہے، کیا وہ تباہ کاروں کو اپنے  
در بار میں حاضری کی نعمت سے سرفراز کرنے پر قادر نہیں؟ کیا در ماندوں اور خستہ حالوں  
کے دامن کو گہر مراد سے بھر دینا اس کے فضل و کرم سے کچھ بھی بعید ہے؟ کیا وہ صرف  
نیکیوں اور پاکوں، پارساؤں اور پاکیزوں ہی کا دلی و وارث، رب اور مالک  
ہے؟ اور بد ہوشان غفلت اس کے لطف و رحمت سے، خدا نخواستہ ہمیشہ محروم  
ہی رہیں گے؟

ٹوٹی ہوئی ہمت بندھی، دھڑکتا ہوا دل تھا، ڈنگاتے ہوئے پیر سینے چنڈ نہ  
قیل حیدر آباد جانا ہوا تھا، وہاں کے متعدد اہل دل بزرگوں کی گفتگو میں اور صحبتیں  
دل میں شوق اور دلولہ پیدا کر چکی تھیں، اس سے قبل دہلی کے زندہ جاوید محبوب الہی  
نظام الدینؒ کے دربار سے اجازت مل چکی تھی، ماہ رمضان المبارک میں دیوبند اور  
تھانہ بھون کے دو زندہ خاصان حق کی زبان سے مزید حوصلہ افزائی ہو گئی، اتنی  
ساری تائیدات غیبی کے بعد بھی اگر کوئی بد بخت ازلی سوچتا اور چکیا تار جاتا، تو وہ  
انسانوں کے بجائے جمادات میں شمار کرنے کے قابل تھا، غصہ گدھ، لکھنؤ  
اور حیدر آباد سے بعض کرم فرماؤں نے اپنے اپنے تجربوں کے مطابق  
ضروریات سفر سے متعلق یادداشتیں بھی مرتب کر کے روانہ

کہ دسی تحقیق یکم شوال کو بعد اسے ظہر، ادعیہ مسنونہ و ماثورہ پڑھتا ہوا گھر سے باہر نکلا مسجد سے رخصت ہوا بعد اعلیٰ حضرت شیخ محمد آغیش بخشی نظامی (دم شکستہ) اور دوسرے بزرگوں کے مزارات پر فاتحہ پڑھی، قصبہ کے مسلمان ساری دنیا کے مسلمانوں کی طرح، اس وقت سخت باہمی زور آزمائی میں مصروف ہیں، ہر فریق دوسرے کی عزت و آبرو کا دشمن، یہاں تک کہ آج عید کا دن بھی انہیں گلے نہ ملا سکا تھا، لیکن انقلابِ لہلوب کی کار سازی، کہ اپنے ایک ہا کارہ و تنگ وطن ہو کر کج رخصت کرنے کے لئے ہر فریق اپنی پوری محبت و خلوص کے ساتھ آمادہ ہو گیا، عین عید کی مشغولیت میں تیز دھوپ میں پایادہ، سب کا دو میل تک آنا، اور بہر ہر دم پر اپنے جوشِ محبت کا ثبوت دیتے رہنا کوئی معمولی بات نہ تھی،

وطن سے روانگی کے بعد پہلی منزل ٹٹھنوی کی تھی، اور لکھنؤ بھی اپنے گونا گوں تعلقات کے لحاظ سے ممتاز وطن ہی ہے، یکم شوال کو شب میں یہاں پہونچے تھے اور سہر شوال (۱۵ مارچ) یومِ جمعہ کو شب ہی میں یہاں سے روانہ ہوئے، دوسرے بزرگوں اور دوستوں کی تشریف آوری کا جو سلسلہ شروع ہوا، تو ٹھیک اس لمحہ تک، کہ جب تک دس بجے شب کو گاڑی چھوٹا نہ لی، برابر جاری رہا، نامِ صاف کے روپیے اور ناشتہ کے خوان پر خوان چلے آ رہے ہیں، اور رخصت کرنے والوں میں شہر کے نامور پیر سٹر اور دکلا، اطباء اور ڈاکٹر، اخبارات کے اڈیٹر، رسالوں کے مدیر

اللہ مولانا سید سلیمان ندوی، پروفیسر ہارون خان شروانی (جامعہ عثمانیہ)، مولوی خضر الملک صاحب علوی اور مولوی شاہ محمد ایاس برنی کی امداد اس سلسلہ میں شکر گزاری کے ساتھ یاد رکھنے کے قابل ہے،

ندوہ کے علماء، انگریزی کالجوں کے پروفیسر اور طلبہ، فرقہ گئی محل کا سارا خاندان، عالمِ حجاز  
 واعتراف۔ کوئی کس کس کے نام گنائے، اور سب کی مکمل فہرست یاد رکھنے  
 کا دماغ کس کو بڑے اور چھوٹے، عالم اور عامی، سب سے جس خلوص و محبت کیساتھ  
 رخصت کیا ہے، اس کی یاد کا نقش جلد مٹنے والا نہیں، احادیث نبوی میں جمہرات  
 اور مہتمم کا سفر مبارک بتایا گیا ہے، کریم کی کریمی ملاحظہ ہو، کہ دریا باد اسٹیشن سے  
 گاڑی ایسے وقت چھوٹی، کہ چار شنبہ کا آفتاب غروب ہو رہا تھا، اور شبِ پشنبہ کا آفتاب  
 ہونے کو تھا، اور لکھنؤ سے روانگی کے وقت شبِ شنبہ کو شروع ہوئے کئی گھنٹے گذر  
 چکے تھے، راستہ میں بھوپال اسٹیشن پر دوستوں اور عزیزوں نے بھی نہیں، بلکہ ایسے  
 مہربانوں نے بھی جنکی خدمت میں اس کے قبل نیاز تک حاصل نہ تھا، جس  
 مسافر نوازی کا ثبوت دیا، اُس کا معاوضہ بجز دعا ہے، خیر کے اور کیا ہو سکتا ہی اللہ  
 تعالیٰ سب کو دارین میں فائز المرام کرے!

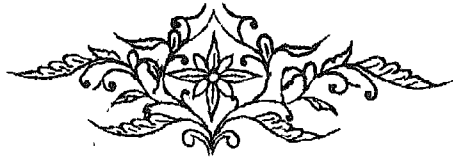
۱۰ مارچ، یکشنبہ، کو علی الصبح بمبئی پہنچے، ناواٹھوں کے لئے بمبئی کا  
 مرحلہ بھی کچھ کم گھٹن نہیں، ان پڑھ دیہاتیوں کا ذکر نہیں، اچھے اچھے پڑھے  
 لکھے شہری، اگر انکا کوئی دوست یا آشنا سا یہاں موجود نہیں تو پہلی دفعہ بمبئی  
 پہنچ کر حیرا جاتے ہیں، بمبئی میں حاجیوں کے لئے متعدد وسیع آرام دہ مسافرخانے  
 بنے ہوئے ہیں، جہاں آدمی بغیر کسی کرایہ کے ٹھہر سکتا ہی، حاجی سیٹھ صاحبِ اوصاف  
 مرحوم کا مسافرخانہ کرافٹ مارکٹ (جہاں دنیا بھر کی چیزیں بیٹاتی ہیں) سے متصل  
 اور بڑے اسٹیشن (وکٹوریہ ٹرمینس) سے چند فرلانگ کے فاصلہ پر واقع ہے، یہ سب

زبان آرام دہ ہے، اس کے داروغہ مولوی حضرت اللہ صاحب جن کے چہرہ کی نور  
ان کی باطنی پاکیزگی کا آئینہ ہے، اور ان کے نائب منشی عبدالستار صاحب سچ کے غائب  
کرم فرماؤں میں تھے، خیال تھا، کہ قیام اسی مسافر خانہ میں ہوگا، ۱۲<sup>۱۱</sup> مین والد  
ماجد مرحوم مع والدہ صاحبہ کے جب حج کو تشریف لے گئے تھے، تو وہ بھی یہیں مقیم  
ہوئے تھے، لیکن ابھی بڑا اسٹیشن دور تھا، اور پوری طرح صبح بھی نہیں ہونے  
پائی تھی کہ بھائی کلمہ اسٹیشن پر مولانا شوکت علی مع اپنے رفقاء کے نمودار ہوئے،  
اور حکم ہوا کہ وکٹوریہ ٹرین پہنچ کر دارالخلافہ چلنا ہوگا، کس کی مجال تھی کہ بابائے خلافت  
کے حکم کی تعمیل نہ کرتا،

”دارالخلافہ“ کوئی مسافر خانہ یا ہمان سرا نہیں، مرکزی خلافت کمیٹی کے دفتر  
کا نام ہے، خدا کا شکر ہے کہ گرایہ پریشیاں روپیہ صرف کرنے کے بعد اب جمعیت خلافت  
کے پاس اپنا ذاتی مکان ہو گیا ہے، یہ مکان بھائی کلمہ اسٹیشن سے دو فرلانگ پر  
لوہین (کسی نے اس کا ترجمہ ”کوئے جانان“ خوب کیا ہے) میں واقع ہے، وسیع  
دو منزلہ عمارت، صحن کشادہ، خاموش و پرسکون فضا، بمبئی میں ایسی عمارت  
ہا تھا آجنا خوش قسمتی ہے، مرکزی عمارت کے حصہ زیریں میں دفتر جمعیت خلافت  
و دفتر روزنامہ خلافت، بالا خانہ پر مولانا شوکت علی کی فرودگاہ ”نیر“ ”معزت“ ”مہذب“  
ہمالوں کے لئے آراستہ و مرصع ڈرائنگ روم، اور دوسرے کمرے (یہاں یہ  
سوال نہ پیدا کیجئے کہ جمعیت خلافت کو ان پر تکلف آرایش و زیبائش سے کیا واسطہ  
قرن صحابہ کی خلافت راشدہ اور چودھویں صدی ہجری کی خلافت کمیٹی میں اب کیا



اور بے قراری، بھاگ دوڑ، شور و غل، پیچ بکار، شور و اضطراب، دن کو چین نہ رات  
 کو سکون، اور اسی کا نام اس دور یا جو جی میں "ترقی و تہذیب" ہے، ہجرت صرف اس  
 پر ہے کہ اس غلبہ یا جو جیت کے باوجود اب تک یہاں کی مسجدین کیونکر اس قدر آباد  
 و پر رونق ہیں اور اتنے نمازی اور دیندار مسلمان یہاں کیسے نظر آتے ہیں!



## باب (۲) مبئی۔ جہاز

سفر کا ایک اہم جزو ارتقاء سفر ہوتے ہیں سفرِ حج میں یہ اہم جزو بہت زیادہ اہم ہوتا ہے، میں نے جس وقت سے سفرِ حج کا ارادہ کیا تھا، اسی وقت سے یومی بھی آمادہ تھیں اور آمادگی محض زبان تک محدود نہ تھی، بلکہ اپنا زیور علیحدہ کر کے روپیہ کا بھی انتظام کر لیا تھا، خوشنما سن صاحبہ (والدہ خان بہادر شیخ مسعود الزمان بیرسٹر باندہ) بھی عرصہ سے تیار تھیں، میرے آرام کے خیال سے انھوں نے ایک مرد ملازم میرے ہی گھر کا پروردہ ہمراہ لیا، رامپور کی ایک عزیزہ بہن ساتھ چلنے کو کہہ رہی تھیں میری درخواست پر ان کے حقیقی بھائی بھی جو حیدر آباد میں نصف ہیں بڑی تیزی و مستعدی کے ساتھ آمادہ رفاقت ہو گئے، اس طرح میرا اصلی قافلہ کل چھ شخصوں کا ہوا، جنکا کھانا پینا ایک ساتھ تھا، کھنٹو کی ایک اور عزیزہ (بیوہ ڈپٹی نہال الدین احمد مرحوم) بھی مع اپنے بھائی شیخ حیدر علی قدوائی کے ہمراہ ہوئی تھیں انکے علاوہ گدیہ کے مولوی عید الباری صاحب ندوی (استاد جامعہ عثمانیہ) مع اپنے والدین اور چار دوسرے اشخاص کے ہمراہ ہوئے، اور اسی قافلہ میں مولانا سید مناظر احسن صاحب (شیخ الحدیث جامعہ عثمانیہ) بھی شامل تھے، جنکا تعارف ناظرین سچ سے بالکل غیر ضروری ہے

اس طرح مل ملا کر ہم سب ملولہ آدمی ساتھ تھے، لیکن میرا اصلی قافلہ وہی چھ آدمیوں کا تھا، سفرِ حج کا ساتھ بڑا نازک ساتھ ہوتا ہے، اچھے اچھے گہرے دوستوں کی مددِ العمر کی دوستیاں اس سفر میں ٹوٹے دکھیں ہیں، اور بھائی سے بھائی کو، باپ سے بیٹے کو، پیر سے مرید کو، اس سفر میں چھوٹ جاتے سنا، اسی خوف سے میں نے شرف سے بڑی احتیاط رکھی، کہ قافلہ بہت بڑا نہ ہونے پائے، اور جو لوگ ساتھ ہوں بھی، وہ حتی الامکان اپنا اپنا انتظام دوسرے سے علیحدہ رکھیں، آئندہ کے تمام عازمانِ حج کی خدمت میں مخلصانہ گزارش ہو، کہ جب تک کسی دوست یا عزیز پر یہ اعتماد نہ ہو کہ وہ غیر معمولی تحمل دے، نفسی اوصاف، اطاعت و انقیاد کا مالک ہو، ہرگز اسے شریکِ قافلہ نہ بنایا جائے، اور کھانے پینے، رہنے سہنے کا الگ الگ انتظام تو واجبات میں سے ہے۔

بہی میں شروع شروع مجھ اللہ اپنے کو مخفی رکھنے میں کامیاب رہا، لیکن قیامِ جون جو بڑھتا جاتا تھا، اخلاک کا اہتمام دشوار تر ہوتا جاتا تھا، آخر ایک وزیرِ ایک صاحب یہ پیام لیکر آئے کہ انگریزی روزنامہ انڈین ڈیلی میل کے نمائندہ صاحب مع کیرہ کے تشریف لائے کا ارادہ فرما رہے ہیں، یہی میرا بیان شایع کرنے کیساتھ ساتھ مجھ عجیبِ خلقت کی تصویر سے بھی روشن خیال ناظرین کی صیافتِ طبع کیجائیگی! گویا اگر کے اس الہام کی ایک تازہ شرح شایع ہو کر رہیگی، سے

عشاق کو بھی مالِ تجارت سمجھ لیا اس قدر کو ملاحظہ شد کیجئے،  
 بھرتے ہیں میری آہ کو فوٹو گرافت میں کہتے ہیں فیس لیجئے اور آہ کیجئے!  
 یہاں بجائے "فوٹو گرافت" کے "فوٹو گرافت" سے کام لیا جانے والا تھا، اور یہاں



کے ساتھ ہی ساتھ فیس کی جانب بھی اشارہ تھا، جواب میں عرض کیا گیا، کہ تصویر کھینچوانا، اور اخبار کے لئے بیان لکھوانا الگ رہا، یہاں تو آقا بزرگوار سے اخبار پڑھنا ہی سرے سے ترک کر دیا گیا ہے، یہاں تک کہ ایک روز نامہ (خلافت) کے دفتر میں شیخ کے باوجود اس اخبار کو آج تک ہاتھ نہیں لگایا ہے، اور اپنے روزنامہ (ہمدرد) کی تو شکل تک بھی نہیں دیکھی خیر یہ مصیبت تو ٹل گئی، لیکن سچ کی محبت اور قدر افزائی جس گروہ کے دل میں اللہ نے ڈال دی ہے، اس کی نظر سے بچے رہنا کیونکر ممکن تھا، بالآخر ان محبت کرنے والے بھائیوں کی آمد و رفت شروع ہوئی، خود اپنے اپنے کاروبار کا ہرج کر کے آتے تھے، اور اپنے گھر دن پر لیجا کر کھانا کھلاتے تھے، عزیز میمن الدین حارث، جامعہ ملیہ کے ایک قابل فخر گریجویٹ ہیں، اور اب اپنا ایک روزانہ اخبار بھی نکال رہے ہیں، انھوں نے ادریس برادری کے ایک نوجوان احمد عبداللہ "غریب" صاحب نے سادگی و خلوص کے ساتھ "دعوتِ شیراز" کا نمونہ دکھا دیا، ان کے ہاں کی سادگی کا پورا مقابلہ حاجی قاسم نور محمد چھاپرا صاحب تاجر چوہ کی ضیافت کے تکلفات نے کر دیا، حاجی صاحب کو سچ سے خدا معلوم کیوں اتنا حسن ظن پیدا ہو گیا ہے، پہلے قیام گاہ پر تحائف لیکر آئے، پھر اپنے ہاں دعوتِ دھوم دھام سے کی، اور پھر ہماز پر بھلون کی بڑی سی ٹوکری خود لیکر آئے، اور ہر موقع پر یہ محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اپنی طرف سے کسی عنایت یا احسان کا احساس مطلق نہیں رکھتے، بلکہ اپنی خدمت گزاروں کو اپنے لئے باعثِ فخر و سرمایہٴ سعادت سمجھ رہے ہیں!

بیٹی میں قیام بارہ دن کرنا پڑا، جہاز کی روانگی کی روز امید بندھتی تھی مگر  
 ہر صبح کی خبر شام کو غلط نکلتی تھی، یہ بارہ دن کی مدت ضروریات سفر کی فراہمی اور  
 سامان کی خریداری میں گزری، جہاز میں اب ہر قسم کی چیزیں ملنے لگی ہیں، جہاز پر  
 بھی کھانے کا فی الجملہ انتظام ہو گیا ہے، اس لئے سامان بجائے زیادہ لیجانے کے،  
 کم سے کم لیجانا چاہئے، ورنہ ایک تو بار برداری میں خرچ اچھا خاصہ بڑھ جاتا ہے،  
 دوسرے اس کی حفاظت و نگہداشت کی فکر میں قلب کو ہر وقت تشویش رہا کرتی  
 ہے، اور پھر چیزوں کے ٹوٹے پھوٹنے سے نقصان الگ ہوتا رہتا ہے، چنانچہ یہی  
 ارادہ تھا، کہ سامان بہت مختصر اور ہلکا لیا جائیگا، اور اسی ارادہ سے بیٹی کے  
 بازار دن میں خریداری کے لئے نکلے لیٹن پھر بھی سولہ آدمیوں کی ضرورتیں،  
 پیش نظر تھیں، ہوتے ہوئے کل سامان کا انبار اچھا خاصہ ہو گیا، بستر، کپڑوں  
 کے کئی کئی جوڑے (اگر ایک آدمہ رنگین جوڑا بھی ساتھ رہے تو بہت آسانی  
 رہتی ہے) اور پیش بندھی، بنجارہ وغیرہ کی جرب دو این، گھڑے ہمراہ لیکر نکلے تھے  
 باقی سامان بیٹی میں خرید کیا، ہر شخص کی ضروریات سفر دوسرے سے مختلف  
 ہوتی ہیں، تاہم حسبِ میل سامان بیٹی سے خرید کر ناغالباً علی العموم مفید ثابت ہوتا  
 احرام کی چادرین (یا تولے)، ڈک چیر (کپڑے کی کرسی)، تھرماس، چٹائی،  
 (بہت کام آتی ہے) ٹارچ (چوربتی)، لائٹن، اینڈ ٹیگ، انجینیٹی، کوئلہ، کیتل، ٹین کا  
 پیپا (پانی رکھنے کے لئے) مشکیزہ، منجد دودھ، دلیا، ستوا، کھڑی، چائے، اور پھل،  
 اور جنکو فرش پر سونے میں زیادہ تکلیف محسوس ہوتی ہو وہ سفری چارباہان بھی  
 خرید لیں، اس سارے سامان کی فراہمی میں بہت زیادہ مدد بیٹھ محمد روشن صاحب

(تاجر چوب) اور اُن کے صاحبزادے میان سراج احمد سے ملی، جنھوں نے اپنے وقت اور اپنے موٹر کوئی دن، کئی کئی گھنٹے ہم غریب لوگوں کی خدمت کے لئے وقف رکھا اور جن کی رہبری سے ہر سوئے مین بڑی کفایت رہی،

جج اور سرفرج صحیح معنی میں ایک مجاہد ہے، خودی پر ضرب پوری قوت و شدت کے ساتھ پڑتی ہو، اور بندہ کو بندگی پوری طرح سکھائی جاتی ہو، اسی کا ایک کرشمہ ہے کہ بندہ کا ارادہ قدم قدم پر توڑا جاتا ہو، اور کوئی نقشہ اوقات (پروگرام) خواہ کتنے ہی غور و فکر کے بعد تیار ہوا ہو، سالم و ثابت نہیں رہنے دیا جاتا، دریا باد سے قصدیہ تھا کہ موٹر لاری پر روانگی ہوگی، اور راستہ میں بانسہ کی مشورہ و تبرک درگاہ پیر حاضری دیتا ہوا لکھنؤ پہنچو، ننگا لاریاں دریا باد سے روزانہ ایک نہیں تین تین روٹم ہوتی رہتی ہیں، مگر اُس روز ہر اسکا فی تلاش و کوشش کے بعد ایک بھی نہ مل سکی، مجبوراً ٹرین سے روانہ ہونا پڑا تھا، گاڑی اس قدر لیٹ آئی، کہ راستہ میں اتر کر بانسہ حاضر ہونے کا وقت باقی نہیں رہا، یہ سب کچھ تو عین آغاز سفر کے وقت پیش آیا تھا، لکھنؤ سے سرشوال کو شب کے وقت روانگی کا قصد مصمم تھا، مگر کی سہ پہر کو بمبئی سے تار پہنچا کہ جہاز ابھی نہیں جا رہا ہے، چند روز کے لئے ارادہ ملتوی کرو، اُسی وقت جوابی تار دیکر مزید تفصیل دریافت کی، سر کی دوپہر تک کچھ جواب نہ ملا، دفتر خلافت کو ٹیلیفون دینا چاہا، معلوم ہوا کہ ٹیلیفون کا سلسلہ ٹوٹا ہوا ہے، بغرض روانگی سے صرف چند گھنٹے قبل تک تذبذب و تردد ہی رہا تھا، یہی صورت بمبئی میں بھی قائم رہی، ہر روز جہاز کے دفتر ہی سے مستند و معتبر اہل علمین موصول

ہوتی تھیں، لیکن ہر کھپلی اطلاع پہلی اطلاع کو غیر مستند و غیر معتبر ثابت کر دیتی تھی! انسانی خودی کا سب سے بڑا منظر اس کا ارادہ ہوتا ہے، اسی ارادہ کو چکنا چور کیا جاتا ہے، مغرور و نادان انسان، حج کے قصد سے نکلا ہے، پھر بھی اپنے ہی ارادہ کو غالب و حاکم رکھنا چاہتا ہے! اپنی بے بسی کے اعتراف اور اپنی ہیج ماگی کے اقرار کو اٹھا ہے، پھر بھی اپنی ہی کو اختیار و قدرت و الٰہیت کرنا چاہتا ہے، بعدیت و بیچارگی، بندگی و سبکی کا سبق لینے کو چلا ہے، پھر بھی اپنی ہی خدائی قائم رکھنا چاہتا ہے! —————  
انکار و افتقار، دربانگی و شکستگی کی تعلیم اگر اس سفر میں بھی نہ ہوگی، تو کب ہوگی؟

بارہ دن تک ہماری پوری پارٹی دار الخلافۃ میں مہمان رہی، مہمانی کے یہی نہیں کہ اتنے روز تک ہم سب کا بار خلافت فنڈ پر پڑتا رہا، اس کے برعکس ہم سب کے کھانے پینے کے بل برابر تیار ہوتے رہے، اور چلتے وقت ہم سب اپنے اپنے حسابات آنے پائی سے مباح کر کے آئے، بلکہ اکثر مہمانوں نے اصلی حساب زائد ہی خلافت فنڈ کی خدمت میں نذر کر دیا، جس قدر کفایت یہاں ٹھہرنے میں ہوئی، ہمیں کسی کی ہوٹل میں ممکن نہ تھی، اور جس قدر آرم یہاں ملا، یہ بھی اتنے خرچ میں ہمیں کسی ہوٹل میں ممکن نہ تھا، مولانا شوکت علی ہر وقت جس طرح خاطر داریوں میں گئے رہتے تھے، اور ان کی وجہ سے ہر معاملہ میں جتنی سہولت رہی، اس کا شکر یہ الفاظ کے ذریعہ سے ادا کرنا دشوار ہے، عزیز سی زاہد علیخان سلجواؤ ذرا ہنچک نہیں، اس باب میں شاید باب سے بھی کچھ قدم آگے ہیں، مولانا عرفان (ناظم مالیات خلافت) حضرت (ایڈیٹر روزنامہ خلافت) مولوی عزیز الرحمن صاحب دہلوی، ان سب کی کوششیں

اور عنایتیں اسی شکر یہ کی حدود سے بالاتر ہیں،

اکثر حاجیوں کے سامنے ایک سوال، روپیہ کے رکھنے کا ہوتا ہے، نقد روپیہ سب اپنے ساتھ رکھنے، تو خواہ مخواہ ایک بار اور ہر وقت کی فکر حفاظت کا اضافہ ہوتا ہے، ہندوستان میں متعدد کوٹھیاں اور ایجنسیاں ایسی ہیں جہاں روپیہ بانی جمع ہو جاتا ہے اور حجاز میں بحفاظت تمام لجاتا ہے، دہلی کے حاجی علیجان مرحوم کی کوٹھی، اس بارے میں قدیم اور سب سے زیادہ مشہور ہے، ان کا کاروبار بڑے پیمانہ پر ہے، اور مکہ و مدینہ دونوں جگہ ان کے معزز و دیانتدار کارکن موجود ہیں، ہم لوگوں کو اس توسط کی ضرورت نہیں پڑی، ہم نے اپنا بیشتر روپیہ میسبی کے مشہور سٹیج محمد عمر بھائی چاند بھائی خازن جمعیت خلافت (ناکد لوی اسٹریٹ) کے حوالہ کر دیا اور جدہ مدینہ منورہ، و مکہ معظمہ، ان کے ایجنٹوں کے نام چٹھیاں لے لیں، تھوڑا سا روپیہ شیخ ابراہیم عبداللہ الفضل (نیو کوننس روڈ چوپاٹی) کے پاس بھی جمع کر دیا، یہ درعیہ بھی بہت معتبر ہے، شیخ عبداللہ الفضل نجدی الاصل ہیں، اور سلطان ابن سعود کے خاص مقرروں میں ہیں، ان کے ایک بھائی شیخ عبدالرحمن الفضل، جدہ کے مشہور تاجر ہیں، اور دوسرے بھائی محمد الفضل مکہ معظمہ میں نائب گورنر ہیں، الفضل جہا سے میسبی میں ملاقات بھی ہوئی، اب کی سال یہ بھی عازم حج ہیں، اور مجھ سے چند روز کے بعد روانہ ہونگے، ہمارے جو لوگ چاہیں، کپتان کے پاس بھی اپنا روپیہ امانت رکھا سکتے ہیں،

بمبئی اور کراچی میں جاجیوں کی جہازی کمپنیاں تین ہیں، مغل لائن، نمازئی اور  
 شوسترئی، نمازئی اور شوسترئی مسلمانوں کی ہیں لیکن ان پر مشترکہ کمپنیوں کا اطلاق مشکل  
 ہی ہو سکتا ہے، خصوصاً شوسترئی تو بہت ہی چھوٹی ہے، مغل لائن کسی زمانہ میں مسلمانوں  
 کی تھی، اب اس پر تمام تر قبضہ اس کے ایجنٹ مسٹر ٹرنر مارین انڈیا کمپنی کا ہے، دراصل  
 ان سب کے جہاز مال لادنے کے ہیں، اور سال کے بیشتر حصہ میں یہی کام کرتے تھے  
 رہتے ہیں، حج کے موسم میں انھیں "مال گاڑیوں کو" "سواری گاڑی" بنادیا جاتا ہے، اور  
 ان پر بے جان مال و اسباب کی جگہ جاندار جاجیوں کو لاداجانے لگتا ہے، ٹرنر مارین  
 کمپنی کے چھ ڈائریکٹر ہیں، ان میں صرف ایک مسلمان ہیں باقی پانچوں انگریز کمپنی  
 کی شاخیں رنگون سے لیکر سوئٹزرلینڈ، بنگال، بحر ہند، خلیج فارس، بحر عرب،  
 بحر روم، چین، مختلف مقامات پر قائم ہیں، کارکن زیادہ تر انگریز ہی ہیں،  
 لیکن بحرین، بندر عباس، بوشہر، جدہ، کراچی، کویت، مسکٹا، وغیرہ میں مسلمان  
 ایجنٹ ہیں، بمبئی کا ایجنٹ براؤن نامی ایک انگریز ہے، لوگ اس کے مزاج و اخلاق  
 کی تحریف کرتے ہیں، کمپنی آٹھ جہازوں کی مالک ہے، اور جہازوں کی تعداد دنیہ عام  
 انتظامات کے لحاظ سے دوسری کمپنیوں سے بڑی اور بہتر ہے، اسی کمپنی سے سفر  
 کرنا طے پایا، اب تک اکثر ایسا ہوتا تھا کہ مقابلہ کی کشمکش کے وقت بعض کمپنیاں  
 اپنا کرایہ بہت گھٹا دیتی ہیں، اب کی یہ صورت اُس وقت تک نہ تھی، اور نہ آئندہ  
 اسکی توقع رکھنی چاہئے، ہر کمپنی کا کرایہ یکساں اور بڑی سی بڑی سرکاری شرح  
 کے مطابق تھا، یعنی :-

تیسرے درجہ کیلئے ۱۹۵ روپیہ آمدورفت دکفایت واپسی ہی کے



## باب (۳)

### جہاز

جہاز کی روانگی کی تاریخ خدا معلوم کتنی بار بدلی، ہماری اطلاعین براہ راست کمپنی کے دفتر سے حاصل شدہ ہوتی تھیں، ٹرنر مارسین کے دفتر میں ایک صاحب قاری محمد بشیر عظیم گدھی بڑے کام کے اور مستعد آدمی ہیں، وہ بیچارے ہمارے ہر کام کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے، اس پر بھی ہر اطلاع غلط ہی ثابت ہوتی رہی، اور روانگی برابر ٹلتی رہی، اس میں خاصہ تصور ہم لوگوں کا بھی تھا، جو اپنی ناواقفیت اور نا تجربہ کاری سے حاجیوں کے جہاز کو ریل پر قیاس کئے ہوئے تھے، ان جہازوں کے چھوٹے مین بہت سے ایسے موثرات کام کرتے رہتے ہیں، جن کا کئی روز قبل سے صحیح اندازہ کر لینا، کمپنی کے افسروں کے اختیار سے باہر ہوتا ہے، اس لئے بہت قبل سے کوئی تاریخ قطعی طور پر متعین نہیں ہو سکتی، بہر حال ایک آدھ روز قبل متعین طور پر معلوم ہوا کہ جہاز اکبر چار ماچ کو روانہ ہوگا، یہ جہاز کچھ ایسا پرانا نہیں، سسٹم کا بنا ہوا ہے، اور کمپنی کے جہازوں میں اوسط درجہ کا ہے، وزن ۴۴۰ ٹن ہے، سسٹم میں خلافت کمیٹی اور جمعیتہ العلماء کے معزز ارکان و فداوی جہاز پر گئے تھے، روانگی کی تاریخ کا بالآخر تعین سنگرمالیوس اور پریشان حال حاجیوں کی جان میں جان آگئی، ہم لوگ بھی انتظار سے اکتا چلے تھے



صبر و ضبط کا امتحان کافی ہو چکا تھا، اور وہ جو گھر سے یہ امید لیکر چلا تھا کہ وسط شوال میں امن  
مبارک میں پہنچ جائیگا، اسے وسط شوال تک میٹھی ہی میں رکار ہنپاڑا تھا، ۲۷ و ۲۸  
کی درمیانی شب، خاص شوق و اشتیاق میں گذری،

جمعرات ۲۸ مارچ ۱۶، شوال جہاز اسے شب کو چھوٹے والا تھا لیکن جلیون  
کو حکم یہ ملا تھا کہ بجے صبح اپنا سامان جہاز پر رکھ دین اور خود ۳ بجے سہ پہر کو بھپارہ  
(دوس انفلش) کے لئے حاضر ہو کر قبل مغرب جہاز پر سوار ہو جائیں اس حکم کی تعمیل  
میں سامان صبح روانہ کر دیا گیا تھا لیکن اسکی روانگی میں کسی قدر دیر ہو گئی تھی، دوسرے  
حاجی بہت قبل سے پہنچ کر ساری اچھی جگہیں اپنے اسباب سے گھیر چکے تھے، حج کا سفر  
اللہ نے اس لئے رکھا ہے کہ بندہ کو بندہ بننے کی عادت پرٹے، بندہ، بندگی، ایشاد بے نفسی  
کا سبق حاصل کرے، لیکن بندوں میں ٹیک اس کے برعکس خود غرضیوں کا زور  
ہوتا ہے، اور ہر شخص اسی فکر میں لگا رہتا ہے کہ دوسروں کو دھکا دیکر ڈھکیل کر  
ڈرا دھکا کر جس طرح بھی ممکن ہو اپنے لیے بہتر سے بہتر جگہ حاصل کرے اور دوسروں  
کے حقوق اور انکی تکلیفوں کا مطلق لحاظ نہیں رہتا، عموماً کامیاب وہی رہتے ہیں  
جو ہاتھ پیر کے زبردست ہوتے ہیں، یا پھر وہ جو جہاز کے ملازموں کو دے دلا کر  
اپنا کر لیتے ہیں، سہ پہر کو ہم لوگ بھپارہ گھر حاضر ہوئے، جن کی عمارت پرنس ڈاک  
سے ایک آدھ فرلانگ کے فاصلہ پر ہے، یہاں کا سامان دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے  
حاجیوں کی جماعت اس وقت انسانوں کی جماعت نہ تھی، بھیڑ بکریوں کا ایک  
غول تھا، جسے پولیس کے کانٹبل اور شفا خانہ کے ملازم جس طرح چاہیں ہاتھ پیر

سننے ہیں کہ کبھی میں ہماری سرکار کی طرف سے کوئی محکمہ محافظہ حجاج بھی قائم ہے، محافظت کی نئی اور انوکھی صورت آج دیکھنے میں آئی کہ پچارے عوام کا لالچام کا ذکر نہیں، اچھے اچھے معزز و ذی مرتبت حاجی، فرسٹ کلاس کے ٹکٹ رکھنے والے تیز دھوپ میں حیران و پریشان، ہجوم میں دھکے کھاتے پھرتے ہیں اور جوتوں بچاریوں کی حالت اس سے بھی کمین اتر رہا ہے یا جو جی حکومت کی طرف سے اس جرم کی کہ اس بیسویں صدی کی روشنی میں بھی لندن اور پیرس، رومہ اور ویانا، آکسفورڈ اور کیمبرج، گلاسکو، اور ایڈنبرا، نیویارک، اور واشنگٹن، کو چھوڑ کر آ کر تیلے بیابان، اور پتھریلے ویرانہ کی طرف ذوق و شوق سے رُخ کیا جا رہا ہے اور پتھریلے میں یہ بے شہمہ ارشاد ہوا ہے، کہ حج، یا جو ج کے زمانہ میں جاری رہے گا، لیکن جو جی حکومتیں حاجیوں کے ساتھ کیا برتاؤ کر سکیں گی، اور حاجیوں پر کیا کچھ گذرتی رہیگی، اس کا تعلق سننے سے نہیں، دیکھنے سے ہر مطالعہ سے نہیں، مشاہدہ سے، اور اخبار سے نہیں تجربہ سے ہے! یہ سچ ہے کہ اشد کے راستہ میں نکلنے والوں کے لئے ہر تکلیف عین راحت، اور ہر قویہ عین عورت ہے، لیکن جو یا جو جی قوتیں آج اپنے دست و بازو پر نازان ہیں، وہ سن رکھیں، کہ یہ امتحان اللہ کی راہ میں نکلنے والوں کے ضرب و کسر نفس و خود شکنی کا نہیں، بلکہ خود زمین و آسمان کے پروردگار کے حکم کا امتحان ہے!

شوکت صاحب کل شب میں دہلی روانہ ہو گئے تھے، آج انکی جانشینی زاہد کے حصہ میں آئی، بھپارہ اور ہجاز کے سارے معرکے زاہد صاحب ہی کی مدد سے ہوئے، اور اگر بدلتواند سپر تمام کنڈ کے پرانے مقولہ کی آج نئی تصدیق حاصل ہوئی

اللہ اس ہونہار نوجوان کو اپنے حفظ و امان میں رکھے، اور اس پختہ دیندار مسلمان بنادے، انجن خدامِ ابنی کے کارکن بڑی محنت اور سیر حشی کے ساتھ حاجیوں کو برف و شربت سے سیراب کرتے ہوئے دکھائی دیئے، کانش سرکار دولتمدار کے محکمہ محافظِ حجاج میں اتنی ہی ہمدردی و انسانیت ہوتی انجھٹوں کے انتظار کے بعد بھپیارہ خانہ میں ہم لوگوں کی بھٹی ڈاکٹری ہوئی، یعنی پر اسے نام ہماری رضوان پر ہاتھ رکھ کر دو سکند میں اس سوانگ کو ختم کر دیا گیا، اور عصر کے آخر وقت تک کے سب حاجی جہاز پر سوار ہو گئے، مجموعی تعداد قریب پندرہ سو کے پہونچی، اس وقت سے لیکر شب کے گیارہ بجے تک جو جہاز کے چھوٹے کا وقت تھا، انسانوں کے اتنے بڑے مجمع کو جمین بوڑھے دبچے ہند رست اور بیمار توانا اور کمزور بھی تھے حواج بشری سے بالکل پاک اور منفرہ فرض کر لیا گیا، گو یا جہاز کا عشرہ جنت کا صحن تھا، جہاں کسی کو قصاے حاجت کی ضرورت نہ پیش آئیگی، جہاز میں پیشاب اور پاخانے کی جگہیں مستعد رہی ہوئی تھیں، لیکن اس وقت سب کی سب مقفل تھیں، اور جب تک جہاز چھوٹ نہ لیا، بدستور مقفل رہیں، اسنا کہ جہاز جب تک گودی (ڈاک) میں لگا رہتا ہی، اس اندیشہ سے کہ کہیں ساحل سمندر گزرتی و غلاطت سے لبریز نہ ہو جائے، برابر اسی طرح جہازوں کے پاخانے مقفل رہا کرتے ہیں، ۳ بجے بھپیارہ کا وقت مقرر تھا، بہت سے غریب حاجی ایسے آئے تھے، ٹھکانوں سے روانہ ہوئے تھے، اس وقت سے لیکر ۱۱ بجے تک یعنی پورے ۹ گھنٹے کی مدت میں کمزور مٹانہ والے حاجیوں پر کیا گزری، کیا اس کی تصریح کی ضرورت ہے؟

ٹھیک ایسے شب کو جہاز میں حرکت ہوئی، اور اُس نے آہستہ آہستہ سارے  
کو چھوڑنا شروع کیا، لیجئے دیکھتے ہی دیکھتے قرب و جوار کی ساری عمارتیں نظروں  
سے پوشیدہ ہو گئیں، اور صرف انکی روشنیاں باقی رہ گئیں، اللہ اللہ! کیا وقت ہے!  
کیا سامان ہے! جہاز میں حرکت تو خیر جیسی کچھ بھی ہو، اپنے دل کی حرکت کا کیا حال  
ہے؟ وطن ہر خطہ دور ہوتا جا رہا ہے، وطن کی دیکھیاں ساری کی ساری چھپ چھپتی  
جاتی ہیں، بیوی بیٹک ساتھ ہیں، لیکن بچیاں وہیں ہیں، والد ماجد وہیں ہیں،  
بھائی وہیں ہیں، بہن وہیں ہیں، سارے اعوان اور دوست وہیں ہیں، ساتھ کے  
کام کرنے والے وہیں ہیں، لیکن بھلا اللہ دل میں اس وقت ان میں سے کسی کی فکر  
نہیں، فکر انکی نہیں، جو پیچھے چھوٹ رہے ہیں، فکر ہے تو انکی جو آگے ملنے والے  
ہیں، اِدوستو! اور عزیز و اقدا حاقط! خاک وطن کے ذرو، خدا حافظ! سب کو اسی  
مالک و مولا کے سپرد کیا، سب کو اسی کریم و حیم کی حفاظت میں دیا، جس کے در پر  
جبین سانی کو یہ تنگ وطن و تنگ خاندان اس وقت روانہ ہو رہا ہے، اُس کی  
خطائیں معاف کرو، اُس کے قصوروں سے درگزر، اُسکی بیہودگیوں پر خاک اُلٹو  
اللہ تمھارے عیبوں پر پردہ ڈالے گا، اللہ تمھارے مرتبے بلند کرے گا، اللہ تمھاری خطاؤں  
کو معاف کرے گا، لَبِّکَ اللّٰهُمَّ لَبِّکَ، اللّٰهُمَّ ایلک تو جہت و ملیک تو کلت و  
وجہت اس دلت فاجعل ذنبی مغفورا، ادجی مبروراً، ادا رحمتی ولا تقبلی  
واقض بعرفات حاجاتی انک علی کل شیء قدیر،

خدا جہ حاقط نے مدت ہوئی فرمایا تھا،

شب تاریک پیچ موج و گردِ لبِ چنینِ حاکم  
کجا دانند حالِ ماسکسارانِ ساحلِ

لیکن حقیقت یہ ہے کہ "شب تاریک" ہی نہیں، روز روشن میں بھی "اوریم و موج" ہی کے وقت نہیں، سمندر کے سکون کے وقت بھی، اور گردِ آب و تلاطم ہی کی حالت میں نہیں، پوری ہمواری کی حالت میں بھی، احادیث کے ہزار کی کیفیت کا اندازہ صرف حاجی ہی کر سکتے ہیں، بغیر آپ بیتی کے "سکسارانِ ساحل" اس کا صحیح اندازہ کرنے سے بالکل قاصر ہیں، بریل کے سفر میں جو سہولتیں بالعموم صہیل رہتی ہیں، وہ ان جہازوں میں عفا کا حکم رکھتی ہیں، تھرڈ کلاس والوں کا ذکر نہیں وہ مخلوق تو شاید سختیاں اٹھانے اور تکلیفیں جھیلنے کے لئے پیدا ہی ہوئی ہے، سکند کلاس بلکہ فرسٹ کلاس والوں کو بھی قدم پر یہ محسوس کرایا جاتا ہے، کہ وہ عبادت کیلئے مجاہدہ کے لئے، کسٹمرس کے لئے گھروں سے نکلے ہیں، اور خدا بننے کیلئے نہیں، بند بننے کے لئے چلے ہیں! اکبر کا شمار اچھے خاصے جہازوں میں ہی رہے نیچے کا حصہ بریل کی مال گاڑیوں کی طرح نال کے لئے مخصوص، اس "اسفل سافلین" کے مقابلہ میں اعلیٰ اعلیٰ یعنی جہاز کا سب سے اونچا عرشہ، اعلیٰ فرنگی افسروں، اکتان چیف افسر، انجینئر وغیرہ کے لئے مخصوص، اچھوٹی چھوٹی کوٹھریاں، جن میں نہ نیکھا، نہ ہوا کا گزر نہ پاخانہ، نہ غسل خانہ، اوپر تلے دو بچپن، ان کا نام "سکند کلاس کمپن" جب تک کہ یہ تھرڈ کلاس سے ڈھائی گنا! فرسٹ کلاس بھی اس قدر تنگ و مختصر، البتہ ان کا مقام نسبتاً بہتر، اور نیکھا ان میں موجود، لیکن پاخانہ اور غسل خانہ ان کے ساتھ بھی نہیں اور پیشاب کی ضرورت کے لئے ہر مرتبہ، ہر فرسٹ کلاس کے مسافر کو خاصی فضا

طے کر کے اس عام و مشترک بیت اخلات تک جانا ہوتا ہے، جس پر فرسٹ کلاس اور سکنڈ کلاس دونوں کے کل مسافروں کا یکساں حق ہوتا ہے! پھر زنانہ و مردانہ کی بھی تفریق نہیں سب کے لئے ایک ہی کافی، ایسی صورت میں اگر دروازہ پر دس دس منٹ تک لوٹا ہاتھ میں لئے امیدواری کرتی رہنا پڑے، تو حیرت کی کیا بات! طہارت کا انتظام بمنزلہ صفر، گندگی دور ہونے کے بجائے کپڑوں کے نجس ہو جانے کا اندیشہ ہر وقت لگا ہوا! آرام و آسائش کا یہ میعار فرسٹ کلاس والوں کے لئے ہے!

”جبکی بہاریہ ہو پھر اسکی خزان نہ پوچھ“ اگر بہار سے ”خزان“ کا اندازہ کرنا ممکن ہے، تو فرسٹ کلاس کی حالت سے تھوڑا کلاس کا بھی اندازہ کر لینا ناممکن نہیں ہمارے اسفل سافلیں سے اوپر کے دو درجے تھوڑا کلاس والوں کے لئے ہوتے ہیں لیکن انھیں درجہ قرار دینا خود لفظ ”درجہ“ کی تحقیر کرنا ہے! یہ درجے کیا ہوتے ہیں بھڑ بکریوں کے بارے ہوتے ہیں جنہیں بے زبان جانوروں کے بجائے بے زبان (اور شاید بے جان بھی) ”کالے“ آدمیوں کو اسٹے سیدھے، تلے اوپر بھر دیا جاتا ہے! ادھر کوڑے کے ڈھیر، ادھر غلاظت کے انبار! ادھر کھانا پاک رہا ہے، اور دھواں ہے، کہ کچھ اور ناک میں گھسا جا رہا ہے، ادھر سامنے بیٹھے ہوئے چھوٹے بچے ہی نہیں، انکے باپ اور چچا پیرانہ نابالغ، ہر قسم کی شرم و غیرت کو بالائے طاق رکھے ہوئے، بلا تکلف، پیشاب اور پاخانہ کے مشاغل میں مصروف! روشنی کا گزر دشوار اور ہوا کا گزر دشوار تر! رہے تھوڑا کلاس کے پاخانے اور غلٹانے، تو ان کا تو تصور بھی نفیس منہ پر بار ہوگا، اہواز کا نیچے والا عرشہ (ڈک) جہاں فرسٹ کلاس کیمین ہوتے ہیں!

درحقیقت فرسٹ اور سکند کلاس والوں کا برا آمدہ ہوتا ہے، جو تھوڑا کلاس والے قلیوں یا جہاز والوں کو کچھ دے دلا کر یہاں قبضہ کر لیتے ہیں، وہ منے میں رہتے ہیں اور مسافروں میں بہت خوش قسمت سمجھے جاتے ہیں، بیٹھا پانی اول تو ملتا بہت محدود مقدار میں ہے، پھر اس کے ملنے کے اوقات معین و مختصر، یہی حال کھانا پکانے کی لکڑی کا ہے، جو جہاز پر بلا قیمت تقسیم ہوتی رہتی ہے، پانی اور لکڑی اور دونوں کی تقسیم کے وقت جو ہنگامہ برپا ہوتا ہے، جس طرح کنسٹرے کنسٹرے اور سرے سرے کرتے ہیں، اور بوڑھوں اور کمزوروں کو جس قیامت کا سامنا ہوتا ہے، ان سب کا تعلق دیکھنے سے ہے، سننے سے نہیں! ————— لیکن درحقیقت صبر و شکر کا سبق بھی اللہ کی اسی بے زبان مخلوق سے لینا چاہئے، دیکھئے والوں کو ان پر ترس آ رہا ہے، لیکن یہ اپنے حال میں مست، اپنی دھن میں مگن! انھیں نہ برقی قمقون کی طلب، نہ نیکی کی ہوس، نہ رت کی خواہش، نہ لاکم جوس کی تمنا، کہیں تلادت ہو رہی ہے، کہیں وعظ کی محفل گرم، کہیں دیگیاں مانجی جا رہی ہیں، کہیں کپڑے اپنے ہاتھ سے دھل رہے ہیں، کہیں روٹیاں تو بے پر پڑ رہی ہیں، اور تقریباً سارے کے سارے بے فکر و بے غم، انکا میلان قابلِ مغرین، لیکن انکا صبر قابلِ رشک، انکا شکر قابلِ داد اور انکی ہمت قابلِ آفرین!

مغرور و بر خود غلط اتھرو دسر کش، غافل و مدہوش، خاک کا پتلا، کس قدر اپنی حیثیت کو بھولا ہوا، اور اپنی حقیقت کو بھلائے ہوئے ہے، حج کا سفر، اثار و قدوتِ فروتنی و نفس شکنی کا مدرسہ ہوتا ہے، اس پر بھی نفس کی فرہی میں ایک ذرہ کمی نہیں!

انانیت ہر ہر قدم پر زندہ اور نفس پرستی سے وقت کا لمحہ لمحہ معور بمصائب سفر کا بیشتر  
جھصہ تو خیالی اور اپنے دماغ کا پیدا کردہ ہوتا ہے، باقی تھوڑی بہت تکلیفیں جو واقعی  
ہوتی ہیں، سولے عزیز اگر یہ علم صحیح قائم ہو جائے کہ یہ کس کی راہ میں پیش آرہی ہیں  
تو معائنہ تکلیف آرام سے اور درد راحت سے تبدیل ہو جائے، ہر گمراہی کی تباہ انسان  
کے اس جذبہ پر ہی کہ وہ اپنی مرضی کو سب پر حکمران دیکھنا چاہتا ہو، اسلام اسی باطل  
پرستی کی تصحیح کے لئے ہے، اسلام کے معنی اپنی مرضی کو اپنے پیدا کرنے والے کی مرضی  
کے محکوم کر دینے کے ہیں، اور فریضہ حج اسی مقصد کی تکمیل کا ایک آلہ ہے، پھر اگر  
راستہ میں کچھ امور ناخوشگوار پیش آئیں، تو ان پر بے صبری کا اظہار کتنی بڑی  
محدومی اور بد نصیبی ہے، دنیا میں کسی کے ساتھ ذرا ساد ل کا لگاؤ پیدا ہو جاتا ہے  
پھر دیکھئے کہ اسکی گلی کا ہر کانٹا کس طرح پھول بن جاتا ہے، پس وہ جو سب مجبوروں  
کا محبوب ہے اور سب کی محبتوں کا تاجدار ہے، اگر اسکی راہ میں کوئی بات خلافت  
مزاج یا خلافت توقع پیش آئے، تو وہ بات ہی ایسی کیا ہو سکتی ہو جس کے چرچے  
زیانوں پر لائے جائیں، اور جس کے تذکرے اخبارات کے کالموں میں پھیلے  
جائیں!



## باب (۴)

### جہاز سمندر

قافلہ کے دونوں جزو ملا کر کل ہم لوگ سٹولہ آدمی تھے، سکنڈ کلاس کی حالت اور بیان کیجا چکی ہے، حاجیوں کے جہاز پر سکنڈ کلاس کا ٹکٹ لینا نادانی ہی، ریل کے سکنڈ کلاس پر ہرگز اسے قیاس نہ کرنا چاہئے، وہ آرام و آسائش یہاں خواب خیال ہے، ساڑھے چار سو اور ساڑھے پانچ سو کی رقم میں کچھ بہت زیادہ فرق نہیں، جو لوگ صاحب استطاعت ہیں، انھیں چاہئے، کہ فرسٹ کلاس کا ٹکٹ لین، اور پھر تھوڑی پر قناعت کریں، ہم لوگوں نے چارٹلڈ فرسٹ کے لئے، باقی بارہ تھوڑے کے تھے، انھیں بارہ مین ہم میان بیوی بھی تھے، تھوڑے سے زیادہ کی بیٹ مین گنجائش نہ تھی، طے کر چکے تھے، کہ برسی بھلی جس طرح بھی گزریگی، بہر حال ہزاروں دوسری مخلوق خدا کی طرح برداشت ہی کریں گے، مگر اب خدا کی قدرت ملاحظہ ہو، شوکت صاحب خود مجھے ہمراہ لیکر ٹرین مار سین کے دفتر میں گئے، اور لگے میرا تعارف اپنی زبان اور اپنے لہجہ میں کرنے، انکی زبان کون پکڑ سکتا تھا جو کچھ جی میں آیا فرماتے رہے، نتیجہ یہ ہوا، کہ تھوڑی سی دیر کے بعد ہم میان بیوی کے ٹکٹ، تھوڑا کلاس کی قیمت کے ساتھ فرسٹ کلاس کے ہو گئے، دفتر



لے خدا از فضل تو حاجت روا  
باتو یاد پہنچس نمود روا  
تلخ تر از فرقت تو، ہیچ نیست  
بے پناہست غیر ہیچا ہیچ نیست  
دست با چون پائے مار می خورد  
بے امان تو کسے جان کے برد

ہر سفر کی خوشگوار سی و ناخوشگوار سی میں خاصہ دخل سفر کے رفیقوں کو ہوتا ہے  
رفیق اگر ہم مذاق ہیں، تو ہر سفر خوشگوار بن سکتا ہے، اور اگر رفیق ناخوش ہے، تو کوئی  
بھی اسی درجہ کی ہوتی ہے، جہاز کے سفر میں، جہان ساری بیرونی دنیا سے بے تعلق  
ہو جاتی ہے، اور ڈیڑھ دو ڈیڑھ دو ہفتے یہ بے تعلق قائم رہتی ہے، رفیقوں کا سوال  
اور زائد اہم ہو جاتا ہے، ہمارے قافلہ کے جو اصلی اجزاء تھے، انکا ذکر ادھر آچکا،  
مولوی عبد الباری صاحب ندوی کے والد ماجد حکیم عبد الخالق صاحب کی  
رفاقت بہت مفید ثابت ہوئی، وہ محض ایک عبادت گزار و دور ویش صفت  
بزرگ ہی نہیں، بلکہ تجربہ کار طبیب بھی ہیں، اور اپنے ہمراہ مجربات کا ایک پورا  
بکس لے گئے تھے، راستے میں تھوڑا بہت بیمار پڑنا ناگزیر تھا، سارے قافلہ کو  
کم و بیش حکیم صاحب اور انکے مجربات کی ضرورت پڑی، اور سبکے دلون سے ان کے  
حق میں دعائے خیر نکلی، مولانا مناظر حسن صاحب کا درد و گداز علم و فضل، اذوق  
و جوش ہر موقع پر ایک نئے رنگ میں نمایاں ہوتا رہا، اور انکی ایمان پر و متقریرین  
اور نظریں خدا معلوم کتنے دلون کو گرماتی، اور کتنے ایمانوں کو تازہ کرتی رہیں، انکے  
عزیز مولوی شاہ لطف اللہ منوگیری (خلف مولانا شاہ محمد علی منوگیری قدس سرہ) کے  
ساتھ افسوس ہے کہ اس سفر نامہ کی ترتیب کے وقت تک حکیم صاحب کا انتقال ہو چکا،

بھی مع اپنی پارٹی کے کبھی سے ہمراہ ہو گئے تھے، بہار ہی کے ایک منصف <sup>مظہر الدین</sup> صاحب بھی مع اپنے صاحبزادہ ضمیر الدین صاحب کے جو اپنے صوبہ کی خلافت کیلئے کے ایک پرجوش کارکن معلوم ہوتے ہیں، بہار پر ملے، اور تھوڑی سی دیر میں ہم لوگوں سے گھل مل گئے، مولوی عین الحق صاحب پشترج عدالت خیفہ، جو ایک زمانہ میں بہار ہی تھے، مگر اب لکھنؤی ہو گئے ہیں، والد ماجد مرحوم کے ملنے والوں میں ہیں اور دو ج اس کے قبل کر چکے ہیں، اب کی اپنے تیسرے ج میں اسی بہار پر ہیں، اعلیٰ دیکھ کر قدرت خدا نظر آتی ہے، لباس اس درجہ سادہ، مزاج اس درجہ قانع ! یقین ہی نہیں آتا کہ یہ بی، بی، بی، ال ہیں، اور بڑے بڑے سرکاری عہدوں پر رہ چکے ہیں، غازی پور کے گریجویٹ وکیل مولوی رفیع اللہ صاحب بھی اسی قیل کے انسان نظر آئے، ان کی شب بیداری، انکی سادگی، اور انکے ذوق عبادت پر بار بار رشک آتا ہے، سب سے زیادہ دیکھتا ہوں ہمارے وطن کے چودھری محمد علی (چچو) تعلقہ اردو دی کی ہے، جو لوگ اس ہنسنے والے اور ہنسانے والے زندہ دل رئیس سے واقف ہیں، وہ خدا معلوم ان کے سفر ج کی خبر کو باور کیونکر کریں گے ! لیکن کریم کی کریم میں کسی کا کیا اجارہ ہے، وہ جیسے چاہے دم بھر میں نواز دے ! ہندوستان کی شیعہ جماعت کے شاید ہی تنہا نمائندہ ہیں، جو اس بہار پر مع اپنی سنی اور دیندار زوجہ محترمہ کے حج بیت اللہ کے لئے چل رہے ہیں، ان سب رسیقوں اور علیسون نے مل جل کر سفر میں وطن کی شان پیدا کر دی تھی،

سنتے تھے کہ بہار میں مٹلی کی شکایت عام رہتی ہے، اور اکثر دن کو مچکے آتے رہتے

ہیں یہاں تک کہ بعض لوگوں کی حالتیں خراب ہو ہو جاتی ہیں، ہم لوگوں نے انکی پیش بندی میں کاغذی لیون بہت سے ساتھ رکھ لئے تھے بعضوں کے ساتھ ایلان تھین، ہلکے ترش میوے اکثر متلی اور دوران سفر میں مفید ثابت ہوتے ہیں بعض لوگوں نے ایک پیٹنٹ دوا (MOTHER SEIGATS ANTI SEA-SICKNESS) کے قرص بھی جو خاصہ گر ان ملتے ہیں، بیسی سے خرید کر ہمراہ لے لئے تھے، لیکن مجدائے ان چیزوں کے استعمال کی ضرورت اکثر ان کو مطلق نہیں پیش آئی اس کی ایک خاص وجہ ماہرین سفر دریائی نے یہ بیان کی کہ موسم خشک و خوشگوار تھا اور سمندر میں تلاطم بالکل نہ تھا، مارچ اور اپریل کا مہینہ سفر بحری کے لئے خاص

طور پر سوزوں ہیں سمندر اس زمانے میں خاموش و پرسکون رہتا ہے، البتہ رستا کے موسم میں خصوصاً اس کے آغاز میں اور اس کے اختتام پر سمندر میں شدید تلاطم برپا رہتا ہے، اور طاقتور موجیں ہولناک حد تک بلند ہو کر جہاز سے ٹکراتی رہتی ہیں، ان سے جہاز ہنڈولے کی طرح ڈانوا ڈول ہونے لگتا ہے، یعنی دائیں اور بائیں پہلوؤں پر جھلکنے اور اٹھنے لگتا ہے، اسی سے آلات ہضم میں ہیجان پیدا ہو جاتا ہے، اور انسان دوران سفر اور متلی میں مبتلا ہو جاتا ہے، ہمارا جہاز تقریباً بالکل محفوظ رہا، اور بحرِ معدودے چند اشخاص کے اور کسی کو قابل ذکر شکایت نہیں پیدا ہوئی، ایک بات تجربہ سے یہ معلوم ہوئی، کہ پر خوری اور غلوی معدہ دونوں اس حالت میں مضر ہیں، اور ایک طرف اگر ثقیل، دیرہم غذاؤں سے بچنے کی ضرورت ہے، تو دوسری طرف بالکل بھوکے رہنے سے بھی، بجائے اسکے کہ ایک یا دو بار کھانا خوب شکم سیر ہو کر کھالیا جائے یا محض فاقہ کیا جائے، چائے

اور ناشتہ کی ہلکی غذا مین اگر دن میں بار بار استعمال میں آتی رہیں، تو انشاء اللہ جہاز کی بیماری سے نجات دے گی، ایک اور ضروری شے تازہ ہوا ہے، تھرو کلاس ولے پی آر کے ایک بڑی حد تک اس نعمت سے محروم رہتے ہیں، تاہم جس حد تک بھی ممکن ہوا کسی طرح انہیں سبقت کرتے رہنا چاہئے، میرا ذاتی تجربہ ایک یہ بھی ہے کہ نگاہ کو حتی الامکان اگر جہاز کے کناروں پر نہ جمنے دیا جائے، بلکہ سمندر کے دور سے دور کناروں پر جایا جائے تو بھی سر کے چکر سے بہت عافیت رہتی ہے۔

گوری حکومت میں گوری قوم کا ہر ہر فرد اپنے کو حاکم سمجھتا ہے، اور کوئی گورا کہیں اور کسی مرتبہ پر بھی ہوا، ماتحت نہیں، حاکم اور خادم نہیں، اتنا بنکر رہتا ہے، حاجیوں کے جہاز اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہوتے، ظاہر ہے کہ یہ کمپنیاں حاجیوں کے روپیہ سے زندہ ہیں، اور انکا مقصد وجود حاجیوں کی خدمت ہے، تاہم جہاز کے جتنے بڑے عمدہ دار تھے، سب فرنگی ہی تھے، کپتان انگریز، چیف آفیسر انگریز، سکنڈ آفیسر انگریز، انجینئر انگریز، میکانک انگریز، وائرلیس سیر آپریٹر انگریز، جوئیز آپریٹر انگریز وغیرہ وغیرہ اور غیر مسلم تو چھوٹے بڑے تقریباً سب ہی عمدہ دار تھے، اور سب کا برتاؤ حاجیوں کے ساتھ وہی تھا جو گوروں کا، کالوں کے ساتھ اور صاحب کا، "نیٹو" کے ساتھ ہر جگہ رہا کرتا ہے، تاہم یہ شاید حاجیوں کی طویل صحبت کی برکت تھی، یا کیا، کہ برتاؤ فی الجملہ نرم و مہذب تھا، اور سختیاں نسبت کم تھیں، جہاز کا سب سے بڑا افسر کمانڈر یا کپتان کہلاتا ہے، فرنگیوں سے بات کرنے کو اب مدت سے جی نہیں چاہتا، تاہم اس جہاز کا کپتان پی ایچ، وارڈ میک نیکل و سادہ مزاج انگریز ہے، جو حاجیوں سے ہمدردی بھی خاصی رکھتا ہے،

اُس سے اکثر بات چیت ہوتی رہتی تھی، جہاز کا چیف آفیسر گین بھی ایک خوش مزاج  
 نوجوان انگریز ہے اس سے بھی کبھی کبھار گفتگو ہوتی رہتی تھی، کپتان کے دروازہ سے  
 دروازہ ملا ہوا تھا، بار بار سابقہ پڑتے رہنا ناگزیر تھا،

حاجیوں کے جہاز پر ابتدا سے کھانے کا مسئلہ بہت اہم رہا کیا ہے، جہاز پر جو ہر  
 افسران جہاز کے لئے ہوتا ہے، اول تو عام مسافروں کے لئے ہوتا نہیں، صرف فرسٹ کلاس  
 والوں کے لئے ہوتا ہے، پھر کھانے کے دام زائد، اور کھانا انگریزی مذاق کا اس لئے ہوتا  
 حاجیوں کے لئے اس کا وجود سیکار ہی ثابت ہوتا ہے، اور ہر حاجی کو کھانے، اور  
 کھانا پکانے کا سارا سامان لا کر لیجا نا پڑتا ہے، آٹا ذرا دل چاہے، گھی، مسالہ، دہی، پن  
 برتن، چولہا، سل، بڑا لکڑی چیرنے کی کلہاڑی، اور خدا معلوم اور کیا کیا، بورلیون مین  
 بھر بھر کر لا دنا پڑتا ہے جس کی زحمت و مشقت محتاج بیان نہیں، ابکی سال خدا کے  
 فضل سے یہ زحمت ایک بڑی حد تک دور ہو گئی تھی، مسلم بلگیم خود پہلائی، کپنی  
 کے نام سے، حاجی سیٹھ عمر بھائی چاند بھائی کے زیر اہتمام و نگرانی، ٹرمارلین کے  
 جہازوں پر کھانے کی دوکانیں اس سال سے کھل گئی ہیں، چنانچہ اکبر پر بھی اسی  
 کمپنی کی طرف سے ایک مسلم ہوٹل موجود تھا، جو معتدل بلکہ ارزان نرخ پر مسلمان  
 باورچیوں کا پکا یا ہوا کھانا دے رہا تھا، کسی ہوٹل کے لئے یہ ممکن نہیں، کہ وہ شخص  
 کے ذائقہ کا یکساں لحاظ رکھ سکے، اور پھر یہ ہوٹل تو بھی بالکل نیا تھا، نا تجربہ کاری  
 کی لغزشیں ناگزیر تھیں، پھر بھی ہونہار ہوٹل نے اپنی بساط کے موافق بہت آرام  
 پہنچایا، اور اس کے منچر اور اسٹیشن منچر نے حاجیوں کو خوش اور مطمئن رکھنے کی اپنی

والی پوری کو شش جاری رکھی، افسوس ہے کہ کمپنی والوں نے ہوٹل کو کافی مشہور  
 نہیں کیا تھا، اور ہوٹل کھلنے کی اطلاع صرف چند اخباروں تک محدود رہی تھی،  
 اس لئے حاجیوں کے عام اور دیہاتی طبقہ کو اسکی اطلاع بھی نہیں ہو سکی تھی، اور  
 وہ لوگ حسب دستور اپنے اپنے گھروں سے پورا سامان لا کر لائے تھے، اور اپنا  
 کھانا اپنے ہاتھ سے پکاتے رہے، آئندہ کے لئے میرا مشورہ ہے کہ حاجی صاحبان کی  
 تعداد میں اسی ہوٹل کی سرپرستی فرمائیں، بشرطیکہ کمپنی مسلمانوں کی عام غفلت  
 و بے حسی کا شکار ہو کر ٹوٹ نہ جائے، اس میں سہولت بھی رہیگی، اور کفایت بھی  
 تاہم وقت ضرورت کے لئے مختصر سامان کھانے اور کھانا پکانے کا خود اپنے ساتھ  
 بھی رکھنا ضروری ہے، محض ہوٹل کے بھر دسہ پر رہنا غلطی ہے، اور کمزور معدہ والوں  
 کو تو ہرگز کسی ہوٹل کے بھر دسہ پر نہ رہنا چاہئے، جو لوگ خوشحال ہیں، اور جن کے  
 معدہ اور ذائقہ کو انگریزی کھانا نا موافق نہیں پڑتا، وہ جہاز کے انگریزی ہوٹل  
 سے اپنے کھانے کا انتظام رکھ سکتے ہیں، کھانے کی شرح غالباً تین روپیہ یومیہ ہے،

جہاز پر جہاز کے تنوڈیٹھ ملازمین کے علاوہ، مسافروں کی تعداد قریب  
 پندرہ سو کے ہے، گویا ایک چھوٹے قصبہ کی پوری آبادی ہے، سب سے بڑی تعداد  
 دیہاتی بنگالیوں کی ہے، خصوصاً مشرقی بنگال والوں کی، جو بیچارے اپنے جسم  
 اور دماغ دونوں کی کمزوری کی بنا پر، بلا ارادہ دوسروں کے لئے باعث تکلیف  
 بنے ہوئے ہیں، تھوڑے تھوڑے لوگ بہار، یوپی، ملابار، گجرات اور سیکی کے  
 بھی ہیں، ان ڈیڑھ ہزار میں، تنوڈیٹھ ایسے ہیں جو جوان ہیں، تندرست ہیں،



تعلیم یافتہ ہیں، آسودہ حال ہیں، اور دنیوی وجاہت و منصب رکھتے ہیں، باقی  
 عموماً بچائے ایسے ہیں، جو بوڑھے ہیں، کمزور و بیمار ہیں، غریب ہیں، لکھنے پڑھنے سے  
 منذور ہیں، اجاہ و منصب سے محروم ہیں، گناہ ہیں، اور خود دنیا کو ترک نہیں کرتے  
 ہیں، بلکہ دنیا میں ترک کر رہی ہے، کیا حج بیت اللہ انھیں بیچاروں کے لئے  
 فرض رکھا ہے؟ اور وہ جو اونچی اونچی کوٹھیلوں میں رہتے ہیں، جو سچے سچے بنگلوں  
 میں بستے ہیں، جو نفیس نفیس موٹروں پر سوار پھرتے رہتے ہیں، جبکہ بڑے بڑے  
 کھاتے بنیکوں میں کھلے ہوئے ہیں، جو دو دو ہزار، اور چار چار ہزار ماہوار کی تنخواہیں  
 رکھتے ہیں، جو بڑے بڑے تعلقوں اور زمینداروں کے مالک ہیں، جو یورپ اور  
 ہندوستان کی یونیورسٹیوں کی بڑی بڑی ڈگریاں رکھتے ہیں، جو نامور پروفیسر ہیں،  
 جو مشہور واکٹر ہیں، جو نامی انجینیر ہیں، جو کامیاب ایڈیٹر ہیں، جو خان بہادر ہیں،  
 جو سی، آئی، اے، ای ہیں، جو نواب اور نواب زادے ہیں، جو کونسلوں کے ممبر ہیں،  
 جو تھیٹر اور سینما، اور ناچ اور ہر فرنگی آرٹ کے شیدائی ہیں، جو اپنی اولاد کو  
 لندن اور پیرس، برلن اور وینا، آکسفورڈ اور کیمرج بھیجتے رہتے ہیں۔  
 شاید ان سبے ولیفہد حج ساقط ہو گیا ہو!

# باب ۵

## سمندر کا مران

۲۹ مارچ، ساحل ممبئی سے ہمارا ایسے شب کو چھوٹا تھا، رات تو خیر جون  
 توں کٹ گئی، صبح اٹھ کر دیکھا تو ہر طرف عالم آب، جہاں تک بھی نظر کام کرتی  
 ہے، یخز پانی کے اور کچھ نہیں دکھائی دیتا، اپنی عمر میں یہ منظر کبھی کا ہے کو دیکھا تھا  
 بڑے سے بڑے دریا جو اب تک دیکھے تھے، وہ بھلا سمندر کے مقابلہ میں کیا حیثیت  
 رکھتے ہیں! صبح سے دوپہر، دوپہر سے شام اور شام سے پھر صبح، نہ کہیں جہاز رکتا ہے!  
 نہ کوئی سٹیشن آتا ہے! ہر وقت ایک ہی فضا محیط، ہر سمت ایک ہی منظر قائم! دن  
 طلوع ہوتے ہیں، اور ختم ہو جاتے ہیں، اراتین آتی ہیں اور گزرتی جاتی ہیں، نہ کوئی  
 خط نہ کوئی تار، نہ اخبارات نہ ڈاک کے انبار! نہ کسی عزیز کی خبر نہ دوست کی  
 نہ اپنوں کا حال معلوم نہ بیگانوں کا! اپنا مٹی کا گھر وندا ہے، کہ ہر لمحہ پیچھے چھوٹتا  
 جا رہا ہے، پروہ گھر جیسے لامکان کے کہیں نے اپنا گھر لکھ کر پکارا ہے، ہر آن نزدیک  
 سے نزدیک تر ہوتا جا رہا ہے! از میں چھوٹ گئی، لیکن آسمان نہیں چھوٹا، ادھر  
 جہاز ہوا اور پانی سے ہچکولے کھارہا ہے، ادھر دل کی کشتی ہے، کہ یاس و امید  
 کی کشمکش میں ابھی ڈوبی اور ابھی ابھر سی (خدا نہ کرے کہ کبھی بھی ڈوبے!) دل بھی

اپنی اس خوش نصیبی پر نازان کہ کسی کی کشش کس کو کہاں سے کہاں لئے جا رہی ہے؟  
 اور ابھی اس خوف سے لرزان کہ اپنی محرومیوں اور شہر بختیوں سے دیکھئے اب بھی  
 نجات ملتی ہے، یا نہیں! ابوہل اور ابولہب آخر عمر پھر اسی بیت اللہ کے جو این  
 رہے، پھر انھیں تو کچھ بھی حاصل نہ ہوا، مدینہ کے منافق ہر زمانہ دیدار رسولؐ  
 سے مشرف ہوتے رہے، پھر ان کے دلوں کے پھر توفہ پیچے! ————— لیکن یہ  
 کیا دہم آرائی و پریشانی خیالی ہے، وہ کہیم، جو اپنے گھر ممان بلا رہا ہے، کیا اپنے  
 در کے گدا گروں کی بھولی بین بھیکس بھی نہ ڈالے گا؟ اسکی رحمت کی فراوانی  
 اور کرم کی ارزانی نہ حق کو دیکھتی ہے نہ استحقاق کو، اسے تو محض عطا و بخشش  
 نواز نے اور سرفراز کرنے سے سروکار ہی، اور بس!

گھنٹہ دو گھنٹہ نہیں، دن دو دن بھی نہیں، پورا ایک ہفتہ ہو گیا، اور شہر کی  
 کاکسین نشان نہیں! جنگل کے درندے نہ سہی باغ و صحرا کے چرندے نہ سہی  
 ہوا کے پرندے تک نہیں! ادھر پانی اُدھر پانی، آگے پیچھے، داہنے، بائیں ہر  
 سمت پانی ہی پانی! اوپر نیلا آسمان، نیچے نیلا سمندر، زمین کی بے بساطی اب  
 جا کر محسوس ہوئی! جنگلی کے بڑے بڑے شہر اور صوبے، آبادیاں، اور مہیتان،  
 جنگل اور پہاڑیاں، ٹرکین اور ریل کی پٹریاں، ریگ کے توڑے، اور  
 پہاڑوں کی چوٹیاں، جنگی وسعت اور کثرت، عظمت و مہیت اب تک دماغوں  
 میں رہی، اور آنکھوں میں بسی ہوئی تھی، اب معلوم ہوا، کہ خالق کے بحر قدرت  
 کے سامنے نہیں، بلکہ اپنی ہی جیسی، ایک دوسری مخلوق کے سامنے کتنی

حقیر اور کسی بے حقیقت چیز میں ہیں اجل جلالہ! جس سمندر کو دیکھتے دیکھتے آنکھیں تھکی جاتی ہیں، جو معلوم ہوتا ہے کہ اس کبھی ختم نہ ہوگا، وہ دینا کے پانچ بڑے سمندرون میں سے صرف ایک سمندر ہے! اور ان پانچوں میں بھی سب سے بڑا نہیں، بلکہ دوسرے چھوٹا ہے! پھر ظاہری، کہ وہ بھی پورے کا پورا بہ یک وقت پیش نظر نہیں، بلکہ اسکا ایک مختصر جزو آنکھوں کے سامنے ہے! اللہ اکبر! جب جزو اور ادنیٰ جزو میں یہ بہت رکھ دی گئی ہے، تو کل کے مشاہدہ سے کیا کیفیت طاری ہوتی ہوگی! آج یہ مہیسیب اور لقی و دق سمندر، اور کرہ ارض کے سارے معلوم سمندر یا جوج کے قصبہ میں ہیں، وہ جیسے چاہے! اس میں بہار اور شتی چلانے کی اجازت دے، اور جب اور جس کو چاہے! اللہ کی کاریگری کے اس نادر نمونہ سے فائدہ اٹھانے سے روک دینے "خلق خدا کی ہو تو ہو! لیکن سمندر اور سمندرون کے بندرگاہ، جہاز اور ان کے پھریرے" حکمران بحری (ایڈمرالٹی) اور خداوندان بحر (SEDLORDS) ماریٹائم اور ڈریڈناٹ کرڈر اور ڈسٹرکٹر، آج ہائیکے پیکار سے کہہ رہے ہیں، کہ "امر اور حکم" (نموداشت) یا جوج کا ہے۔۔۔۔۔ پھر اگر ایسے حال میں آپ کسی سیجے کا قول سننے ہیں کہ "یا جوج و ما جوج سمندر کا پانی پی جائیں گے" تو آپ اس ہیننگوئی کے پورے ہونے کے لئے کسی زمانہ مستقبل کا کیوں انتظار کرنے لگتے ہیں!

قُلْ لَوْ كَانَ الْجِهْرُ مَدَادًا لَكَلِمَاتِ رَبِّي لَمَقْدَرُ الْجِهْرِ قَبْلَ أَنْ تَمُقْدَرُ كَلِمَاتِ رَبِّي وَلَوْ جَبُنَا بِمَثَلِهِ مَدَادًا، دل نے کہا کہ یہی وہ سمندر ہے جس کی بابت ارشاد ہوا ہے، کہ اگر سارا سمندر و شانی بجائے، اور اسی جیسا ایک اور سمندر بھی روشتا

بنا دیا جائے جب بھی قدرت الیہ کے بحر بکیران کے کلمات کھنے سے قاصر رہیگا!  
 لیکن یہ روشنائی آئندہ ہی کیوں نہ روشنائی تو یہ اب بھی بنا ہوا ہر نیلی روشنائی  
 ہی کی طرح نیلا ہی بحر قدرت و صنعت کے اتھاہ اور بے پایان ہونے کا یہ کیسا ناد  
 نمونہ ہے! اسی کے ساتھ ہی نظروں کے سامنے یہ سامان بھی آگیا کہ ایک روز یہ سارا  
 بحر اعظم یہ سارا لقی و دق سمندر موحین مارتے ہوئے پانی کے بجائے آگ کے لپکتے  
 ہوئے شعلوں اور دھوئیں کے تیرہ و تار بادلوں میں تبدیل ہو کر رہیگا یہ وہ دن  
 وہ ہوگا جب "یا جوج" اپنے مایہ ناز جی جہازوں اور آبدوز کشتیوں اپنے تل کے چشموں  
 اور اپنے پٹرول کے خزانوں کی بھڑکانی ہوئی آگ کے شعلوں سے لٹکا کے  
 راول کی طرح خود ہی جل رہا ہوگا، اور جب اسکی حرص و ہوس اسکی ملک گیری  
 اور زر پرستی اسکی قمیصیت (امپرل ازم) اور کیپٹل ازم (سرمایہ داری) کے انگارے  
 سمندر میں آگ لگا لگا کر خود اسی مادی دنیا میں اسے دوزخ کا نمونہ دکھائے  
 ہونگے یہ وہ دن ہوگا جب ارشاد باری و اذالجامہ سچت کی تفسیر و تاویل  
 کے لئے تفسیروں کے اوراق الٹنے کی ضرورت ہوگی، نہ اہل لغت کے کلام سے  
 سنبھالنے کی بلکہ عالم و عامی سب اپنی آنکھوں سے مجاز کا نہیں حقیقت کا مشاہدہ  
 کر لیں گے! آج "یا جوج" کو ہمت ہے آج وہ جتنا بھی چاہے ہمارے دلوں اور  
 دماغوں کو، ہماری عقلوں اور ذہنوں کو، ہماری آنکھوں اور کانوں کو اپنے اقبل  
 و چشم سے اپنی تہذیب و تعلیم سے، اپنے علوم اور اپنے فنون سے، اپنے ڈاکٹروں اور  
 اپنے انجینئروں سے، اپنے سائنس اور اپنے آرٹ سے، اپنی توپوں اور اپنی اٹفونوں  
 سے، اپنی مشین گن اور اپنی سنگینوں سے، اپنے خزانوں اور اپنے طیاروں سے مرعوب

اور مجبوظ اور مغلوج کر لے لیکن یہ اہمیت سدا رہنے والی نہیں، اور کسے خبر کہ پردہ  
اٹھنے کا وقت فریب ہی آن لگا ہو!

۴۔ اپریل، جمعرات، آج سہ پہر سے دور دور کے پہاڑی ساحل دکھائی دینے  
لگے ہیں، اور آبادی کے دیکھنے کو آنکھیں ایسی ترسی ہوئی ہیں، کہ آبادی کی ان بید  
اور دھندلی علامتوں کو بھی غنیمت سمجھ کر بڑے شوق و اشتیاق کے ساتھ آنکھیں پھاڑ  
پھاڑ کر اور دو برہنہ لگا لگا کر انھیں دیکھا جا رہا ہے، شب میں ہجاز عدن کے قریب سے  
بغیر لنگر انداز ہوئے گزر گیا، ۵۔ اپریل جمعہ، آج اٹھ بجے صبح کامران میں لنگر انداز  
ہوا، کامران، چار ہزار کی آبادی کا ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے، جو جنگ عمومی کے بعد سے  
ترکون سے نکل کر انگریزی قبضہ میں آ گیا ہے، ایک انگریز حاکم برٹش لٹری ایڈمنسٹریٹر  
کے نام سے رہتا ہے، جن حاجیوں کے ہجاز عدن میں نہیں رکتے، عرب کی سرزمین پر انکا  
پہلا قدم همین پڑتا ہے، اصلی نام قرآن تھا، مگر اب شاید ہی مناسبت سے، کہ یہ زمین میان  
و کامرائی کا پہلا نشان ہے، اس کا نام بھی عام زبانوں پر کامران ہو گیا ہے، یہاں حاجیوں  
کا "قرنطینہ" ہوتا ہے، یعنی سرکار برطانیہ کو اپنی غریب رعایا کی جان و صحت کا اس قدر  
در در ہوتا ہے، کہ اگر جہ ہر حاجی گھر سے چمک کے ٹیکہ کا ڈاکٹری سرٹیفکیٹ لیکر چلتا ہے، تو  
باوجود اس کے کہ کمپنی (یا کراچی) میں سوار ہوتے وقت ڈاکٹری معائنہ ہو چکا ہے  
پھر بھی حاجیوں کے ہجاز یہاں روکے جاتے ہیں، اور حاجی یہاں غسل اور ڈاکٹری  
معائنہ کے لئے مجبور کئے جاتے ہیں، کاش اس "وسوزی" اور غمخواری کا عشرہ شیریں نرگس  
کے مسافروں کے حصہ میں آتا!

جس مقام پر جہاز لنگر انداز ہوتا ہے وہاں سے ساحل میل ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ہے، اتنی مسافت کشتی پر طے کرنی ہوتی ہے، جہاں کشتی رکھتی ہے، وہاں سے مقام غسل تک بھی دو تین فرلانگ کا فاصلہ ہے، چنانچہ ہم لوگ بھی اتارے اور پہونچائے گئے، کامران، گویا جاحیون کا غسل خانہ ہے، غسل عموماً تفریح و انبساط کا ذریعہ ہوتا ہے، مگر یہ سرکاری غسل جو بڑے بڑے ڈاکٹروں کی نگرانی و اہتمام میں دیا جاتا ہے، بجائے لطف و تفریح کے، انقباض و تکلیف کا ایک آلہ ہوتا ہے، حاجی اپنے اپنے سامان کا بیشتر حصہ جہاز ہی پر چھوڑ گئے ہیں، صرف مختصر سامان لے کر اترتے ہیں، سب سے پہلے انھیں غسل خانہ کے برآمدہ میں لا کر بٹھایا جاتا ہے، اور جس وقت انکی ٹولی کی باری آتی ہے، ایک بڑے کمرے کے اندر ان سب کو داخل کر کے ان کے سارے کپڑے اتروا کر ایک مختصر لنگی، جو ناف سے گھٹنے تک شاید ہی پہونچ سکتی ہو، باندھنے کو عنایت ہوتی ہے، اسی کو نہاتے وقت باندھنا، اسی کو نہانے کے بعد باندھ رہنا، اسی سے بھیگا ہوا جسم خشک کرنا، یہ ساری ضرورتیں ماہرین فن اطباء سرکاری کے نزدیک اسی چار کو کپڑے سے پوری ہو سکتی ہیں جن قوموں کے دماغ سرے سے سرلوشی کے مفہوم ہی سے نا آشنا ہیں اور جن کے ہاں علانیہ سب کے سامنے برہنہ غسل کرنے کا رواج ہے، وہ اگر مشرقی و اسلامی جذبات کا اتنا بھی محافظ کر لیتی ہیں تو یہ انکا عنایت کرم اگر نہیں تو اور کیا ہے؟ جن خوش نصیبوں کے ساتھ میری طرح خاص رعایت و نوازش مد نظر ہوتی ہے، انھیں بجائے ایک کے دو لنگیان عنایت فرما دی جاتی ہیں، یہ لنگوٹی، جسم پر لپیٹوانے کے بعد سب کے سروں پر حجام کی ٹونٹیاں کھول دی جاتی ہیں، اور سب کو دو دو بار دیکھا بار دواؤں کے پانی سے اور ایک بار سادہ سرد پانی سے، نہلایا جاتا ہے، اس گھنٹہ کے

غسل کے متابعہ دوسرے کمرہ (جامہ خانہ) میں لاکر کھل کے پٹکے کھول دیئے جاتے ہیں اور نہائے ہوئے حاجیوں کے بھیگے ہوئے اور تر تر جسم کو جس کے خشک کرنے کیلئے کسی حاجی کے پاس قطعاً کوئی کپڑا نہیں ہوتا، پٹکے کی ہوا سے خشک کیا جاتا ہے اور اکثر حاجیوں کو چونکہ دوسری لنگی نصیب نہیں ہوتی، اس لئے اس حالت میں وہی بھیگے ہوئی لنگی ان کے جسم سے بدستور لپٹی ہوئی رہتی ہے۔

اس کا نام اہتمام صحت ہے! یہ سرکار کی طرف سے حاجیوں کی جان اور زندگی کے رکھ رکھاؤ کا انتظام ہے! یہ اونچی اونچی تنخواہیں اور الاؤس پائے والے ہندوستان اور یورپ کی ڈگریاں رکھنے والے حاذق ڈاکٹروں کے اہتمام و نگرانی میں طریقہ عمل ہے! لیکن اب بھی بڑھنے والے کے سامنے غسل کا پورا نقشہ نہیں آیا، جامہ خانہ میں آنے کے بعد جامہ تلاشی شروع ہوتی ہے، یعنی حاجیوں کے جسم سے، قبل غسل جو سارے کپڑے اتروائے گئے تھے، اور اتروا کر اس ٹوٹی کے میسوں دوسرے حاجیوں کے کپڑوں کے ساتھ بھپارے میں ڈال دیئے گئے تھے، وہ اب ایک بڑے گھر میں بھیگے بھاگے سارے دوسرے کپڑوں کے ساتھ خلط ملط لائے جاتے ہیں، اور ہر حاجی اس انبار میں سے اپنے کپڑے تلاش کرنا شروع کرتا ہے! سرکار کا جامہ خانہ اس وقت اچھا خاصہ دھوبی خانہ معلوم ہوتا ہے، خدا نہ کرے کوئی دھوبی اتنا چھوٹا سلیقہ اور تکلیف دہ ہو گئے اور تر تر کپڑوں کا ایک آڑم سامنے ہوتا ہے، اور بھیگے ہوئے تر تر جسم پر بھیگی تر تر لنگیاں باندھے ہوئے، حاجی پٹکے کی ٹھنڈک میں اپنے اپنے کپڑوں کی تلاش میں مصروف کپڑوں کی جھلک بجاتی ہے اسے چھوڑے، خود اس لئے



کی جوگت اس وقت بنی ہوتی ہے اور اس کا تصور کیجئے! اور اپنی شفیق و مہربان  
 "سرکار" کو دل سے دعائیں دیجئے! پانچ پانچ اس دس منٹ اس تلاش میں  
 لگاتے ہیں، اور اس کے بعد اگر سب کپڑے، بغیر کھوسے ہوئے مل بھی گئے، تو انہیں  
 بھیگے ہوئے کپڑوں کو بھیگے ہوئے جسم پر پہنکر، ہوا اور دھوپ میں حایوں کو  
 اپنے اپنے خس پوش بار کون میں جانا پڑتا ہے، جو قریب سے قریب بھی نصف فرلا  
 کے فاصلہ پر ہیں، ورنہ عموماً ایک ایک فرلانگ پر! قرظیہ جہان کین بیماری  
 بھگانے کے لئے ہوتا ہوگا، ہوتا ہوگا، کامران میں حایوں کے لئے تو یقیناً بیماری  
 بھگانے کی نہیں بیماری بلانے کی پوری کوشش ہوتی ہے، اور یہ سنکر ذرا بھی  
 حیرت نہ کیجئے، کہ یہ کوشش عموماً کامیاب رہتی ہے! چنانچہ ہمارے ہمارے کا جی  
 دوچار نہیں، خدا معلوم کتنے کامران سے واپس آتے ہی بیمار پڑے، ایک صبا  
 کو دمہ کا دورہ پڑ گیا، لکھنؤ کی ایک صاحبہ کو اتنا شدید بخار چڑھا، کہ ان کی جان  
 ہی لیکر اتر آ اور نزلہ، زکام، و حرارت سے تو شاید ہی کوئی بچا ہو!

یہ جو کچھ کیفیت بیان ہوئی، مردانہ غلخانہ کی تھی، جو پھر بھی غنیمت ہے، اصلی  
 یہودی زنانہ غلخانہ کے لئے اٹھ رہتی ہے، یہاں نہلانے والیاں شاید خاص  
 طور پر اپنی ہییب صورتوں اور ہییب ترسیرتوں کی بنا پر انتخاب کر کے رکھی گئی  
 ہیں، ان کے ہاتھوں شریف و چادار خاتونوں پر جو کچھ گذرتی ہے، اسکا تذکرہ  
 اخبارات کے صفحات پر لانا آسان نہیں، نہلاتے وقت یہی نہیں کہ انکے جذبات  
 حیا و شرافت کی مطلق کوئی پرواہ نہیں کیجاتی، بلکہ ہر قسم کی سختی، درشتی، اور

بد تہذیبی بھی ان کے ساتھ بے تکلف روارکھی جاتی ہی، چنانچہ ہمارے قافلہ کی صحتی عورتیں غسل خانہ سے نکلیں، سب نہایت برہم و نالان، گویا روتی ہوئی نکلیں، وہ تو کہنے، کہ حج بیت اللہ کا شوق ہر مومن اور ہر مومنہ کو کچھ ایسا مست رکھتا ہے کہ اس مقصد کے آگے اپنی کسی تکلیف و توہین کی پرواہی نہیں رہتی، ورنہ اگر کوئی دوسرا موقع ہو، تو ہمارے ہاں کی بے زبان عورتیں بھی اس برتاؤ پر اتنی بے زبان اور اس قدر بے دست و پائانت نہ ہوں! — سنا ہے کہ اسپتلی کے بعض مسلمان ممبروں کی تحریک پر حج کمیٹی، حاجیوں کی مشکلات کے رفع و انسداد کے لئے قائم ہوئی ہے، امید ہے کہ اس کمیٹی کے سامنے حاجی صاحبان کا مران سے متعلق اپنے ذاتی تجربات تفصیل سے بیان کریں گے، اور اسکی لغویتوں کے مٹانے میں جدوجہد کا کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھیں گے،

لیکن کسی تکلیف اور کرمان کی نصیبت ایک اہل دل مدت ہوئی ہندوستان سے سفر حج کے لئے تشریف لے گئے، ممبئی اور کامران دونوں جگہ قرنطینہ کی بلائیں مثلاً من اور وہ بزرگ باوجود اس کے کہ ریاضات و مجاہدات کے خوگر تھے، تاہم انھیں کتنا کہ یہ قرنطینہ حاجیوں کیلئے سخت قید خانے ہیں جب لوگوں نے یہاں کی دقتیں زیادہ بیان کرنا شروع کیں، تو انھوں نے فرمایا کہ "میاں سفر حج سے ملکوں کا سیر و تماشہ

لے لے کے آئیں، حج کی حقیقتی کمیٹی کے سامنے سمر زجاجیوں نے اپنی آپ مٹی سنا کر قرنطینہ امران کی شدید و پرزور مخالفت کی اس متحدہ صدارت کے احتجاج کا نتیجہ اس قدر تو بہر حال ظاہر ہوا کہ اس سیرے میں حاجیوں کے ہر حجاز سے لے کر یہاں کا قرنطینہ لازمی نہیں رہا، بلکہ صرف حسب ضرورت رکھ دیا گیا میرنگ صاحب (انبالہ) کی کوششیں اس باب میں خاص شکریہ کی مستحق ہیں،

مقصود نہیں، بلکہ یہ نفوس کے تزکیہ اور تخلیہ کے لئے ایک مجاہدہ عظیم ہے، پہلا قرنطینہ  
 برادرہ الہی اس لئے قائم ہے کہ دلوں پر جو ظلمت اور کدورت چھائی ہوئی ہے، یہاں کے  
 آلام جسمانی و روحانی سے ان کا تعفیہ ہو جائے، کامران کا قرنطینہ اس غرض سے ہے کہ یہاں  
 کے قیام سے عرب کے ساتھ مناسبت پیدا ہو جائے، اور حصول برکات کی قابلیت حاصل  
 ہو جائے، اس کا نام تخلیہ ہے، حکیم مطلق کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا، جو کچھ  
 ان بزرگ نے فرمایا، وہ بالکل صحیح ہے، جسم کی بیماریاں دور ہوتی ہوں یا نہ ہوں  
 بدن کی کثافتیں دھلتی ہوں یا نہ ہوں، لیکن اس عجیب قرنطینہ اور عجیب غسل  
 سے ہر حاجی کو اصراراً ایک مجاہدہ عظیم پر مجبور ہو جانا پڑتا ہے، بہت سے گناہوں کا  
 کفارہ ہو جاتا ہے، اور روح آلائشوں سے یقیناً بہت کچھ پاک ہو جاتی ہے،

## باب (۶)

### کامران احرام

کامران کی مستقل لغویت کے تذکرہ کو کہاں تک پھیلا جائے، جو کچھ بھی پیش آتا ہے، بہ ارادہ الہی کسی صفت و حکمت ہی کی بنا پر پیش آتا ہے، صبر کے سوا چارہ نہیں، شکر سے بہتر مداد نہیں، لیکن یہ جو کچھ لکھا گیا ہے، جگہ جگہ جیٹی تھی، آپ جیٹی "ہیان" بھی ہفر کی دوسری منزلوں کی طرح، نسبت بڑے منے کی رہی، ادھر ہماری کھشتی کنا سے سے لگی، ادھر اُسی لمحہ ڈاکٹر کی سرکاری موٹر لاپنج بھی پہونچی، اور ساحل پر قدم رکھتے ہی ڈاکٹر قاسم چوہان سے تعارف ہوا، یہ چیف میڈیکل انسپکٹر کہلاتے ہیں، اور بین کے سیاہ و سپید کے مالک ہیں، ان کے اوصاف حمیدہ "حیدر آباد کے بعض دوستوں سے خوب سُن چکا تھا، تاہم میرے ساتھ قوفی اجملہ مہربانی ہی سے پیش آئے رہے، دوسروں کو صرف ایک لنگی ملتی تھی، مجھے دو لنگیان عنایت فرمائیں، دوسروں کو غسل کے لیے پون پون گھنٹہ انتظار کرنا پڑتا ہے، میرے لئے جلدی کرادی، دوسروں کو پتھر دین کے نیچے رہنا ہوتا ہے، مجھے تختہ بارک مین بلا کر یہ رہنے دیا ان کے حسب کی خدمت میں دوستانہ گزارش ہے کہ اگر اپنے وسیع اختیار کے انہماک میں کسی فراموشی تو خود انہیں کے حق میں بہتر ہوگا، ان کے ماتحتوں میں ڈاکٹر حاجی تھا

کا برتاؤ تمام حاجیوں کیساتھ پھار دیکھنے میں آیا ڈاکٹر، فقیر اللہ بھی پھیلے آدمی معلوم ہوئے، جزیرہ کا بڑا حاکم برٹش لٹری ایڈمنسٹریٹر کہلاتا ہے، اس وقت جو حاکم ہے اس کا نام اسی دیکم ہے، فوجی کپتان کا عہدہ رکھتا ہے، خلیق اور خوش مزاج ہے، میں غسل کر کے بھیگی لنگی باندھے ہوئے ابھی جامہ خانہ میں کھڑا اپنے کپڑے تلاش کر رہا تھا، کہ ایک انگریز کو میں نے اپنے پاس کھڑا ہوا پایا، جوار دوین مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ سب اچھا ہے؟ "ڈاکٹر جوہان بھی پاس ہی ٹہل رہے تھے، انھوں نے بتایا کہ یہ انگریزی جانتے ہیں، اس کے بعد انگریزی میں باتیں ہونے لگیں، اور تھوڑے تھوڑے وقفہ کے ساتھ بہت دیر تک جاری رہیں، بڑی بے تکلفی سے سیاسیات حاضرہ سے لیکر اپنے بیوی بچوں تک ہر مسئلہ کو اپنا موضوع گفتگو رکھا، علی برادران کا بھی ذکر آیا، اور بڑے بھائی "خدا معلوم اس خبر کو کس دل سے سنیں گے، کہ جتنی دیر تک ان کا ذکر خیر رہا، اس سے کہیں زیادہ دیر تک "چھوٹے بھائی" اور ان کے اخبار ہمدرد کا رہا!

کیمپ میں ایک چھوٹی سی مسجد بھی بنی ہوئی ہے، جمعہ کی نماز اسی میں پڑھی، عرب کی سرزمین پر یہ پہلی نماز اور پہلا جمعہ نصیب ہوا، سہ پہر تک کیمپ کے "بازار" میں سناٹا تھا، یعنی بجز خشک روٹی اور چائے کے کوئی شے نہیں ملتی تھی، شام سے کچھ قبل کچا گوشت فروخت ہونے لگا، جو قیمت میں خاصا گراں تھا، اور جسے بچکانا صرف بھین لوگوں کے لئے ممکن تھا، جو پکانے کا پورا سامان اپنے ہمراہ لیکر جہاز سے اترے تھے، کیمپ کے ایک گوشہ میں پانچ یا چھ پاخانے بنے ہوئے ہیں، صبح کے وقت

جب ڈیڑھ دو ہزار انسانوں کا مجمع، جسمیں بد تہذیب اور گنہگار مرد بھی شامل ہو  
ہیں، اور پرودہ نشین شریف خاندانوں کی حیا دار اور شرمیلی بہو بیٹیاں بھی، لوٹا ہاتھ  
میں لئے ہوئے ان چند پانچاؤں پر حملہ آور ہوتا ہے، تو اس وقت کی کشمکش اور جھپٹش  
دیکھنے کے لائق ہوتی ہے! — لیکن اس کی شکایت ہی کیا، اور اس کا شکوہ  
کیون؟ یہ کیپ آخر حاجیوں ہی کا کیپ ہوتا ہے، اور حاجی غریب کسی پاجو جی  
حکومت سے راحت و آسائش کی توقع ہی کیوں رکھے؟ اس کا کام تو فی کس  
حصے کے حساب سے قرطینہ کامران کی فیس دیدینا ہے، اور بس، راحت و آسائش  
ہی کا اگر خیال ہے، تو اس روشنی اور روشن خیالی کے زمانہ میں حج و عمرہ، طواف و  
سعی، زیارت و عبادت کے لئے سفر ہی کیوں اختیار کیا جائے؟

جبکہ ہو دین و دل عزیز، اسکی گلی میں جا کیوں!

کیپ کا وسیع احاطہ لوہے کے تاروں سے گھرا ہے، جس کے باہر قدم رکھنا ممکن  
نہیں، کامران میں انگریزی ڈاکخانہ بھی ہے، بہت سے لوگوں نے خطوط لکھ کر  
وطن روانہ کئے، شب بھین بسر کی، ۶ اپریل کی صبح کو اس "قید فرنگ" سے نہ ہی  
قرطینہ فرنگ سے نکلنے کی اجازت ملی، اور خاص عنایت و اہتمام سے کام لیکر  
سب سے پہلی کشتی ہماری ہی ٹکڑی کو دلائی گئی، سب مسافروں کے جہاز تک پہنچنے  
میں کوئی چار گھنٹے لگے ہون گے، دس بجے کے قریب جہاز نے لنگر اٹھا دیا،  
اور روانہ ہوا،

کامران کی بے احتیاطیاں، اب رنگ لائیں، سرکاری غفلت نے میں باہرین

ڈاکٹر دن کے زیر ہدایت و نگرانی جو بد پرہیزان کرائی گئی تھیں، انکا اثر ظاہر ہونا تو کامران ہی سے شروع ہو گیا تھا، اب پوری طرح نمودار ہو گیا، کسی کو کھانسی کسی کو حرارت، کتھنوں کو زکام، اور کتنے اچھے خاصے تیز بخار مین پڑ گئے، کھنوں کی ایک بیوی کو جو پہلے سے بھی کسی قدر علیل تھیں اتنا تیز بخار چڑھا کہ چند روز کے بعد انکی جان ہی نیکر اتر آئی، اناشد، مولوی عبدالباری سیپارے کو دوسرے کا دورہ پڑ گیا، غرض جس کسی کو دیکھئے، کامران کی یادگار کوئی نہ کوئی بیماری لے ہوئے، یہ نتیجہ سرکاری اہتمام صحت کا! یہ ثمرہ ہر حاجیوں کے ساتھ سرکار کی ہمدردی و غور و خیال کا، کامران کے قریب کا سمندر بھی کسی قدر پُرشور ہو، اس لئے اب جو جہاز چلا، تو اس میں حرکت بھی زیادہ محسوس ہونے لگی، اور بہت سے لوگ دورانِ سرواڑی مین مبتلا ہو گئے، لیکن بھلا یہ شکایت بہت زائد بڑھنے نہیں پائی، اور رات تک از خود سکون ہو گیا،

۴ مارچ (۲۶ شوال)، کیشنبہ، آج جہازِ ملیم کے سامنے سے گزرنے والا ہے، جو اہل ہند کا سیقات ہے، سیقات اُس مقام کو کہتے ہیں، جہاں سے عازمانِ حج اپنا معمولی لباس اتار کر احرام باندھتے ہیں، جہازِ جیبِ ملیم کے مقابل آجاتا ہے، تو حاجیوں کی اطلاع کے لئے زور سے سیٹی دیدی جاتی ہے، آج حاجیوں کی خوشی کا کیا پوچھنا ہے، جہازِ ملیم کے سامنے تو کہیں پانچ بجے سہ پہر کو پہنچے گا، اور جہاز کی سیٹی اسی وقت ہوگی، لیکن حاجیوں میں چل پہل صبح ہی سے شروع ہو گئی ہے، عجمیتین بنوائی جا رہی ہیں، غسل کئے جا رہے ہیں، خوشی خوشی احرام کی نئی نئی

اجلی اہلی چادرین نکالی جا رہی ہیں بھفل نمازین پڑھی جا رہی ہیں جہاز پر بہت سے  
 معلم یا اُن کے انجمن میٹری ہی سے ہمراہ ہوئے ہیں سب اپنے اپنے حایوں کی ٹولیاں  
 بنائے ہوئے انھیں احرام باندھنے کی نیت تلقین کر رہے ہیں، احرام بندھوا ہے ہیں  
 لیجئے دوپہر تک سب کے احرام بندھ گئے، سب کے سب اپنے ہاتھوں ہمیں خوشی گویا  
 کفن پوش ہو گئے، دل مسرت سے باغ باغ ہوئے جاتے ہیں، ایک دوسرے  
 کو مبارکبادین دی جا رہی ہیں، اور ہر طرف سے ”لبیت“ ”لبیت“ کی صدا مین بلند  
 ہونی شروع ہو گئی ہیں!

آپ نے دیکھا؟ دیکھتے ہی دیکھتے پوشش و لباس کے سارے امتیازات  
 مٹ گئے! سننے چلے آئے ہیں کہ انسان باللباس انسان اپنی پوشاک سے پہچانا  
 جاتا ہے اور اُس کے مرتبہ کا اندازہ اُس کے لباس سے لگایا جاتا ہے، لیکن آج  
 اس قاعدہ پر عمل کیونکر ہوگا؟ آج کس لباس سے خادم کو مخدوم پہچانا جائیگا؟  
 اور کس پوشاک سے غلام کو آقا سے الگ کیا جائیگا؟ ابھی کل تک اس وسیع  
 آبادی میں بڑے بھی تھے اور چھوٹے بھی، امیر بھی اور فقیر بھی، رئیس بھی اور  
 مزدور بھی، خوشحال بھی اور مفلس بھی، عالم بھی اور جاہل بھی، نامور بھی، اور  
 گننام بھی، تقلید بھی اور رعایا بھی، جُڑیٹ بھی اور چہرہ اسی بھی، پر آج کس کس  
 سے شناخت کیا جائیگا؟ سب سے بڑے ہمارا بھی کی راجدھانی  
 کے حدود شروع ہو گئے، اب نہ کوئی راجہ نہ کوئی ٹھاکر، سب کے سب اسی کی  
 پر جاہل کے کل اُسی کے چاکر، سارے کے سارے اُسی کی رعایا ہیں! ملک



دربار کی سرحدیں شروع ہو گئیں، اب نہ کوئی بڑا ہجر نہ کوئی چھوٹا نہ کوئی امیر نہ کوئی  
 وزیر نہ کوئی حاکم ہجر نہ کوئی عالم، نہ کوئی خان بہادر ہجر نہ کوئی لیڈر، سارے  
 کے سارے غلام ہیں، اور سب کے سب کیس اور بے بس بندے! اب نہ ہیٹ ہجر نہ  
 پگڑی، نہ عامہ ہجر، نہ شملہ، نہ ترکی ٹوپی ہے، نہ گاندھی کیپ، نہ قمیص ہے، نہ عبا، نہ  
 کوٹ ہے، نہ شیروانی، نہ کالر ہے، نہ ٹائی، نہ تپلون ہجر نہ پاجامہ، سب کی زبانون  
 پر لیبیک لیبیک کے ترانے ہیں، اور سب کے جموں پر بے سلی ہوئی دو دو چادر ہیں  
 یہ والٹر کے کاردار نہیں، لاٹ صاحب کا ڈز نہیں، ہائیکورٹ کی عدالت نہیں  
 یہاں نہ ایونگ ڈریس کی ضرورت، نہ گاؤں کی حاجت نہ پاتا بہ اور دستا نہ  
 کی احتیاج! یہ اللہ کے دربار کی حاضری ہے، یہ اُس قدرت اور حکومت والے  
 اُس عزت اور جلالت والے کے دربار کی حاضری ہے، جو کلکٹر صاحب اور  
 کمشنر صاحب، جج صاحب اور ڈاکٹر صاحب، لاٹ صاحب، اور بڑے لاٹ صاحب  
 قیصر چرمی اور شاہ برطانیہ، فرانس کے وزیرِ عظم اور جمہوریہ امریکہ کے صدر اٹلی  
 کے مسولینی اور انگلستان کے لارڈ جارج، مصطفیٰ کمال، اور جو اہر لال، سب  
 کی جانوں اور سب کی زندگیوں کا یکساں مالک ہی، اس دربار کی وردی  
 سبے انوکھی، سبے زالی، سبے الگ ہے، یہاں قدر زین کلاہوں کی نہیں،  
 یہاں عزت رنگین قباؤں کی نہیں، یہاں طلب صرت کفن پوشوں کی ہے! —  
 اُن کی جو جیتے جی مُردوں کا لباس پہن چکے ہیں، انکی جو اس لباس  
 کی یاد تازہ کئے ہوئے ہیں جس کے زیب تن کرنے کے بعد پھر قطعاً کوئی دنیوی  
 لباس جسم کو مس نہ کر سکے گا، مبارک ہیں وہ جو زندگی میں موت کا لباس پہن چکے

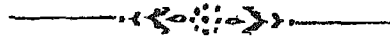
ہیں، مبارک ترین وہ جو زندگی میں اپنے منفسون کو مردہ کر چکے ہیں! آج انکا لباس ہی مردون کا لباس نہیں انکا نفس بھی مردون کا نفس بن چکا ہے،  
 لَا تَرَفْتَ وَلَا تَفُوقَ وَلَا تَجِدَ الْفِي الْحِجَابِ، لَمْ تَجْعَلْ نَا، شہوتوں اور خواہشوں  
 میں مبتلا ہونا زندگی کا کام ہے، مردون کو بھی کسی نے سرفت اور قسوف  
 اور جدال میں مبتلا دیکھا ہی؟

لَبِيتَ اللَّهُمَّ لَبِيتَ لَا شَوِيكَ لَا شَوِيكَ لَكَ لَبِيتُ، اِنْ الْحَمْدُ وَالْمُحَمَّدُ لَكَ وَالْمَلَائِكَةُ  
 لَا شَوِيكَ لَكَ لَبِيتُ اَللهُ اَلْحَيُّ لَبِيتُ لَبِيتُ وَسَعْدِيكَ وَالْخَيْرِيَدِيكَ، نماز کے  
 بعد صدائیں ہیں تو یہی، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، چڑھتے اترتے ایک دوسرے  
 سے ملے جلتے، صاحب سلامت کرتے صدائیں ہیں تو یہی، ملائکہ کو اگر رشک کا  
 موقع ہو سکتا ہو، تو یہی، آج حاجیوں سے بڑھکر خوشی کس کو ہو سکتی ہے؟ جس  
 محبوب کی خاطر اپنا گھر بار چھوڑا، وطن چھوڑا، دوست چھوڑے، عزیز چھوڑے  
 سفر کی ساری کڑیاں بھیلین، اس کے شہر کا پہلا پھاٹک کھل گیا، داخلہ کی  
 اجازت مل گئی، حاجیوں سے زیادہ خوش نصیب آج کون ہوگا؟ اور اس  
 زیادہ خوشی اس وقت کس کو ہوگی؟ ڈیڑھ ہزار حاجیوں میں سے تقریباً سب کے  
 سب احرام پوش ہو گئے، البتہ دیوانوں کی ایک مختصر جماعت ایسی تھی، جس نے  
 اس وقت احرام نہیں باندھا، اس جماعت کا ایک خادم گھر سے ہی نیت کر کے  
 نکلا تھا کہ جدہ پہنچ کر پہلے سیدھے آستانہ نبویؐ پر حاضری دیجائیگی، اور پھر  
 وہاں سے آستانہ حج بیت اللہ کی نیت کیجائے گی، حضرت بایزید بسطامیؒ

کی بابت منقول ہے کہ آپ حج کے ساتھ ضحیٰ و طبعاً مدینہ منورہ کی زیارت خلافت  
 ادب اور اپنے لئے ناجائز سمجھتے تھے، بلکہ اس کے لئے ایک مستقل سفر، تازہ احرام کیسے  
 اختیار فرماتے تھے، خیر یہ تو بڑے مرتبہ کے لوگوں کی باتیں ہیں، لیکن اگر کسی اسی  
 کو وہیں سے سفر حج اختیار کرنے کی سعادت حاصل ہو، جہان سے اُس کے رسول  
 برحقؐ نے کیا تھا، اور اسی مقام سے احرام حج باندھنے کی دولت نصیب ہو جائے  
 جہان سے خود مرشدِ عظمیٰ نے باندھا تھا، تو اس میں شریعت و طریقت، ظاہر و باطن  
 حقیقت و حیلیت، کسی کو کچھ گفتگو کی گنجائش ہے؟ اور اگر کسی کو ہو بھی، تو بہر حال  
 اپنا اپنا ذوق اور اپنا اپنا مسلک ہے،

معلوم کی ایک خاصی جماعت (خدا ان پر رحم فرمائے) اور انھیں راہِ ہدایت  
 دکھائے) جو بیسی سے جہاز پر ہمراہ ہو گئی تھی، اس نے کامران سے غل جانا شروع  
 کر دیا کہ جہاز سے کسی کو براہِ راست مدینہ منورہ جانے کے لئے سواری نہ لگنی  
 اور سودی حکومت نے براہِ راست مدینہ کا سفر حاجوں کے لئے بند کر رکھا ہے  
 اس لئے سب کو کہہ کے قصد سے یسلم ہی میں احرام باندھ لینا چاہئے، اس  
 جماعت میں سب سے پیش پیش خود ہمارے معلم عبدالقادر سکندر تھے، جو شاید  
 کسی زمانہ میں عرب یا ترک رہے ہوں، اگر اب تو ساہا سال سے کھنوجی  
 ہی ہیں، اور بیسی سے جہاز پر ہمراہ تھے، بہت سے نیکدل و سادہ مزاج  
 احباب جو اپنے ہی طرف پر معلوم کو بھی قیاس فرما رہے تھے، دھوکے میں  
 آ گئے اور معلوم کے ہنگامہ سے متاثر ہو کر جہاز پر سب کے ساتھ احرام بند ہو گئے

لیکن مجدد اللہ ایک مختصر گروہ آخر تک اس فریب میں نہ آیا، اور مدینہ پاک کی  
 حاضری سے ابتدا کرنے کی نیت پر قائم رہا، موجودہ حالات حجاز کی جو طلسم ہو شراباً  
 سکندر صاحب نے سنانی شروع کی تھی، یہ اس کی پہلی حکایت تھی، آئندہ کیلئے  
 تمام عازمان حج کی خدمت میں بڑے اصرار کے ساتھ گزارش ہو، کہ اپنے معلمین  
 کی صداقت و دیانت کے متعلق زیادہ حسن ظن ہرگز نہ قائم فرمایا کریں، اور انکی  
 بہم پہونچائی ہوئی اطلاعات کی تحقیق دوسرے ذرائع سے ضرور کر لیا کریں،



# باب،

## جدہ

۸ اپریل، دو شنبہ، آج جدہ پہنچنے کا دن ہے، آج دلوں کے شوق منینہ کا کیا پوچھنا؟ اسباب کی بندش رات ہی سے شروع ہو گئی تھی، صبح سویرے سے جہاز کی بالائی عرشوں پر حاجیوں کے پرے جھے ہوئے سب کی نگاہیں ساحل کی طرف لگی ہوئی، ساحل جون جون قریب آتا جاتا ہے، پانی کا رنگ بجائے نیلے کے سبز ہوتا جاتا ہے، اور بحری پہاڑیاں کثرت سے نمودار ہوتی جاتی ہیں، دن نکلنے کے بعد ساحل سے ایک کشتی جہاز کی طرف آتی ہوئی نظر آئی، اس کشتی پر عرب کپتان سوار ہے، اندرون ساحل جہاز کی رہنمائی بھی عرب کپتان کر گیا لیجئے، وہ کشتی جہاز سے آکر لگی، اور عرب کپتان دم بھر مین کھٹ کھٹ کرتا ہوا جہاز کے سب سے بالائی حصہ میں کپتان کے پاس پہنچ گیا، اب اس وقت سے جہاز کی رہنمائی کا مالک و مختار بھی عرب ہے، — شاید کارکنانِ تصادق و قدر کو بھی موزونیت اسی میں نظر آئی کہ ملک عرب میں داخلہ کے وقت رہنمائی کا فرض ایک عرب رہنما ہی کے ہاتھوں انجام پاتا ہے، — اٹھ بیچے ساڑھے آٹھ بجے اب جدہ کی عمارتیں صاف نظر آنے لگیں، مگر شہر اب بھی

ڈھائی تین میل دور ہی، تو بچے بچے جہاز لنگر انداز تھا، مگر بسی کی طرح جدہ میں  
 جہازوں کے لئے کوئی پلیٹ فارم نہیں اور کیوں ہونے لگا تھا؟ جدہ میں آخر  
 حاجیوں ہی کے جہاز تو ٹھہرتے ہیں نہ، اور حاجی کیوں یہ ہر مرتبہ بھول بھول  
 جاتے ہیں، کہ اس دورِ علم و تمدن میں انکا وجود جانوروں اور چوپایوں سے کچھ ہی  
 بہتر ہے، اساتوین صدی عیسوی کے کمنہ و فرسودہ احکام و شرائع پر عمل کرنا  
 آخر اس کی توقع ہی کیوں قائم کرتے ہیں، کہ زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے پر بھی  
 ان کے نصیب میں بیسویں صدی عیسوی کی سہولتیں اور آسائشیں ہوسکیں؟

جہاز کی حرکت رُک، اور جہاز پر حرکت شروع ہوئی، پیچ پکارا غل و شور، دُڑ  
 بھاگ، ظاہر ہے کہ جہاز کہیں بھاگا نہیں جا رہا ہے، ٹھہرنے ہی کے واسطے رکاؤ  
 اور نہ جدہ کی زمین کہیں پھسل جا رہی ہے، لیکن اتنا صبر کس کو اور اتنے انتظار کی  
 توفیق کسے، یہ جہاز سے کشتیوں پر اترنے کے لئے زینے صاف دو، اور ان دو زینوں  
 پر ڈیڑھ ہزار کے مجمع کا ہجوم، ہر شخص بیاب، کہ سب پہلے خود ہی اتر گیا، اور اپنا  
 اسباب اتار گیا، یہ اسے گھسیٹ رہا ہے، وہ اسے ڈھکیں رہا ہے، یہ اسے دھکا  
 دیر رہا ہے، وہ اسے کہنیاں مار رہا ہے، طاقتوروں اور چیرہ دستوں کی بنائی  
 ہے، باقی کمزوروں اور ناتوانوں، بیماروں اور بچوں، بوڑھوں، اور بوڑھیوں  
 پر جو کچھ گذر رہی ہے، اس کی بجز خدا لے علیم و بصیر، سمع و غیر کے اور کسے خبر!  
 ایک نفسی نفسی کا عالم، ہر سمت محشر اضطراب! یہ ان لوگوں کا حال ہے، جو اثنا  
 و بے نفسی کا سبق لینے کو نکلے ہیں،! یہ اس سفر میں پیش آرہا ہے، جسکا مقصد



اخلاق سے ملے چند ہی منٹ کے بعد ایک اُن سے بھی زیادہ کارآمد اور صاحب اختیار  
 افسر ہنسی احسان اللہ صاحب سے ملاقات ہوئی، جو عرصہ سے جدہ کے انگریزی  
 قنصل خانہ میں ہیں اور اس وقت متعہ حجاج کے ذمہ دار افسر ہیں، انکی بابت مختلف  
 روایات و حکایات سننے میں آئی تھیں، تاہم اتنے جزو پر سب کا اتفاق تھا کہ یہ جس  
 پر مہربان ہو جاتے ہیں، اسکا کام اپنے اثر و اقتدار سے خوب نکال دیتے ہیں، آدمی  
 باخبر ہیں، اخبارات وغیرہ پڑھتے رہتے ہیں، مجھ سے واقف نکلے، اور بڑی خندہ حینی  
 سے پیش آئے، بعض اجاب نے اُن کے نام کے متعارف نامے بھی دیدیے تھے لیکن  
 انکی خوش اخلاقی کے بعد یہ متعارف نامے غیر ضروری تھے، ان دونوں جدید مہربانوں  
 نے صلاح یہ دی کہ اپنی پارٹی کو مع اسباب کے سر دست جہاز پر چھوڑے جاؤں  
 اور خود ان کے ساتھ انکی سرکاری کشتیوں پر چلا چلوں، بالآخر یہی طے پایا، اور  
 اپنے قافلہ کو جہاز پر چھوڑ کر مین تن تنہا قاضی عزیز الدین صاحب کے ہمراہ، ٹرین  
 کہنی کے موٹر لائیچ پر سوار ہو کر ساحل کو روانہ ہوا، اسی موٹر لائیچ پر ہمارے جہاز  
 کے کپتان پی، ایچ، وارڈ، اور چودھری محمد علی ردو لوی بھی آئے،

ساحل پر قدم رکھتے ہی، قاضی صاحب تو رو کر دہ ازرا کی طرف "بغیر ہمیں  
 کوئی ہدایت دینے کپتان کو ساتھ لے، اپنے دفتر کی طرف چلے گئے، اور ہم نو وارد  
 اجنبیوں کو بالکل ہماری قسمت پر چھوڑ گئے، مین تنہا تھا، چودھری صاحب کیسٹا  
 مستورات بھی تھیں اور کچھ سامان بھی اب حکمہ بحری کے مختلف لوگوں نے ہم سے  
 سوالات شروع کئے، اور زبان کی رجنیت کا عملاً احساس اس وقت سے شروع



ہوا، وہ لوگ نہ فارسی بول سکتے تھے، نہ انگریزی نہ اردو، نہ ہی عربی، سو عربی اول  
یہاں آتی ہی کیا ہو، اور غلط سلف، ٹوٹی پھوٹی ہلکے آدھ فترے بولنے کی جو کوشش  
کیجاتی، سو اسکو وہاں کے لوگ بخوبی کتے اور سرے سے عربی ہی نہیں تسلیم کرتے  
پاسپورٹ کی دکھائی دینا ہوتی ہے، اور اس کی اصلی ضرورت سارے سفر بھر میں  
اسی موقع پر پیش آتی ہے، بہر حال چنگی خانہ کے مختلف عمال کے سامنے حاضری دینی  
پڑتی، میرے پاس اسباب مطلق نہ تھا، صرف گلے میں ایک پھیلا پڑا تھا، اسہن چند  
خطوط اور ہنڈیاں وغیرہ تھیں، جگہ جگہ کے مختلف عمال اپنی ساری قوت تفتیش  
و تحقیق انھیں کاغذات کی الٹ پلٹ میں صرف فراتے رہے اور ادھر یہ اندازہ  
ہوتا رہا، کہ سرخ فیتہ (RED TAPE) خواہ بھر پند کے ساحل پر ہوں یا بحر  
کے، ہر جگہ کچھ کیساں ہی سا ہوتا ہو! چودھری صاحب کے ساتھ چونکہ کس وغیرہ  
بھی تھے، اس لئے قدرۃ اُن پیارہ سے باز پرس بھی زائد ہوتی رہی، اور غالباً  
کس کھلو کر دیکھے گئے، اس گیر و دار میں میں اور وہ علیحدہ بھی ہو گئے، اور میں  
بغیر کسی رستق و رہنما کے اس اجنبی مقام میں بالکل تنہا رہ گیا، بارے پھوڑی  
ہی دیر کی حیرانی و گسرتگی کے بعد ہا سے وکیل کا ایک ملازم لگایا اور وہ وکیل صاحب  
کے مکان تک لے آیا، فاصلہ گودو تین فرلانگ سے زائد نہ تھا، لیکن ایک تو عرب  
کی دو پہر اور پھر مقام کی اجنبیت اس لئے مسافت اس وقت زائد  
محسوس ہوئی،

سفر حجاز میں جہاں تک حج و تعلقات حج کا تعلق ہے، ہر حاجی کی

”عقل کل“ اُس کا معلم ہوتا ہے ہندوستان کے لئے حکومت حجاز کی طرف سے مکران  
 بلکہ شاید ہزاروں کو معلیٰ کی اجازت حاصل ہوا اور حاجی نے مکہ میں قدم رکھا اور  
 اُس کی زندگی کا ہر قدم سلم کے حدود اختیار میں آگیا، مکہ میں قیام کا انتظام ہوا  
 کا انتظام ہستی کا انتظام، مٹی، وفات، و مرد و لغت میں رہنے کا انتظام، قربانی کا انتظام  
 سواری کا انتظام، غرض چھوٹی بڑی ہر شے معلّم ہی کے ذریعہ سے طے پاتی  
 ہے، جدّہ میں ہر معلّم کی طرف سے ایک نمائندہ یا ایجنٹ مقرر رہتا ہے جو یہاں کی  
 اصطلاح میں اُس کا ”کوسیل“ کہلاتا ہے، اور جس طرح مکہ میں حاجی کے لئے معلّم  
 ہی سب کچھ ہوتا ہے، وہی حیثیت اور وہی مرتبہ یہاں جدّہ میں ”کوسیل“ کو حاصل  
 رہتا ہے، ہم سے سائل پر اترتے ہی قبل اس کے کہ محصل خانہ اور جنگی گھر  
 کے مرحلے طے ہوں، دریافت کیا گیا تھا کہ تمہارا علم کون ہے؟ اور جب جواب  
 میں عبدالقادر سکندر کا نام بتایا گیا تھا تو اُن کے وکیل جدّہ، صاحب میسونری نے  
 بڑھکر ہمارے پاس پورٹ کو بلانے خود ہم کو اپنے قبضے میں کیا، سکندر کے وکیل کا  
 نام محمود میسونری ہے، اگر اب وہ گبرسنی کی بنیاد خانہ نشین ہو گئے ہیں، صاحب  
 میسونری اُن کے لڑکے اور میرٹھ کے ہیں، اور چونکہ ہندوستان میں عرصہ تک  
 رہ چکے ہیں، اس لئے اردو بخوبی سمجھ لیتے، اور الٹی سیدھی بول بھی لیتے  
 ہیں، انکا نوجوان لڑکا مصطفیٰ میسونری کو بے تکلف ہونے سے قبل اردو بولتے  
 ہوئے شرماتا ہے، لیکن حاجیوں کا کام نکالنے اور انھیں آرام پہنچانے میں  
 اپنے والد سے کہیں بڑھکر ہے، ہم کو انھیں وکیل صاحب کے مکان میں لایا  
 گیا، تھوڑی دیر کے بعد ہمارے سارے قافلہ کے لوگ بھی یہیں پہنچ گئے

اور دوپہر ہوتے ہوتے چار درویش کے چار چنڈ یعنی پورے سولہ درویش ان کے مکان میں اکٹھا ہو گئے ا

جس دہ ہندوستان کے شہروں کے معیار سے کوئی بڑا شہر نہیں، کوئی پنزدہ ہزار کی آبادی ہوگی، لیکن اپنی جغرافیائی مہیت کے لحاظ سے اہمیت بہت خاصی رکھتا ہے، بازار اچھا بڑا ہے، ہر قسم کی چیزیں مل جاتی ہیں، اول گرائی کچھ ایسی زائد نہیں، اسکے ہر ملک کے چل جاتے ہیں، ہندوستان کے چاندی کے بے تکلف چلتے ہیں، البتہ نکل کی ریزگاری نہیں چلتی، ہندی اسکے کا تالہ جہازی اسکے سے آسانی ہو جاتا ہے، کھانے کی دوکاتیں بکثرت، اور سیٹ بھرنے کے قابل کھانا قدم قدم پر مل جاتا ہے، البتہ اچھے ہوٹل ذرا تلاش کے بعد ہی ملتے ہیں، اور ان کے نرخ کا محل بھی ہر شخص کے بس کی بات نہیں، ڈاکخانہ ہے، اسپتال ہے، مہینہ میں تین مرتبہ ہندوستان کی ڈاک نکلتی ہے، لیکن ہندوستان کے ڈاکخانوں سے یہاں کے ڈاکخانہ کو کوئی نسبت نہیں، ہر کام توکل پر چلتا ہے، صفائی کا انتظام خاطر خواہ نہیں، یہاں کی کھیاں اپنی کثرت کے لحاظ سے خاص طور پر مشہور ہیں، عرب کی سرزمین شروع ہو چکی ہے، اس لئے گرمی کی بابت کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے، برف نہ مل جاتی ہے، اگرچہ گران قیمت پر، پانی کی قدر جہاز ہی سے شروع ہو جاتی ہے، اور عرب پہونچکر تو پانی کے بارے میں ہندوستان کی پڑی ہوئی مسرفانہ عادتوں کی اچھی خاصی اصلاح ہو جاتی ہے، جدہ میں میٹھا، یعنی سمندر کا صاف شدہ پانی تلاش سے اور خاصی گران

شرح پر لکھا ہے، کھاری سمندری پانی البتہ بہ افراط مکانات کی وضع یہی کے  
 مکانات سے ملتی جلتی، یعنی صحن کار و اراج برلے نام، اور اوپر تلے چار چار پانچ  
 پانچ منزلوں کار و اراج عام! انھیں کمرون کو کھڑکیوں کی مدد سے خاصا ہوا  
 بنالیا جاتا ہے، ہندوستان کے لوگوں کو جس شے کی زیادہ تکلیف ہوتی ہے، وہ یہاں  
 کے پانخانے ہیں، ہسترون کی قسم سے کوئی قوم یہاں موجود نہیں، نتیجہ یہ ہے کہ  
 ہر مکان میں بہت گہرے سڑاس، کنوین کی طرح گہرے بنے ہوئے ہیں،  
 انھیں میں درج حاجت کی جاتی ہے، اور ان کی عفویت مکان کے دوسرے  
 حصوں تک پھیلی رہتی ہے، زبان موجودہ بگڑی ہوئی عربی ہے، ایسے قرآن مجید کی  
 عربی سے کوئی نسبت نہیں، تاہم اردو بھی اچھی خاصی سمجھ لجاتی ہے، اور محض اردو  
 بھی اپنا کام نکال ہی لیتے ہیں، حاجیوں کے هجوم کے زمانے میں ہر ہر گھر  
 مسافر خانہ بنا ہوا، ہزار باغریب حاجی سرکون پر اور گلیوں پر پڑے ہوئے،  
 مملکت حقیقہ حیدر آباد، ریاست بھوپال اور ریاست ٹونک کی طرف سے  
 ملکر دوسرے میں رہاٹیں (قیامگاہیں) بنی ہوئی ہیں، اگرچہ وہاں بھی ہندوستانیوں  
 کے لئے دو ایک بڑی رہاٹیں بنجائیں، اور انتظام اچھے ہاتھوں میں رہے،  
 تو کم سے کم حاجیوں کی ایک جماعت کو تو بڑی سہولت حاصل ہو جائے، آبادی  
 میں ہندوستانیوں کا عنصر بالکل غائب نہیں، حاجی اور تجارت کے سلسلے میں  
 صوبہ بمبئی خصوصاً علاقہ گجرات و کاٹھیاوار کے لوگ اکثر نظر آئے، انگریزی  
 قرض خانہ میں، نیز موٹر کمپنیوں میں صوبہ پنجاب کی غایندگی ممتاز ہے، ہمازی  
 کمپنیوں کے دفتر میں بمبئی، بہار، اور اودھ کے چہرے اور قیافے نظر پڑے

جدہ، سرزمین عرب کا بچھا لگ ہے، حکومت اسلام کا پہلا شہر ہے، اُردیا  
 بھلا جیسا بھی ہے، اپنا ہے، اور اپنوں اور اپنے والوں کی چاہت کے نہیں  
 ہوتی، لیکن ————— اے سب عزتوں کے مالک! ایک گستاخ  
 مشیت خاک کو یہ کہنے کی اجازت دے کہ ————— اب تو کسی کو بھی  
 ”اپنا“ کہتے ہوئے دل لڑتا ہے، اور زبان چکپاتی ہے، خیر، قرطبہ، غرناطہ  
 کو تو مدت ہوئی بھول چکے، لیکن ابھی کل کی بات ہے، کہ بصرہ اپنا تھا، بغداد  
 اپنا تھا، حلب اپنا تھا، بیروت اپنا تھا، دمشق اپنا تھا، بیت المقدس اپنا تھا، قاہرہ اپنا تھا، اہنول اپنا تھا  
 اور کچھ ہی قبل شاہجان آباد اپنا تھا، اکبر آباد اپنا تھا، لاہور اپنا تھا، ملتان اپنا تھا، لکھنؤ اپنا تھا، مرشد آباد  
 اپنا تھا، عظیم آباد اپنا تھا، دھاکہ اپنا تھا، بیجا پور اپنا تھا، کرناٹک اپنا تھا، آج ان  
 میں سے کوئی ”اپنا“ ہی؟ پھر جدہ غریب کی خیر کب تک منائی جاسکتی ہے؟  
 یا جوج کا پھر یا گو آج صابطہ و رسم کے ساتھ وہاں نہ لہرا رہا ہو، لیکن جدہ  
 کے کوچہ و بازار دور و دیوار سب یا جوج ہی کی عظمت کے خقیق بن چکے ہیں  
 دوکانوں میں مال ہے تو ولایتی، بازاروں میں سودا ہے تو ولایتی، مکانوں  
 میں سامان ہے تو ولایتی، جموں پر لباس ہے تو ولایتی، عقلیں مرعوب قلوب  
 مفلوج! کوئی کس چیز سے دل کو سمجھائے، اور کیا لکھراپنے کو دھوکا دے!  
 سرزمین اسلام کا اسلامی شہزادہ دل ترسارہ گیا، کہ کسی محدث کی زیارت  
 سے آنکھیں روشن ہوں، کسی بزرگ صاحب باطن کی نگاہ کرم دل کو گرما  
 کسی فقیہ کے حلقہ درس و افتاء کی تازگی و شگفتگی تھکے ماندے مسافر کی خستگی و  
 ماندگی کو دور کرے! پر آہ، یہ کچھ بھی نہ ہوتا تھا! بہر تننا کا کام، ہر آرزو منفعلاً

ہو کر رہتی تھی، سو ہو کر رہی، مسجد میں نماز کئی وقت پڑھی، پر شہر کے عائد واکا پر  
ایک وقت بھی مسجد کے اندر نہ دکھائی دیئے، اور دل نے تاسف کے ساتھ کہا  
کہ حضرت اکبر مرحوم کا تجربہ ص

”کونسل میں بہت سید مسجد میں فقط تین!“

صرف ہندوستان ہی تک محدود نہیں، اور یا سے جہننا کا کنارہ ہو، یا بحر احمر کا ساحل  
آج مسجد کی آبادی جہاں کہیں بھی قائم ہے، میان جہن ہی کے دم سے ہے!



# باب ۸

## جدہ - راہ مدینہ

صالح بیسوی نے ہمیں اپنے ذاتی مکان میں ٹھہرایا، یہاں عمو کئی کئی  
 منزلوں کے مکانوں کا رواج ہے، یہ مکان بھی کئی منزل کا ہے، ہم لوگوں کو جگہ  
 دوسری منزل میں ملی، ہمیں دو کمرے ہیں، ایک بڑا اور ایک اوسط درجے کا، عورتوں  
 کو بڑے کمرہ میں کر دیا، چھوٹے کمرے کو مردانہ رکھا ہے، سامان زیادہ تر نیچے کی منزل میں  
 اپنے دیا، سولہ آدمیوں کے لئے دو کمروں کی گنجائش نا کافی معلوم ہو رہی ہے، صحن نہ  
 ہونے سے گرمی علی الخصوص محسوس ہو رہی ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت اللہ  
 کی ناشکر ہی ہے، سیکڑوں ہزاروں، اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں جنہیں اتنی جگہ کیا  
 بخشی، اس کی آدمی بلکہ چوتھائی بھی نصیب نہیں، اور وہ صبر و شکر کے ساتھ تیر دھوپ  
 آئین نبی ہوئی زمین کے اوپر، سڑکوں اور راستوں میں، بٹرجائے بیٹھے ہیں،  
 وہ بھی آخر انسان ہی ہیں، وہ بھی حاجی ہیں، وہ بھی پردیسی ہیں، وہ بھی اللہ کی  
 راہ میں گھربار، عزیزوں، دوستوں کو چھوڑ کر نکلتے ہیں، اور ان میں سب کے سب  
 مفلس اور کنگھلے ہی نہیں، کیا انہیں آرام کی خواہش نہیں؟ کیا انہیں موسم کی سختیوں  
 کا احساس نہیں ہوتا؟ — جدہ کا رقبہ کچھ بہت بڑا نہیں، اس لئے مقامات

زیادہ دور دور زمین، جہاں ہم ٹھہرے ہیں، بازار یہاں سے قریب ہیں، ڈاکخانہ بھی  
 زیادہ فاصلہ پر نہیں، اور مسجد تو بالکل پڑوس ہی میں ہے، اتفاق سے آج ہی ہندوستان  
 کی ڈاک روانہ ہونے کا دن ہے، خطوط لکھ کر ڈاک میں ڈالے نہیں گئے، بلکہ پوسٹاسٹر  
 صاحب کے ہاتھ میں دیدیئے گئے،

میں نے ایک قیودق، شاندار و آراستہ عمارت کھڑی ہوئی ہے، معلوم ہوا  
 کہ شیخ محمد نصیف صاحب کا مکان ہے، یہ یہاں کے ایک امیر کبیر ہیں، یہی ہے ایک  
 صاحب نے اپنی کسی ضرورت کے متعلق ایک خط ان کے نام کا مجھے دیا تھا، اسے  
 لیکر مولانا مناظر حسن صاحب کے ہمراہ دوپہر کو ان کے ہاں گیا، عربی و سبب اہل  
 اور حجازی شان مسافر نوازی کے ساتھ پیش گئے، اردو زمین جانتے، صرف عربی میں  
 گفتگو کر سکتے ہیں چنانچہ مولانا سے عربی ہی میں گفتگو ہوتی رہی، ایک عظیم الشان کتب خانہ  
 کے مالک ہیں، بڑی بڑی الماریوں میں نفاست و سلفہ کے ساتھ کتابیں چنی ہوئی، اور  
 گفتگو کے بعد معلوم ہوا، کہ کتابوں کا ذخیرہ محض الماریوں کی زینت کے لئے نہیں، بلکہ  
 دل و دماغ میں بھی اپنا گھر بنا چکا ہے، نظر کی نماز انھیں کے مکان پر جماعت کے ساتھ  
 نجدی امام کے پیچھے پڑھی، یہیں ایک صاحب سے یہ کہہ کر لایا گیا کہ وہ شیخ محمد بن  
 عبد الوہاب کے پوتے ہیں، اور یہ بھی کہا گیا، کہ نجد کے مشاہیر علما میں ہیں، مولانا  
 مناظر نے ان سے کچھ سوالات کیے جو اب اس معیار پر نہ ملے، جس کی توقع ایک  
 صاحب نظر عالم سے ہو سکتی ہے، سنا ہے کہ سلطان ابن سعود جب جدہ آتے ہیں  
 تو شیخ محمد نصیف ہی کے ہاں فروکش ہوتے ہیں، ۱۲۸۵ھ میں ہندوستان کا



و فی خلافت جو بلطانی نہاں تھا، وہ بھی جدہ میں شیخ موصوف ہی کے ہاں ٹھہرایا گیا تھا۔  
 بسیونی کے ہاں، ہند کمرون میں شب بسر کرنے میں دقت تھی، شب میں میں نے  
 اور مولانا مخلص صاحب نے شیخ موصوف سے اُن کے کھلے ہوئے ہوا اور چوتراہ پر لیٹ  
 رہنے کی اجازت مانگی، شیخ نے اپنے لطف و کرم سے مہسرت تمام اجازت دیدی،  
 اور ہم دونوں کی رات بڑے آرام سے اور شیخ کی شکر گزاری سی کیسا تھو بسر ہوئی

جدہ آرتے ہی سفر مدینہ کے لئے روپیہ کی ضرورت پڑی، عمر بھائی چاند بھائی  
 نے جدہ میں ہندیاں ایک ہی نام کے دوسا ہو کاروں، شیخ جمال الدین اور  
 سیٹھ جمال الدین ٹپنی کے نام کی دی تھیں، دونوں سے ملاقات ہوئی، اول لڑکے  
 نے بڑی مستعدی اور مستعدی سے بھی بڑھ کر ہمدردی و دلسوزی کے ساتھ سارا کام  
 کر دیا، یہی نہیں کہ رقم فوراً ادا کر دی، بلکہ یہ صحیح و ضروری مشورہ دیکر کہ اندرون  
 حجاز، انگریزی نوٹ اور روپیہ سے کہیں بڑھ کر انگریزی گنیٹاں کام دیتی ہیں،  
 رقم کو نوٹ سے گنیٹوں میں تبدیل کر دیا، روپیہ ہاتھ میں آتے ہی چلنے کی جنکر  
 ہوئی، جدہ اور مدینہ منورہ کے درمیان اونٹ کے قافلے بھی چلتے ہیں، اور اب  
 موٹر بھی کثرت سے چلنے لگے ہیں، ہم لوگوں نے موٹر ہی پر چلنا سنے کیا، حجاز میں  
 قدم رکھتے ہی مسافر بالکل مسلم یا اُن کے وکیل کے ہاتھ میں آجاتا ہے، اور بغیر انکی  
 وساطت کے کسی سواری کے لئے معاملت نہیں کر سکتا، وکیل صاحبوں کے مصداق  
 و انراض قدرۃ اس کے مقتضی ہوتے ہیں، کہ جتنے دن بھی ممکن ہو صاحبوں  
 کو جدہ میں پڑا رہنے دیا جائے، اور جب وہ سواری کے لئے تھا ضرورین، تو انہیں

مال دیا جائے یہی صورت ہمارے ساتھ بھی پیش آنی شروع ہوئی،

جدہ میں منشی احسان اللہ صاحب (نائب قنصل برائے حجاج ہند) کی ذات ہندوستانی حایوں کے حق میں بڑی کار آمد ہو، جہاں پر ان سے تعارف ہو چکا تھا، اس پر کو ان سے ان کے گھر پر ملاقات ہوئی، اخلاق و محبت سے پیش آئے ہمارے وکیل صاحب کو ہمانوں کی کثرت و هجوم کی بنا پر ہم لوگوں کی جانب توجہ کرنے کی فرصت کم ملتی تھی، اور سواری کے جلد ہم پہنچنے کی طرف سے تو انھوں نے بالکل قطعاً ایس کر دیا تھا، منشی صاحب سے جب ملاقات ہوئی اور ان چیزوں کا تذکرہ آیا، تو انھوں نے ٹیلیفون دیکر وکیل صاحب کو فوراً طلب کیا، وکیل صاحب کا اخلاق ایسی لمحہ سے بدل گیا، اب ہم لوگوں پر توجہ کرنے کی فرصت بھی انھیں نہ ملتی تھی، اور سواری کے لئے بھی وعدہ ہو گیا کہ کل مل جائیگی، جدہ میں حکومت حجاز کی طرف سے جو حاکم اعلیٰ رہتے ہیں، انکا اسم شریف حاجی عبداللہ رضا نزل ہے جدہ میں ٹرنز مارین سپین کے ایجنٹ بھی یہی ہیں، بڑے مقول تاجرون میں انکا شمار ہے، یہی میں ان کے بھتیجے محمد علی زینل موتیوں کی تجارت لاکھوں روپیہ کی کرتے ہیں، انھوں نے ازراہ عنایت اپنے چچا صاحب کے نام ایک تعارف نامہ دیا تھا، اس پر کو منشی صاحب اپنے ہمراہ ان کے ہاں سے گئے، حج ٹیمپ کا اجلاس ہوا تھا، اور وکیل صاحبوں کو بدعتوں انیوں پر سزائیں مل رہی تھیں، زینل صاحب کو دیکھا، سن سفید دارھی، چہرہ شرافت و نورانیت کی ایک تصویر، بڑی خاطر سے پیش آئے، پوچھا کہ کسی قسم کی تکلیف تو نہیں؟ جدہ بھر میں صحیح و پاکیزہ عربی بولتے

ہوئے صرف دو ہی صاحبوں کو پایا، ایک شیخ نصیحت کو دوسرے حاجی عبداللہ زیل کو، ورنہ اور تو ہر شخص کی زبان سے وہ زبان سنی، جسے خدا معلوم عربی کہا ہی کیون جاتا ہے، اشام کے وقت ہنشی صاحب اپنے موٹر پر سمندر کے کنارے ہوا تو اس کے لئے گئے، اور وہیں نماز مغرب پڑھی، عشا کی نماز پڑوس کی مسجد میں آکر پڑھی

۹ اپریل سہ شنبہ، وکیل صاحب نے آج موٹر دلا دینے کا وعدہ کر لیا تھا، لیکن یہ وعدہ اطمینان و اعتبار کے لئے کافی نہ تھا، اگر آج شام کو وہ انکار کر دیتے، تو اسکا تو کوئی نقصان نہ ہوتا، لیکن ہم لوگوں کا ایک دن خواہ مخواہ ضائع ہو جاتا، اور ضرر یہ کہ مدینہ طیبہ کی حاضری میں ایک دن کی تاخیر ہو جاتی، بلکہ وہاں کی مدت تمام میں بھی ایک دن گھٹ جاتا، وکیل صاحب کے لئے ہماری التجائیں اور درخواستیں قطعاً غیر موثر تھیں، آج صبح ابن مولانا مناظر حسن کے ہمراہ شیخ عبدالرحمن محمد الفضل سے ملا، جو ممبئی کے عبداللہ الفضل کے حقیقی بھائی ہیں، اور جدہ کے مشاہیر اور سلطان کے حاشیہ نشینوں میں ہیں، یہ بہت خوب شخص نکلے، خلافت کمیٹی علی برادران، خدام الحرمین، اور ہندوستان کے اور بہت سے مسائل پر آزادی و بے تکلفی سے باتیں کرتے رہے، شرکہ حریم کے نام سے ایک موٹر کمپنی بنانے کی ہے، سفر مدینہ کی عجلت ہم لوگوں میں دیکھ کر انھوں نے پورا اطمینان دلایا کہ وکیل پر تاکید کر کے آج ہی لاری کا انتظام کر دیا جائیگا، اور شام تک قافلہ روانہ ہو جائیگا، اس کے بعد وکیل صاحب کو بھی کوئی راہ گریز باقی نہ رہی اور آج شام کو روانگی طے پا گئی، موٹر کی سرکاری شرح آمد و رفت فی کس

پندرہ گنی تھی، لیکن مختلف موٹر کمپنیوں میں مقابلہ جاری تھا اس لئے ارزانی ہو کر  
فی کس دس گنی (تقریباً ۱۳ روپیہ انگریزی) کی شرح آمد و رفت رہ گئی تھی، مولوی  
شاہ لطف اللہ صاحب مونگیری کی پانچ آدمیوں کی پارٹی بھی ہمارے ہی ہمراہ  
چلنے پر آمادہ ہوئی اس طرح کل ۲۱ آدمی ہوئے، دو موٹر لاریاں، تیرہ تیرہ نشستوں  
کی کی گئیں، اور لفصل صاحب کی عنایت سے ہمارے لئے مخصوص ہو گئیں یعنی  
۲۱ آدمیوں کے ٹکٹ سے ۲۶ آدمیوں کی جگہ مل گئی،

روانگی شام کو مسد ار پائی تھی عین بڑے وقت دونوں لاریاں دروازہ  
پر آکر لگ گئیں، سب کے سوار ہونے، سامان لادنے، پوری پیشگی اجرت دیکر اُس کی  
رید حاصل کرنے اور حکومت و بلدیہ کے دوسرے مراعل طے کرنے میں عشا کا وقت  
آگیا، اور عین اُس وقت جبکہ مسجدوں میں عشا کی ذاین ہو رہی تھیں ہمارا قافلہ  
شہر کے پچانک سے روانہ ہوا، جدہ سے مدینہ تک موٹر راستہ میں آرام لیتا ہوا او  
سستا ہوا، ڈیڑھ دو دن میں پہونچا ہی، اونٹوں سے یہ فاصلہ دس دن میں  
طے ہوتا ہی، جابجا منزلیں بنی ہوئی ہیں، موٹر جہاں عموماً ٹھہرتے ہیں، اُن میں سے  
شہور منزلیں، طوال، قدیمہ، رابع، مستورہ، بیردیش، بیرحسان، مستجر ہیں، ہر  
منزل پر پانی، چائے، قہوہ، کی دوکانیں ہیں، اکثر منزلوں پر روٹی اور پکا ہوا گوشت  
یا ابلی ہوئی مچھلیاں مل جاتی ہیں، مگر گوشت بدوی مذاق کا ہوتا ہی، ہندوستانیوں  
کے ذائقہ کا نہیں ہوتا، گو بھوک کے وقت ہر شے اچھی معلوم ہوتی ہی، بعض منزلوں  
مثلاً رابع کا پانی بہت نفیس ہی، اور بعض مثلاً بیرحسان کا اس کے بالکل برعکس،

پیٹ کی آگ ہر جگہ بجھائی جا سکتی ہے۔ لیکن اگر زبان کا ذائقہ بھی مطلوب ہو تو ان  
 منزلوں کے کھانے کے بھروسے پر ہرگز نہ رہنا چاہئے، بلکہ اپنے مذاق و پسند کے مطابق  
 کچھ ناشتہ ضرور ساتھ رکھنا چاہئے، بعض منزلوں میں تلوڑ اور بعض میں کھجور بھی لجاتے  
 ہیں، بڑی بڑی منزلوں میں رات کو سونے یا دن کو لیٹنے بیٹھنے کے لئے بان کے  
 اوپنے اپنے تکیہ دار کھاٹ مناسب کرایہ پر مل جاتے ہیں گوشت کی بنی ہوئی چیرین  
 تو گرم موسم میں زیادہ ٹھہر نہیں سکتیں، البتہ ستولبکٹ کھیں، وغیرہ اگر اس سفر میں ساتھ  
 رہیں، تو کھانے کا مسئلہ بآسانی حل ہوتا رہتا ہو سٹرکین بھی بری کیا معنی، کہنا چاہئے کہ سرے  
 سے بن ہی نہیں، چلتے چلتے جو راستے بن گئے ہیں، انھیں کا نام سٹرک رکھ لیا گیا ہے  
 حیرت ہے کہ سودھی حکومت جو موٹر دن کی سرپرستی میں اتنی عالی مہتی دکھا رہی ہے  
 (شاید اس لئے کہ موٹر کسپینوں سے خوب بھاری بھاری ٹیکس وصول ہوتے رہتے ہیں)  
 سٹرکوں کی تعمیر کی طرف سے اس درجہ غافل و بے پرواہ ہے (شاید اس لئے کہ سٹرک  
 کوئی آمدنی کی مد نہیں محض خرچ ہی خرچ کا کام ہے) حالانکہ بہتر سے بہتر سواری بھی  
 بغیر بھی سٹرک کے بیکار رہے، راستہ کی اسی اتری کا نتیجہ ہے، کہ سواری کی دودو  
 لادیوں کے ساتھ حوادث ناگہانی کے خطرہ سے ایک ایک خالی لاری بھی رکھی  
 جاتی ہے، اور یہ خطرہ محض موہوم نہیں، اکثر ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں، خود  
 ہمارے ساتھ جو لاری زنانہ قافلے کی تھی، دوپہر کے وقت ایک جگہ ریت میں  
 دھنس گئی، اور کسی طرح نہ ہنس سکی، مجبوراً سوار یوں کو اسی خالی لاری میں منتقل  
 کرنا پڑا،

موثرین روانہ ہوئیں اور شب کی تاریکیوں میں سفر شروع ہوا، کس کا سفر کہاں  
 کا شروع ہوا؟ — کون بتائے؟ کسی زبان جواب دے؟ حاضری کی اجازت  
 اُسے مرحمت ہو رہی ہے، جس کے نامہ اعمال کی سیاہیاں شب تار کی تاریکیوں سے  
 بھی سیاہ تر ہیں، جنھوری اُس کے آستانہ پر ہو رہی ہے، جو خود طارقی بلکہ رات کی  
 تاریکیوں کو منور کرے آیا، جس کا ظہور اُس گھڑی ہوا جب دنیا پر تاریکیوں اور  
 سیاہیوں کے ایک سے ایک گھرے پردہ پرٹے ہوئے تھے، اور جو اپنے ہمراہ نور اور  
 اجالا لیکر آیا، — این ایہ دل کیوں دھڑکتا جاتا ہے؟ یہ آنکھیں کیوں پرغ  
 ہو رہی ہیں؟ یہ زبان کیوں خشک ہوئی چلی جاتی ہے؟ سامنا اُس کا تو نہیں ہو سکتا  
 کی میزان ہاتھ میں لئے بیٹھا ہے، جو دودھ کا دودھ، پانی کا پانی الگ کر نوالا ہے،  
 حاضری تو اُس کے دربار کی ہے، جو ہمہ محنت و ہمہ مرحمت ہے، جو بدکاروں کی  
 پردہ پوشی کرنے والا ہے، جس کا نام شفیع المذنبین ہے، یعنی نیکوں اور پاکوں کا نہیں  
 گنہگاروں کا نجات دلاسنے والا، تباہ کاروں کا سہارا، یہ سب کچھ سہی، یہ سب صحیح  
 پر دل اب بھی اپنے قابو میں نہیں، نفس کی شرارتیں، اندر کی خائیتیں، قلب کی  
 فتاوٰتیں، ایک ایک کر کے بے پردہ و بے نقاب سامنے آرہی ہیں اور ریا اور  
 نفاق کا جامہ ہر ہر لمحہ چاک ہو رہا ہے، جدہ سے نکلتے ہی ریت شروع ہو جاتی ہے،  
 راستہ کا بیشتر حصہ بالکل ریتلا ہے، اور جب مدینہ طیبہ کی مسافت بقدر ایک ثلث  
 کے پہنچ جاتی ہے، تو پہاڑیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، اور زمین بالکل پتھریلی  
 لگتی ہے، ان ناہمواریوں کا قدرتی نتیجہ یہ ہے، کہ لاریاں گویا اچھلتی ہوئی چلتی ہیں  
 اور دھکے اور دھچکے قدم قدم پر لگتے رہتے ہیں، ادھر دھچکا لگا، اور ادھر زبان

اعتراف پر کھلی را — اے ریاکار، آج تیری اصلیت ظاہر ہو رہی ہے! اے منافق! اس وقت تیری کھلی را رہی ہے جب قوالی کی محفلوں میں شاعری کی دنیا میں، اوشب شیرب میں ناقہ کے پیچھے دوڑتے رہنے کا، یا تلوؤں میں خاک صحرے میں دینے کے پھینکے کا ذکر آتا تھا، تو تو خوب گردن ہلاتا تھا، اور بڑی مستی کا اظہار کیا کرتا تھا، اور ہمہ تن اشتیاق و تمنا بن جاتا تھا، پھر آج تو یہ منظر سامنے ہی تصور و خیال میں نہیں، مادی آنکھوں کے رو برو ہے، اس خاک کا سرمہ آنکھوں میں کیوں نہیں لگاتا؟ یہاں کے کانٹوں کو اپنے پیروں میں کیوں نہیں چھینے دیتا؟ اس دشت میں جیب و گریبان کی دھجیاں اڑاتے ہوئے کیوں نہیں دوڑ لگاتا؟ محبت رسول صلیم کے زبانی دعویٰ بڑے بڑے تھے، دوستوں اور محقروں کے مجمع میں، عشق سرکارِ مدینہ کی خوب خوب لاف زنی ہوتی تھی، آج سارے دعویٰ کی حقیقت کھل گئی، امرِ کز نور سے جو ن جو ن قرب حاصل ہوتا جاتا ہے، ہر شے کی اصلیت سے نقاب اٹھتا جا رہا ہے، اے نفس غیث کے غلام، کیا تو یہ سمجھے ہوئے تھا، کہ تیری ریاکاری و منافق پروری پر پردہ یوں ہی پڑا رہنے دیا جائیگا،

ہماری طرح خدا معلوم کتنی اور موٹے اور موٹے لاریاں سوار یوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی اس راستہ پر چل رہی ہیں، ہزار ہا انسان اونٹوں کے قافلہ میں چلتے ہوئے مل رہے ہیں، سیکڑوں آدمی پیدل سفر کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، ان میں غوریہ ہیں، اور مدھی، بوٹھے بھی ہیں، ادبے بھی، غریب بھی ہیں اور امیر بھی، بنگالی بھی ہیں، اور پنجابی بھی، دکنی بھی،

ہین اور گجراتی بھی، جازری بھی ہین، اور نجدی بھی، مصری بھی ہین اور سوڈانی بھی،  
 جاوی بھی ہین، اوپینی بھی، ابرہی بھی ہین اور بخاری بھی، افغانی بھی ہین اور مرا قشی  
 بھی، یہ سب کے سب طن اور عزیزان وطن کو چھوڑے ہوئے تپتی ہوئی ریگ ہین چلی گئی  
 ہوئی دھوپ میں، کشمیر اور شملہ کو چھوڑ کر، سبزہ زاروں اور آبشاروں کو بھلا کر  
 بھوک اور پیاس کی شقیں بھیلے اور گرد و بخار میں غسل کرتے ہوئے کہاں کو چل  
 رہے ہین؟ راسپور کے حاتم وقت رئیس، کلب علیخان کو کس راستہ کی خاک پھانٹنے  
 پر فرغ تھا؟ بیوپال کی اہل دل فرما زوا، سلطان جہان بیگم کو کس کے آستانہ کی  
 گدائی پر ناز رہا؟ مملکت آصفیہ کے تاجدار، میر غفران علیخان نادر کے دل کو کس کے  
 کوچہ کی آرزو سے جا رہا؟ کشی تڑپاے ہوئے ہے، محمد کے نام سے، ابوہل اور  
 اور ابوہل کی طرح چلنے والے محمد کی عظمت کو علمی توجہات و تاویلات کر کے  
 دلوں سے گھٹانے والے محمد کی سیرت پاک کو اپنی ناپاکیوں اور گندگیوں پر قبض  
 کر کے مسخ کر کے پیش کرنے والے، آج کاش اپنے اپنے مٹی کے گھرنڈوں سے باہر  
 نکل کر دیکھیں، کہ اس دورِ ریاجوہیت، اس غلیظہ و جالیت کے باوجود دنیا کی کسی ٹیڑھی  
 اور کسی کاج میں، کسی جامہ اور کسی اکاڈمی میں، کسی کتب خانہ اور کسی تجربہ گاہ میں  
 کسی ماہر فن کے لکچر روم میں، کسی پروفیسر کے حلقہ درس میں وہ کشش اور دلکشی، وہ  
 قوت جذب ہے، جو اُس مقام میں ہر جہان اُس امی کا جذبہ ظاہری آرام فرما رہا ہے  
 جو اپنے رب کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا (محمد) تھا، اور جسے اس کے رب نے  
 ”تہریت کیا گیا“ (محمد) کہہ کر بکارا؟



# باب ۹

## مدینہ

بوسے یاد مہربانم می رسد      بوسے جانان سوسے جانم میرسد  
 باز آبد آب مادر جوے ما،      باز آمد شاہ مادر کوے ما،  
 اللہ پر پیل سسے پنجشنبہ، یکم ذیقعدہ ششم، آج کی صبح کتنی مبارک صبح ہے  
 آج کے دن زندگی کا سب سے بڑا ارمان پورا ہونے کو ہے! آج ذرہ آفتاب بن رہا  
 ہے، آج بھگا ہوا غلام اپنے آقا و مولا کے دربار میں حاضر ہو رہا ہے، آج گنہگار  
 امتی کو شفیق اور شفیق رسول صلعم کے آستانہ پر سلام کی عزت حاصل ہو رہی ہے!  
 ہندوستان کی عورتیں ذیقعدہ کو "خالی" کا مہینہ کہتی ہیں، پر جس کے نصیب میں ایسی  
 "خالی" مہینہ میں اس دولت سے مالا مال ہونا مقدر ہو چکا ہو، وہ اس مہینہ کو  
 کیا کہہ کر بکھرے؟ "جمہرات" کو شاید قافیہ کی رعایت سے "سیردن" کی کرامات کہتے  
 ہیں، ہر جمہرات ایسی ہوتی ہوگی، لیکن جس جمہرات کو کسی کی قیمت میں یہ کرامت  
 لکھی ہو، اس کا توجہ میں آتا ہے، کہ سیردن اور یزید گون کی نہیں تباہ کاروں  
 اور سیاہ کاروں کی کرامات، تمام رکھنے!

عافلا، چند این صدخ و ماہرا      بند کم وہ بعد ازین دیوانہ را

غیر حیدر آن نگار مقبل ، گرد و صد زنجیر آری بجلم  
وقت آن آمد کہ من عریان شوم جسم بگذارم سر اسرجان شوم

شب منزل بیرحمان میں گزار رہی تھی، صبح سویرے روانہ ہوئے، اور سات بجے مسجد میں دم لیا، سر زمین طیبہ کے انوار و آثار صبح ہی سے شروع ہو گئے، روحانی انوار تو خیر جس کسی کو نظر آتے ہو گئے، اُس کے لئے ہیں باقی مادی فضا کی خوش آئند تبدیلیاں تو ہم بے بصرون کو بھی محسوس ہو رہی تھیں، خوش عقیدگی کا سوال نہیں، محض ثباتِ حواس و ادراک کی ضرورت ہے، بجے کھڑے کھڑے چند منٹ کے لئے ایک اور منزل پر ٹکے، اس کا نام اس وقت یاد نہیں آتا، آخری منزل ہے اس کے بعد کوئی اور منزل نہیں، صرف منزل مقصود ہے اب گویا نواجِ مدینہ شریف ہوا، کچھ نہایت شاداب و شیرین سامنے رکھے ہوئے ہوا لطیف و خوشگوار، فضا خوش منظر، سبزی جو راستہ بھر کہیں نہیں نظر آتی تھی اب ہر طرف دکھائی دے رہی ہے، ریت کے میدان اور رنگینان کے بجائے اب ہر طرف پہاڑیوں کا سلسلہ، سڑک اتنی ہموار و نفیس، کہ معلوم ہوتا ہے عرب میں نہیں، ہندوستان میں سفر کر رہے ہیں، دس بجے ہوا دس بجے، سارے دس بجے اُدھر وقت کی گھڑیاں گزر رہی ہیں، اور اُدھر دلوں کا شوق و اشتیاق ہے کہ ہر ہر منٹ، ہر ہر سگند بڑھتا جا رہا ہے، کسی کے ہاتھ میں مناسک و آدابِ یاد کا رسا ہے، وہ اُنھیں دیکھ دیکھ کر دعائیں یاد کر رہا ہے اور کوئی خالی درو شریف کا درو کے جا رہا ہے، ہر قلب اپنے اپنے حال میں گرفتار ہر دل اپنی اپنی

بلکہ مضطرب و بے قرار کسی کی آنکھیں اشکبار، اور کسی کا دماغ نشہ لذت و فرحت  
سے سرشار! اپنی اپنی نسبتیں اور اپنا اپنا اعتبار!

سارا قافلہ ذوق و شوق کی تصویر، اور تو اور بخدی شوخ رنگ چند لمحوں  
کے لئے بجائے "بخدی" کے "فجری" بنا ہوا، مولانا مناظر فرط گریہ سے تیاب ضبط و  
احتیاط کے باوجود بھی سچ نکل جانے پر مجبور، ایک سرگشتہ و دیوانہ عقل سے دولہ  
علم سے بیگانہ، نہ گریبان نہ شادان، نہ اپنی حضور سی کی خوش بختی پر خوش، اور  
نہ اپنی تباہ کاریوں کی یاد پر غمگین، محض اس ابھن مین گرفتار کہ یا الہی یہ  
میداری ہے یا خواب! کہاں یہ ارض پاک، اور کہاں یہ بے مایہ مشتبہ خاک!  
کہاں مدینہ کی سرزمین، اور کہاں اس تنگ خلایق کی حین! کہاں سید الانبیاء  
کا آستانہ، اور کہاں اس رویا ہ کا سردشانہ! کہاں وہ پاک سرزمین کہ اگر اس  
پر قدم سیون کو بھی چلنا نصیب ہو، تو ان کے خرد و شرف کا نصیب جاگ جائے  
اور کہاں ایک آوارہ و ناکارہ بے تکلف اسے پامال کرنے کی جرأت کر بیٹھے  
عورتی نے کہا تھا، کہ ناپاک کے سجدہ کرنے سے زمین فرط اذیت سے پیسیج  
اٹھتی ہے، اسے

یہ زمین چو سجدہ کردم ز زمین نذر ابر آمد

تو مرا خراب کردی بہ این سجدہ ریائی

لیکن جیب ریاکار کے سجدے سے، ہر معمولی اور عام خطہ زمین یہ ایذا محسوس

کرتا ہے، تو پھر ایک ریاکار کے بارہ قدم سے اس عظمت و تقدس والی سرزمین کے

جگر و سینہ پر کیا گزر گئی ہوگی!

عزیز و اور بزرگو! یہ شاعری نہیں، وہم و تخیل کی کرشمہ سازی نہیں، البتہ  
 اور صحیح مسلم میں حضرت حذیفہؓ کی زبانی بیان ہے کہ میں راستہ میں جا رہا تھا، اور  
 مجھے غسل کی حاجت تھی، کہ سامنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہوئے  
 آئے، اور میری طرف بڑھے (فاہوی الیہ) لیکن میں الگ ہٹ گیا (وفاہی عنہ)  
 اور اس کے بعد غسل سے فراغت کر کے جب خدمت والا میں حاضر ہوا ہوں، تو  
 میں نے عرض کیا، کہ اُس وقت میں پاک حالت میں نہ تھا، اور اسی طرح اس  
 نامور آقا کے ایک دوسرے نامور خادم ابو ہریرہؓ اپنی آپ بیتی بیان کرتے ہیں  
 کہ مجھے ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راستہ میں مل گئے، اور مجھے اس وقت غسل کی  
 حاجت تھی، میں الگ ہٹ گیا، اور غسل کرنے کے بعد مجلس مبارک میں حاضر  
 ہوا! اللہ اللہ! یہ اعتیاد کون لوگ کر رہے ہیں؟ حذیفہؓ اور ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہما  
 جو پاکون کے سردار کے فیض صحبت سے خود پاک و پاکیزہ بن چکے ہیں! اور جو خود  
 اس درجہ پر پہنچ چکے ہیں، کہ انکا سایہ ناپاکون کو پاک بنا دینے کے لئے  
 کافی ہے! رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم از خود ان کی جانب التفات فرماتے ہیں، اور جھک  
 ملنا چاہتے ہیں، لیکن اُدھر یہ حالت ہے کہ بجائے سر کے بل دوڑنے کے، الٹے  
 پاؤں داپسی اور عُلجھگی اور کنارہ کشی ہوتی ہے، اور رسول کریمؐ کی عارضی آزدگی  
 کا خطرہ قبول کر لیا جاتا ہے، لیکن یہ گوارا نہیں ہوتا، کہ اپنی عارضی ناپاکی کو اس  
 سراپائے نور کے مقابل لایا جائے، جو ہمہ لطافت اور ہمہ نظافت ہے! جب

حذیفہؓ اور ابوہریرہؓ کا ایک عارضی اور وقتی ناپاکی کی بنا پر یہ حال ہو یہ احساس ہو  
تو اے دینِ مبین کے حاملو! اور اسے شریعتِ اسلامیہ کے مقتوا اُس کے متعلق کیا فتویٰ  
دو گے جس کی گندگی عارضی نہیں ڈالئی ہو، وقتی نہیں، مستقل ہو، جسم کے اوپر نہیں، روح  
کے اندر ہے، ظاہر میں نہیں، باطن میں ہو، پانی کے چند لوٹوں سے دھل جائیوالی نہیں  
دریاؤں اور سمندروں میں غوطہ کھا کر بھی جون کی تون رہ جائیوالی ہو!

ادب کا تقاضا، کہ شہر کچھ دور باقی رہے، کہ سواری سے اتر کر پیدل چلے شوق  
دل کا فتویٰ، کہ ضروریات سے فالغ ہو کر، ہنسا دھو کر، سفر کے گرد آلود گردن کی جگہ نئے  
کپڑے بدل کر شہر کے اندر قدم رکھئے، لیکن سواری اپنے اختیار کی نہیں، موٹر کے  
شووزوں کی ہر طرح خاطر مدارات کی کہ کسی طرح مان جائیں، لیکن جواب ہی ملتا رہا  
کہ حکومت کے قانون اور سرکار کے ضابطہ سے مجبوری ہو، جو جگہ موٹروں کے ٹھہرنے  
اور مسافروں کے اترنے کی مقرر ہو، ٹھیک وہیں پہنچ کر موٹر رکے گا، نہ اُس سے  
چار گز، ادھونہ چار گز، ادھر! لیجئے بات کہتے کہتے گیارہ بج گئے، اور سو ادھر شہر نظر آنے لگا  
شو فرسے پکار کر کہا، دینیہ! دینیہ! اور سر سبز درخت اور شہر کی عمارتیں دھندھلی دھندلی  
دکھائی دینے لگیں

خاکِ شرب از دوزخ عالم خوشتر است      اے خاکِ شہرے کہ آنجا دوزخِ برست

دردِ دلِ سلم مقامِ مصطفیٰ ست      اکبر سے باز نامِ مصطفیٰ ست

اللهم صلي وسلم على نبينا محمد وآلينا، من الناس و اماننا من العذاب و سوء  
الحساب، اب موٹر قدم قدم پر رکے شروع ہوئے، کہیں سرکاری کارندے اور پیرا

شوفرون سے سوال وجواب کر رہے ہیں، اور کمین مزدوروں کی جماعت اہل تامل کر  
سوالوں کی بھاری کر رہی ہے!

دکس شہر سے آرہے ہو؟ کتنے آدمی ہو؟ کس رباط میں ٹھہرو گے؟ اس قسم کے سوالات  
کے مسلسل جوابات دیتے ہوئے، ٹھیک دوپہر کے وقت کہ ہندوستان کے حساب سے بارہ  
بجے تھے، اور عربی گھڑیوں میں چھ بجے کا وقت تھا، فصیل شہر کے اندر داخل ہوئے، اور  
ادوموٹر ریلوے اسٹیشن کے سامنے والے میدان میں اپنے اڈے پر پہنچ کر رُک گئے،  
یہ اسٹیشن وہی ہے جو مشہور حجاز ریلوے کے سلسلہ میں ترکون کے زمانہ میں تعمیر ہوا تھا  
عارضت نہایت وسیع اور عالی شان ہے، شام سے اس زمانہ میں ریلوں کی آمد و رفت  
شروع بھی ہو گئی تھی، ریل کی پٹریاں اب تک بچھی ہوئی ہیں، اور انجن اور گاڑیاں  
اب تک کھڑی ہوئی ہیں، یہ ریل اس پیمانہ کی تھی، جسے ہندوستان میں ”چھوٹی لین“  
کہتے ہیں، بسم اللہ ماشاء اللہ ولا حولہ ولا باء اللہ، سب اذخلفی مدخل صدق واخر حق  
مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطاناً نصیراً اللھم هذا امر مرسل فاجعل  
لی وقایۃ من الناس واماناً من العذاب سوء الحساب اللھم افع لی ابواب جنت  
واہنہ فقی من مزیاہ سواک صلی اللہ علیہ وسلم ما نہرت اولیاک واول  
طاعتک واخلصنی من الناس واغفر لی واسرہنی یا خیر مستول اسٹیشن میں جو  
سے کوئی میل بھر کے فاصلہ پر ہو گا، یہیں ترکون کی بنائی ہوئی ایک مسجد بھی ہے،  
جبکی سمت قبلہ کہا جاتا ہے، کہ بہت غلط واقع ہوئی ہے، اور اس لئے جماعت میں  
ترجمہ کھڑی ہوتی ہیں، سامان اٹھانے کے لئے مزدور بکثرت مل جاتے ہیں،

ضعیفوں، غورتوں، بچوں، اور ناتوانوں کے لئے حیدر آبادی جھنگے کی قسم کی سوا بیان  
 بھی ملجاتی ہیں جنہیں یہاں کی زبان میں اعرابیان کہتے ہیں، امر دور ہوں یا سوا بیان  
 سب کی ابر تین پہلے سے چکا کر طے کر لینا ضروری ہے، ورنہ بعد کو خواہ مخواہ بد مزگی واقع  
 ہوتی ہے، اور جو مقام سنگستگی و افتقار کا ہے، وہاں خواہ مخواہ زبان بد زبانی  
 پر کھلتی ہے،

مکہ کے مسکون کی طرح، مدینہ میں بھی ایک پیشہ ورجاعت موجود ہے، جسکا کام  
 زائرؤں کے قیام کا بندوبست کرنا، اور انہیں آداب زیارت تلقین کرنا ہے، یہ لوگ  
 مزدور کہلاتے ہیں، ہندوستان کا ایک ایک شہر ہر ہر مزدور کے حصہ میں تقسیم ہے، اسی  
 شہر میں داخل ہونے سے پہلے ہی یہ سوال کر لیا جاتا ہے، کہ کس شہر سے آتے ہو، خود  
 مزدورین تو بہت کم آتے ہیں، البتہ ان کے کارندے اور ملازمین لازمی طور پر ہر قافلہ  
 کو ملتے ہیں، اور جو قافلہ جس شہر کا ہوتا ہے، اس کے قیام کا ذمہ دار اُس شہر کا مزدور  
 ہو جاتا ہے، زائرؤں اور مسافرؤں کے لئے عام طریقہ یہی ہے، ان کے علاوہ  
 ہندوستان کے بعض صاحب خیر رئیسوں کی طرف سے رباطیں بھی قائم ہیں مثلاً  
 رباط ٹونک، رباط بھوپال، رباط حیدر آباد، رباط ٹونک تک پہنچنا نہیں ہوا  
 لیکن اسکی تعریف سننے میں آئی، رباط بھوپال، حرم سے نصف فرلانگ کے فاصلہ  
 پر ہے اور عمارت گو بہت زیادہ وسیع نہیں، تاہم اچھی حالت میں ہے، اور تھوڑے  
 سے آدمی اس میں پوری آسائش کے ساتھ رہ سکتے ہیں، حیدر آباد کی طرف سے کم سے  
 کم دو عمارتیں ہیں، ایک رباط حسین بی کہلاتی ہے، اور دوسری کو مکان حسین بی

کہتے ہیں، اور شاید ان کے علاوہ بھی کوئی عمارت ہے، حسین بی کا مکان کو مختصر کر  
لیکن اچھی حالت میں ہے، حسین بی کی رباط گو بہت وسیع اور چومزلی عمارت ہے،  
لیکن بہت بوسیدہ اور مرست طلب حالت میں ہے، ان حیدر آبادی عمارتوں کے  
مہتمم شیخ جعفر داغستانی، ایک معقول و خوش اخلاق شخص ہیں جو مزوری بھی کہتے  
ہیں، ہم سب لوگوں کے ٹھہرنے کا انتظام، ریاست حیدر آباد کی طرف سے انھیں  
سرکاری عمارتوں میں ہو گیا تھا، اور ان داغستانی صاحب کے نام تعارف نامہ بھی  
اختریار جنگ بہادر معتمد امروہی ملک اکھیفہ نے دیدیا تھا،

بزرگوں نے فضل اور تحب اسکو بتایا ہے، کہ مدینہ طیبہ پہنچے ہی سب سے پہلے ہی  
روضہ اقدس پر حاضری دیجائے لیکن ایسے نصیب صرف خوش نصیبوں ہی کے ہوتے  
ہیں، یہاں انیس آدمیوں کا قافلہ ہمراہ تھا، جس میں اچھی خاصی تعداد بوڑھے مردوں  
اور بوڑھی عورتوں کی تھی، سب سے پہلی فکر قدرۃ ان کے ٹھہرنے اور سامان کے  
ٹھکانے لگانے کی ہوئی، بوڑھے اتر کر سامنے والی مسجد میں چار چار کتین نفل  
کی ٹڑھیں اور سامان احوال پر لا کر ہم لوگ پیادہ روانہ ہوئے، مقام کی اہمیت  
زبان کی اہمیت راستہ کی ناواقفیت بہر حال کچھ دیکے بعد پتہ لگاتے لگاتے مکان حسین بی تک  
پہنچے، داغستانی صاحب معلوم ہوا کہ نماز پڑھتے محرم گئے ہوئے ہیں، اور ابھی دس  
نہیں ہوئے ہیں، وہ خدا معلوم کتنی دیر میں واپس ہوں؟ عورتوں کو اتنی دیر کہاں  
بٹھایا جائے؟ خود اتنی دیر تک، عرب کی اس تیز و شدید دھوپ میں ٹھیکہ دوپہر  
کے وقت کہاں ٹھیکہ انتظار کیا جائے؟ یہی سوالات پیش نظر تھے کہ مکان کے کوٹھ



سے ایک صاحب نے میرا نام لیکر پکارا حیرت ہوئی کہ یہاں یہ کون شناسا کھل آئے، اتنے میں وہ صاحب اتر کر بیٹھے آئے تو معلوم ہوا کہ منشی امیر احمد صاحب علوی کا کوروی دڑپٹی مجھ پرٹ و ڈسٹرکٹ جینچ بھاؤنی، میں جو کئی ماہ قبل سے یہاں مقیم ہیں اس وقت انکا ملنا نعمت غیر مترقبہ تھا، خود وہاں تھے، مگر ہمارے میزبان بن گئے، منشی صاحب اردو کے ایک ممتاز ادیب اور اہل قلم ہیں، اور متعدد ادبی کتابوں کے مصنف، لیکن یہ کم گو کو معلوم ہو گا کہ محض "اہل قلم" نہیں "اہل دل" بھی ہیں، تھوڑی دیر میں صوبہ بہار کے ایک ہو میو پیٹیک ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب سے بھی ملاقات ہو گئی، جو ریاست حیدرآباد کی طرف سے دو سال سے خدمتِ حجاج کیلئے جازا رہے ہیں، انکی وسعتِ اخلاق نے ثابت کر دیا کہ مسافر نوازی میں صوبہ بہار کا قدم، صوبہ اودھ سے کچھ پیچھے نہیں، اتنے میں دفعتاً بھی آگئے، مولوی لطف اللہ صاحب موگیری کا پانچ آدمیوں کا قافلہ اسی مکان میں رہ گیا، اور ہم سولہ آدمی رباطِ حصین بی میں منتقل ہو گئے،

اس سارے اہتمام و انتظام میں ظہر کا وقت توجاہی چکا تھا عصر کا بھی اول وقت چلا گیا، اور یہ دونوں نمازیں جیسے حرمِ شریف میں پڑھنے کے گھری میں پڑھیں اب ڈر ہوا کہ کہیں خدا نخواستہ مغرب کا وقت بھی نہ چلا جائے، جلدی جلدی محنت بنوئی، غسل کیا، کپڑے بدلے اور حرمِ شریف کی حاضری کی فکر ہوئی، جسم ان تیار یوں میں مصروف، لیکن دل کس حالت میں؟ آدابِ زیارت کے جتنے رسالے نظر سے گزرے یہ سب میں لکھا ہوا ملاکہ غسل کرے، خوشبو لگائے، کپڑے نئے پہنے، لیکن یہ کوئی نہیں بتاتا کہ دل کو کیونکر قابو میں کیا جائے؟ اس وقت اپنے دل کا کیا حال ہوتا تھا؟

خوش ہو رہا ہے؟ مغموم ہے؟ حیرت طاری ہے؟ ہیبت سے دھڑک رہا ہے؟ شوق سے اچھل  
 رہا ہے؟ آخر کیا ہے؟ — کون بتلائے؟ اور بتلانے کے لئے الفاظ کہاں سے  
 لائے؟ زبان، گوشت اور پوست کی بنی ہوئی زبان، زبان گفتگو کی ترجمانی کر سکتی ہے  
 لیکن دل کی ترجمانی کیلئے تو دل ہی کی زبان چلیے گا غزل کے نقوش اور سیاہی کے حروف  
 میں خدا را کیونکر متھیل کیا جائے، ع  
 کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟



## باب ۱۰

### آستانہ نبوت

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا، یہ کسی فقیہ کا اجتہاد نہیں جس پر رد و قدح کی گنجائش ہو، کسی بزرگ کا کشف نہیں، حسین غلطی اور دھوکے کا احتمال ہو کوئی روایت حدیث نہیں جس کے اسناد میں گفتگو ہو سکے، خدا سے پاک کے کلام کی ایک آیت ہر ارشاد ہوتا ہے کہ ”ان لوگوں نے جس وقت اپنے اوپر ظلم کئے تھے اسے پیغمبر اگر تمہارے پاس آگئے ہوتے، اور اللہ سے اپنے تصور کی معافی چاہتے، اور رسول بھی اُنکے حق میں معافی چاہتے تو پاتے اللہ کو معاف کرنے والا مہربان“ گویا گناہگاروں اور تباہ کاروں کو یہ حکم ملا ہے کہ اپنے پروردگار سے معافی طلب کریں، لیکن تمہارا اپنے گھروں پر بیٹھے ہوئے نہیں بلکہ رسول کی خدمت میں حاضر ہو کر، اور اُن سے بھی اپنے حق میں دعا کر، اظہار ہے کہ حکم کا براہ راست تعلق کسی ایسے گروہ سے ہے جو حضور انور کے زمانہ میں موجود تھا، خوش نصیب تھے وہ افراد جنہیں اس حکم پر عمل کی توفیق نصیب ہوئی، جو رسول کی خدمت میں حاضر ہوئے، جنہوں نے اللہ سے گنا گڑا گنا گڑا کر معافی مانگی، اور رسول نے جن کے حق میں سفارش فرمائی، لیکن آج اس چودھویں صدی میں امت کا کوئی فاسق

فاجر، بد عمل و نامہ سپاہ، اگر حکم جاؤ گت کی قیل کرنا چاہے، تو کیا اس کے لئے، اس سعادۂ  
وہدایت کا دروازہ، خدا خواستہ، قیامت تک کے لئے بالکل بند ہو چکا ہو؟ اور اسکی قسمت  
میں بحرِ مرمی و مایوسی کے اور کچھ نہیں؟

موسم گل جب چرخِ شخصیت ہو چکنا ہے، اور کوئی بوئے گل کا متوالا اکھلتا ہو، تو عرق  
گلاب کے شیشون اور قرابون کو غنیمت سمجھتا ہو، پھر اگر آج کوئی بوئے حبیب کا متوالا  
حکم جاؤ گت کی قیل میں، اپنے کو ہزاروں میل کے فاصلہ سے دیارِ حبیب تک پہنچاتا ہے  
اور اپنے مظالمِ نفس کی تلافی و عذر خواہی کے لئے اپنے ایمان اور اپنی بیعت کی تجدید کیلئے  
اپنی تباہ کاریوں پر پشیمانی و اشک افشانی کے لئے حبیب تک نہ سہی، آستانِ حبیب  
تک گرتا پڑتا جا پہنچتا ہو، تو کیا اس پر بدعت "و شرک" کا فتویٰ لگایا جائیگا؟ جہاں اللہ  
کے اس سب سے بڑے پرستار نے نمازوں پر نمازین پڑھیں، اور آخری نمازین پڑھیں  
جہاں بعد و عبود کے راز و نیاز، حیاتِ ناسوتی کی آخری سانس تک جاری رہے،  
جہاں ہیبت و خشیت سے لرزتے ہوئے گھٹنے خدا معلوم کتنی بار رکوع میں جھکے، جہاں  
ذوقِ عشق سے دکتی ہوئی پیشانی بار بار سجدہ میں گری، جہاں امت کے گنہگاروں  
اور سیرہ کاروں کے حق میں در و بھری دعاؤں کے لئے ہاتھ اٹھے اول لبہ لے جہاں  
ٹوٹی ہوئی آس والوں کی بیشمار مرتبہ تفسی کرائی گئی، جہاں آج وہ جسدِ اطہر آرام فرما  
ہے جس کے طفیل میں عرش بھی وجود میں آیا، اور کرسی بھی، کوئی بھی اور سلسلہ بھی۔  
— اس عظمت و جلالت والی اس برکت اور نورانیت والی زمین پر مقدس کمین  
کے مقدس مکان پر بھی جبینِ نیاز کو غم کرنا، اگر "شرک" ہے بدعت" ہے، تو خدا معلوم کسی

مقام اور کسی مکان پر بھی حاضر ہوتا کسی ائین توحید و سنت کے مطابق ہو سکتا ہو؟

حافظ ابن کثیر دمشقی، تیرہویں اور چودھویں صدی کے "مبتدع" نہ تھے، ساتویں اور آٹھویں صدی کے محدث تھے، اپنی تفسیر میں دس تفسیر میں جو ایک بار ہندوستان کے مشہور "موحد"، نواب صدیق حسن خان مرحوم کی تفسیر کے ساتھ شائع ہوئی تھی، اور اب نجد و حجاز کے مشہور "موحد" و سلطان ابن سعود کے حکم سے شائع ہوئی ہے، عتبی کی زبانی نقل فرماتے ہیں کہ میں رسول کی تربت مبارک کے قریب بیٹھا ہوا تھا کہ ایک اعرابی آیا، اور عرض کی یا رسول اللہ صلعم! میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَوَلَا نَعْلَمُ اَنْظَلَمُوا الْفَسْهَمَ جَاؤَتْ فَاَسْتَفْضَى وَاللّٰهُ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الْيَوْمَ لَوْ جِدَّ وَاللّٰهُ تَوَابًا سر جیسا، پس میں آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں، اپنے گناہوں پر مغفرت طلب کرتا ہوا اور اپنے پروردگار کے حضور میں آپ سے شفاعت کی درخواست کرتا ہوں، اس کے بعد منست میں دو شعر پڑھے، عتبی کہتے ہیں کہ اس کے بعد اعرابی تو وہاں سے ہٹ گیا اور مجھے نیند آگئی، نواب میں مجھے رسول اللہ صلعم کی زیارت ہوئی، اور آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اے اعرابی سے جا کر مل، اور اسے بشارت پہنچا دے کہ اللہ نے اس کی مغفرت کر دی (جلد ۲ صفحہ ۵۰ مطبوعہ المنار مصر ۱۳۳۲ھ) اور اسی سے ملتی جلتی ایک دوسری روایت ابوجان اندلسی نے بھی اپنی تفسیر بحر المحیط میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حوالہ سے نقل کی ہے (جلد ۳ صفحہ ۶۸۳ مطبوعہ مصر ۱۳۲۵ھ) یہ روایات اپنے تمام جزئیات و تفصیلات میں صحیح ہوں یا نہ ہوں، لیکن اتنا تو بہر حال نکلتا ہے کہ یہ "خوش عقیدگی" کوئی آج کی بدعت نہیں، بلکہ صدیوں پیشتر کے "موحدین" بھی اس مرض میں مبتلا

اس کے بعد اب اس بحث میں کیوں الجھنے کی نیت روضہ اقدس کی زیارت کی رکھنی چاہئے، یا مسجد نبویؐ کی؟ بہ انسان کی جدال پسند فطرت ہر سیدھی بات کو سیدھی بنادیتی ہے صاف اور سیدھی بات یہ ہے کہ مقصود خود حضورؐ انورؑ کی زیارت ہونی چاہئے، ظاہر ہے کہ اب مادی آنکھوں سے اس کا امکان نہیں، اس لئے مکان کے جس حصہ کو کمینے جس قدر زیادہ تعلق جس قدر زیادہ نسبت، جس قدر زیادہ قرب ہوگا، اسی قدر اس کی زیارت اہم تر و محبوب تر ہوگی، حجرہ عائشہ صدیقہؓ ہو یا مصلیٰ و منبر، جس سے کو بھی اتنا وفاتحار حاصل ہو، اسی بنا پر حاصل ہوا، کہ حضورؐ کی ذات سے اس کا تعلق تھا، اس میں نہ کسی کو نزاع ہے اور نہ کوئی وجہ نزاع ہے، اس کے آگے جو کچھ اختلاف ہے، وہ کسی اصول یا عقیدہ کا اختلاف نہیں، اپنے اپنے ذوق طبعی کا اختلاف ہے، بعض کی نظر میں کے ان مجتہدوں کی عظمت و تقدیس پر گئی ہو سید الانبیاء صلعم کے رکوع و سجود کیلئے مخصوص تھے اور اس لئے انھوں نے نیت زیارت میں مسجد نبویؐ کے احترام کو سب پر مقدم و بالا رکھا، اور بعض نے یہ خیال کیا کہ وہ شہیدوں اور صدیقیوں کا سردار جب اپنی حیات طیبہ کے ساتھ اس وقت بھی زندہ و قائم ہے، تو قدرۃً سب سے زیادہ شرف و احترام مٹی کی اس کھد کو حاصل ہے، جس کے اندر جسد اطہر آرام فرما ہے، اور اس سفر کا اعلیٰ مقصود اُس تربت پاک ہی کی زیارت رہے تو بہتر ہے، اور فقہاء حنفیہ نے غایت انصاف و اصابت رائے کے ساتھ یہ فیصلہ فرما دیا ہے، کہ زیارت تربت مبارک کے ساتھ ہی ساتھ زیارت مسجد نبویؐ کی نیت کو بھی جمع کر لیا جائے،

و زیارتہ قبر الشریف مندوبتہ علی قبر شریف کی زیارت تہب، بلکہ یہ قول بعض علما  
 قیل و اجبہ لمن سعتہ ..... کے واجب ہو، جبکہ استطاعت ہو.....  
 ..... و لیتموعدہ زیارتہ مسجد ۷ اور قبر شریف کی زیارت کے ساتھ چاہئے کہ  
 الشریف (در مختار) فاذا فی نوحی زیارتہ مسجد شریف کی زیارت کی بھی نیت کرے،  
 القبر فلیتموعدہ زیارتہ مسجد ۸  
 صلعم (عالمگیری)

مسجد نبویؐ اور روضہ مبارک الگ الگ عمارتوں کے نام نہیں، اور ایک  
 دوسرے سے جدا نہیں، مسجد کی عمارت بہت وسیع، شاندار، اور اس سے بھی کمین  
 بڑھ کر حسین جمیل ہے، اس سے بڑی بعض مسجدیں ہندوستان کے اندر موجود ہیں،  
 اور دوسرے ملکوں میں بھی یقیناً ہوں گی، لیکن حسن و جمال کے لحاظ سے خوبی و خوبی  
 کے لحاظ سے، زیبائی و دلکشی کے لحاظ سے پردہ زمین پر اس مسجد کا جواب نہیں پس  
 یہ جی چاہتا تھا کہ ہر وقت صحن میں بیٹھے ہوئے، عمارت مسجد کی طرف برابر نگاہ کی  
 لگی رہے، اللہ اللہ! کس محبوب کی سجد ہے، کیسے کیسے محبوبوں نے یہاں مانے ٹھیکے  
 پین، اینٹ اور پتھر، مٹی اور چونہ تک پر محبوبیت چھا کر رکھی ہے، مسجد کی پیمائش کا  
 دماغ کس کو، اور طول عرض کے جائزہ لینے کا ہوش کسے، لیکن بعض کتابوں میں  
 پڑھا ہے کہ موجودہ مسجد کا طول ۶۰۰ فٹ اور عرض ۸۰ فٹ ہے، قبلہ جنوب کے رخ  
 پر ہے، آگے پیچھے دس گیارہ دالان بنے ہوئے، بہترین نقش و نگار سے آراستہ ہیں  
 و زیبائش میں ایک سے ایک بڑھے ہوئے، اس کے بعد وسیع صحن، صحن کے دائرے

اور بائیں دونوں جانب صحن ہی کے برابر لائے لائے والاں، بائیں جانب ولے  
 والاں میں عورتوں کیسے جگہ مخصوص کلام پاک کی آیات بعض احادیث کے ٹکڑے،  
 اسماء الہی، اسماء رسول، اسماء صحابہ کبار، سب موقع موقع سے درو دیوار پر کندہ  
 بڑی محراب، محراب عثمانی کے نام سے موسوم حضرت خلیفہ ثالثؓ کی تعمیر کرائی ہوئی  
 سبز ٹھیک اسی جگہ پر رکھا ہوا، جہان عہد نبوت میں تھا، اسی منیر اور روشن مبارک  
 حجرہ عایشہ صدیقہؓ کا درمیانی حصہ، "روضہ جنت" کے نام سے، حدیث صحیح کی بنا پر  
 موسوم، اتنے رقبہ میں کوئی ڈھائی تین سو نمازیوں کی جگہ ہوگی، اسی حصہ میں  
 محراب البنی، اور مصطفیٰ بنی، یعنی وہ مقام جہاں سرکارؐ خود کھڑے ہو کر امت فرمایا  
 کرتے تھے، اصل مصطفیٰ ایک دیوار سے چھپا دیا گیا ہے، صرف اتنا حصہ کھلا ہوا ہے،  
 جہاں حضورؐ کے قدم مبارک ہوتے تھے، اس طرح اب ہر قسمت کا دعویٰ وہاں  
 کھڑے ہو کر نماز پڑھتا ہے، اُس کا سر قدرۃ و اضطرار حضورؐ کے آثار قدم پر جا کر  
 پڑتا ہے! اللہ اکبر! کیا شانِ جلال، کیا وسعتِ کرم ہے! خدا جانے کتنوں کی نجات اس  
 بہانہ سے ہو جاتی ہے!

عہد نبوت میں یہ تکلفات اور یہ وسعت کہاں تھی! مختصر سی زمین اور نام  
 سادگی، تو وسیع فاتح روم و ایران حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہوئی، پھر خاص  
 ترمیمات حضرت عثمانؓ غنی اور خلیفہ دلید نے کرائیں، موجودہ عمارت کی زینت و  
 خوشنوائی کا سہرا سلطان عبد الحمید خان مرحوم و منظور کے سر ہے، اقتدان سب  
 خدام حرم نبویؐ کو پورا اجر عطا فرمائے، اس وقت مسجد میں پانچ دروازے



ہیں، دو جانب مغرب، باب السلام اور باب الرحۃ، ایک جانب شمال بابت مجیدی  
سلطان عبدالجید خان کا تعمیر کرایا ہوا، اور دو جانب مشرق، باب النساء اور باب  
جبریل، صحن میں شرقی دالان سے ملا ہوا بستانِ فاطمہ تھا، کھجور کے چند شاہ داد  
درخت لگے ہوئے تھے، اور ان کے سایہ میں ایک کنواں تھا، جبکہ پانی شیرینی و لطف  
میں مشہور تھا، نجدی حکومت نے وہ درخت کھٹوا کر صاف کر دیئے ہیں، اور کنوئیں  
کو بند کر کے اس میں قفل ڈال دیا ہے، مسجد میں خدام پہلے سیکڑوں تھے، اب بہت  
گھٹ گئے ہیں، خواجہ سراؤں، (آغاؤں) کی جماعت پہلے بہت  
زی اختیار تھی، اب یہ لوگ بھی تعداد میں بہت کم رہ گئے ہیں، اور ان کے اختیار  
بھی بہت محدود ہو گئے ہیں، انکے بیٹھنے کا ایک وسیع چبوترہ باب جبریل اور  
باب النساء کے درمیان بنا ہوا، کہا جاتا ہے، کہ اصحابِ صفہ رضی اللہ عنہم اجماعاً  
بھی یہی چبوترہ تھا، مسجد کے ستونوں پر عہد نبویؐ کی مسجد کے حدود درج،

اسی مسجد کے گوشہ جنوب و مشرق میں دالانوں کے اندر، وہ سبز گنبد والا  
روضہ اقدس ہے، جس کی زمین بہ قول محدث جلیل، قاضی عیاض مالکیؒ کے بلا نزاع  
و اختلاف سارے روسے زمین سے بڑھکر ہے (فلا خلاف ان موضع قبرہ صلعم  
(فضل بقاء الاض) اور بہ قول ہمارے فقہار کے زمین، آسمان، کعبہ، عرش  
کرسی، سب سے افضل ہے، فمما ضم اعضاء الانبیاء فہو افضل بقاء الاض  
بالاجماع حتی من الکعبۃ ومن العرش (لہا لئلا نک) فانہ افضل مطلقاً  
حتی من الکعبۃ والعرش و لکنہی در مقام جس حصہ زمین کی پابست محققین

محدثین اور خشک فہار یہاں تک فرما جائیں، اس کے لئے جذبات کی زبان کا لفظ  
کہاں سے ڈھونڈ کر لائے؟ اور کسی نے خود جو کچھ دیکھا ہے، وہ اسے دوسروں کو  
کیونکر دکھائے؟ شاعر کی تخیل نے بڑی بلند پروازی کی تو یہ کہا کہ

انبساطِ عید دیدن روئے تو

عید گاہِ ماغربان کوئے تو

لیکن جس کی دیدِ رخ کو انبساطِ عید سے کوئی نسبت ہی نہ ہو، اور جس کی  
گلی پر ہزاروں عید گاہیں قربان ہوں، اُس کے بیان کرنے کے لئے دنیا کی  
کس زبان سے الفاظ تلاش کر کے لائے جائیں، اور کس اہل زبان کی زبان سے  
امداد و اعانت کی التجا کی جائے؟

ہر کجا بوسہ رنے باشد چوماہ      جنت ست آن گرچہ باشد قعر چاہ

ہر کجا دلبر بود خرم نشین      فوق گردن ست نے قعر زین

خوشتر از ہر دو جہان آنجا بود      کہ مرا با تو سر و سودا بود

یہ تو سب کو معلوم ہے، کہ حضورِ صلعم نے بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ہجرتِ مدینہ سے  
سفرِ آخرت اختیار فرمایا تھا، اور جبہِ اطہرِ حسین سپردِ بچہ کیا گیا، پہلوئین، ادب کے  
ساتھ ذرا پائین کی طرت بٹے ہوئے، صدیق و فاروق دونوں وزیر بھی حسین آرام  
فرما رہے، ہجرتِ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس کے بعد سے بار بار تبدیلیاں ہوتی رہیں، یہاں تک  
کہ اب روضہ مبارک کوئی ۳۵، ۳۶ فٹ لابی، اور اس سے کچھ کم چوڑی عمارت  
ہو گئی، خانہ کعبہ سے متناظر رکھنے کے لئے اسے بالفقصد بجائے مرنے کے مستطیل

رکھا گیا ہے، سب سے پہلے چاروں طرف لوہے اور پتیل کی چالی یا جھنگے کی دیوار بن  
 ہیں، ان چالیوں کی دیواروں میں جنوب، مشرق، اور شمال کے رخ پر دروازے  
 بھی ہیں، مگر عام لوگوں کے لئے ہمیشہ بند ہی رہتے ہیں، خاص خاص موقعوں پر  
 خدام وغیرہ کے لئے کوئی دروازہ کھلتا ہے، چالیوں کے اندر سیدہ بھری ہوئی گہری بنیادوں  
 کے اوپر ایک مضبوط بختہ چار دیواری تھی جو حجرہ صدیقہ کو پوری طرح گھیرے ہوئے ہے،  
 اور جس میں کوئی دروازہ نہیں، اس عمارت پر غلاف پڑا ہوا ہے، اور گیند خضر اسی عمارت  
 کے اوپر ہے، اس کے اندر اصل حجرہ صدیقہ ہے، جو عبد نبویؑ میں خام تھا، بعد کو بختہ  
 کر دیا گیا، یہ بھی ہر طرف سے بند ہے، چالیوں والی چار دیواری کے اوپر کے حصہ میں  
 بھی خوشنما سبز غلاف ترکوں کے زمانہ کا اب تک پڑا ہوا ہے، مدینہ سے کعبہ سمت جنوب  
 میں ہے، اس لئے روضہ اطہر کا، جسے صدر دروازہ سمجھا جاتا ہے وہ جنوب رخ ہے، اور  
 یہی مواجہہ شریف کہلاتا ہے، اسی عمارت کے اندر حجرہ صدیقہ سے ملا ہوا ایک اور  
 حجرہ بھی ہے، جس کے اندر ایک مزار سنا بنا معلوم ہوتا ہے، کہا جاتا ہے کہ حضرت فاطمہؑ زہرا  
 نے یہیں وفات پائی ہے، اور مزار کی بابت ایک روایت یہ ہے کہ انھیں سیدہ خاتون  
 جنت کا ہے، اور بعض روایات یوں مشہور ہیں، کہ یہ کوئی دوسری بی بی حضرت زہراؑ  
 کی ہمنام تھیں، ————— مدینہ پہنچتے ہی تربت پٹی تو یہ بے قراری تھی تو اس کی  
 کہ جب درجہ بھی ممکن ہوا، اس آستان پاک تک پہنچے، لیکن اس ذوق و شوق، اس  
 طلبِ تمنا کے باوجود یہ کیا ہے کہ بہت کے قدم ڈنگائے جا رہے ہیں، اور ارادہ ہے کہ ہم  
 جم کر ٹوٹتا ہے اور ٹوٹ ٹوٹ کر جتا ہے، اٹھی یہ آخر کیا اسرار ہے!

## باب (۱۱)

### گنبد خضرا

طور کی چوٹیاں جس وقت کسی کی تجلیات جمالی کی جلوہ گاہ بنے، لیکن، تو پاکون کے پاک اور دلیروں کے دلیر ہوسے کلیتم تک تاب نہ لاسکے، اور اللہ کی کتاب گواہ ہو کہ کچھ دیر کے لئے ہوش و حواس رخصت ہو گئے، معراج کی شب، جب کسی کا جال بے نقاب ہوئے لگا، تو روایات میں آتا ہے کہ اس وقت وہ عیدِ کامل، جو فرشتوں سے بھی بڑھ کر مضبوط دل اور قوی ارادہ کا پیدا کیا گیا تھا، اپنی تنہائی کو محسوس کرنے لگا، اور ضرورت ہوئی کہ رفیقِ غار رضی اللہ عنہ کا تشل سانس لاکر آب و گل کے بنے ہوئے پیکرِ نور کی تسلی کا سامان کیا جائے۔ یہ سرگزشتِ انگی تھی، جو قدوسیوں سے بڑھ کر پاک، اور نورانیوں سے بڑھ کر لطیف تھے، پھر وہ مشت خاک جو ہمہ کثافت اور ہمہ غلاظت ہو، جب کا ظاہر بھی گندہ اور باطن بھی گندہ اگر وہ رسولِ صلعم کی مسجدِ اقدس میں قدم رکھتے ہچکچا رہا ہو، اگر اسکا قدم رسول کے روضہ النور کی طرف پڑھتے ہوئے لڑکھڑا رہا ہو، اگر اسکی ہمت رحمت و جلال کی بسے بڑی تجلی گاہ میں قدم رکھنے سے جواب دے رہی ہو، اگر اسکا دل اس وقت اپنی بیچارگی و درماندگی کے احساس سے پانی پانی ہوا جا رہا ہو، تو اس پر حیرت

کیون کیجئے خلافت تو قیام کیون سمجھیے اور خدا کے لئے اس ناکارہ و آوارہ، بیچارہ  
و در ماندہ کے اس حال زاد کی منہی کیون اڑائیے؟

منبر کی اذان میں چند منٹ باقی تھو کہ قنوت کی یاد دہانی باب اللہ کے مقفل ایٹنڈی بزرگ مولانا  
سید محمد جعفر فیض آبادی نے لکھنؤ میں پہنچا یا موصوف حضرت مولانا حسین صاحب مدظلہ (جانشین حضرت  
شیخ اھلہ علیہ الرحمہ) کے حقیقی بھائی ہیں، (قلم بچلار ہا ہر کہ اگر نکو بڑا لکھے، تو انھیں  
”چھوٹا“ کیونکر کہے؟) ۲۰۵۱ سال سے اپنے شہر کو ترک کئے ہوئے دیار رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں  
حاضر ہیں، اور وطن کے ساتھ ہی یاد وطن کو بھی ترک کر چکے ہیں، مولانا لکھنؤ ہی  
سے بیت و اجازت ہو، اور مردوں کے مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی  
کے چشمہ فیض سے سیراب صبح سے لیکر رات تک ہر وقت خدمت خلق میں مشغول  
ایشاد و استناب، بے نفسی و خود فراموشی تو واضح و فروتنی کا ایک کامل نمونہ ہندوستان  
میں دیکھا تھا، اور دوسرا نمونہ اللہ نے اس مقدس سرزمین پر بیونچے ہی دکھایا  
جلدی جلدی تعارف ہوا، اور فوراً اذان کی آواز فضا میں گونجنے لگی، ایک انا  
مصرعہ ذہن میں پڑا ہوا تھا، ص

تو من چلا ہے کجہ کو اک پارسا کیٹا!

حکیم مومن خان تو شاعری کی دنیا میں چلے تھے، یہاں چلنا خیالی دنیا میں  
نہیں، علمی دنیا میں تھا، اور حاضری ”بیت خلیل“ میں نہیں ”بیت حبیب“ میں دینی  
تھی، اس گھڑی ایک ”پارسا“ کی دستگیری و رہنمائی غنیمت نہیں تمت تھی، دھوکا  
ہوا دل کچھ تھا، اور ڈنگلاتے ہوئے پیر کسی قدر سنبھلے اور اذان کی آواز ختم

ہوئی اور قدم دروازہ سے باہر نکالے، مکان سے حرم کے داخلہ کا دروازہ باب جبریل  
 اگر چند فٹ نہیں، تو چند گز پر ہو، اتنا فاصلہ بھی خدا معلوم کے منٹ میں طے ہوا، اس وقت  
 نہ وقت کا احساس نہ فاصلہ کا ادراک نہ "زمان" کی خبر نہ "مکان" کی!

کہتے ہیں کہ داخلہ باب جبریل ہی سے افضل ہے، یہ افضلیت بلا قصد خود بخود  
 حاصل ہو گئی، حرم کے اندر قدم رکھتے ہوئے یہ دعا پڑھی جاتی ہو، اللھم ارفع لی الجنا  
 رہمتک وفضلک وامنہ من حق من یا ساقۃ، رسولک صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ  
 اولیاءک و اغفر لی وامنہ من حق من یا سحر الہامین، لیکن پہلی مرتبہ قدم رکھتے وقت  
 ہوش وحواس ہی کب درست تھے، جو یہ دعایا کوئی اور خاص دعا، قصد و ارادہ  
 کر کے پڑھی جاتی، ایک ربودگی، بغیری، اور نیم بے ہوشی کی حالت میں معمولی  
 درود شریف کے الفاظ تو محض حفظ کی بنا پر، بلا قصد و ارادہ زبان سے ادا  
 ہوتے رہے، باقی بس ہوش آیا، تو دیکھا کہ نماز کو شروع ہوئے، دو چار منٹ ہو چکے  
 ہیں، اور امام پہلی رکعت کی قرأت ختم کر کے رکوع میں جا رہے ہیں، جھپٹ کر  
 جماعت میں شرکت کی اور جون توں کر کے نماز ختم کی، یہ پہلی نماز وہاں ادا ہو رہی  
 ہے، جہان کی ایک ایک نماز، پانچ پانچ سو اور ہزار ہزار نمازوں کے برابر  
 ہے، اللہ اللہ! شان کریمی اور بندہ نوازی کے حوصلے دیکھنا! کس کو کیا کیا مانجے  
 عطا ہو رہے ہیں!

اس مرتبہ کو دیکھئے، اور بکو دیکھئے!

وقت نماز مغرب کا تھا، اور مغرب کی نماز سورج ڈوبنے پر پڑھی جاتی ہے،

لیکن جبکی نصیب وری کا آفتاب عین اسی وقت "طلوع" ہو رہا ہو جس کی سر بلندیوں  
اور سر افزائیوں کی "فجر" عین اس وقت ہو رہی ہو، کیا وہ بھی اس وقت کو، مغرب  
ہی کا وقت کہتا اور سمجھتا رہے؟

بیچے، نماز ختم ہوگئی، فرض ختم ہوگئے، ستین ختم ہوگئیں، اور روضہ الطہر کے دروازہ  
پر ہر طرف سے صلوٰۃ و سلام کی آوازیں آنے لگیں، اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يَكُونُونَ عَلٰی  
النَّبِيِّ اِيَّاهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا، جس پر اللہ خود درود  
بیچے، اللہ کے فرشتے درود بھیجتے رہیں، اس کے آستانہ پر بندوں کے صلوٰۃ و سلام  
کی کیا کمی ہو سکتی ہے، الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ يَا سَيِّدَ الْمُرْسَلِیْنَ، الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ  
عَلَیْكَ يَا نَبِیَّ اللّٰهِ، الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ يَا سَيِّدَ الْمُرْسَلِیْنَ، الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ  
عَلَیْكَ يَا رَحْمَتَ الْعَالَمِیْنَ، الصَّلَامُ عَلَیْكَ اِيَّاهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُہَا  
اشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، (آج "غائب" کا صیغہ سرے  
سے غائب ہے، حضور کی وقت بھی غیبت کے آداب ملحوظ رکھنا کیسی کھلی ہوئی  
پرہیزی ہے) و اشہد انک عبدہ و رسولہ و اشہد انک قد بلغت سائر  
حدا دیت الامانة و نصحت الامة و کشف الغتہ و جاهدت فی اللہ  
حق جہادہ، یا رسول اللہ انی اسألت الشفاعة و اقول بک انی اللہ  
تعالیٰ! ہر طرف آوازیں ہیں تو یہی، ہر سمت صدائیں ہیں تو ایسی ہی، جیسے دیکھتے  
مواہمہ شریف کی طرف کھنچا چلا آ رہا ہو، اس وقت رُخ قبلہ کی جانب نہیں پتھر  
سے تعمیر کئے ہوئے کعبہ کی جانب نہیں، بلکہ اس کے در اقدس کی جانب ہے ہو





کے الفاظ یاد پڑتے ہیں، نہ ملا جاسی کی کوئی تحت خیال میں آتی ہو، چلتے وقت تو دل میں کیا کیا ولولہ اور کیے کیے حوصلہ تھے، لیکن اس وقت سارے منصوبے یکدم غلط، سارے حوصلے اور ولولے یک لمحہ غائب ہلے دس کے جو کچھ یاد پڑ رہا ہو، وہ محض کافور کی بعض سورتیں، اور آیتیں ہیں، یا پھر یہی عام و معمولی درود شریف، اور زبان ہر کہ بے سوچے تجھے بغیر غور و فکر کے، انہیں الفاظ کو رستے ہوئے سبق کی طرح، اضطراب اور ہراس جلی جا رہی ہو! ع

### نظارہ رحمنیہ پر مرگان مغلہ اڑا

جالیوں کے تین طرف سودی سپاہیوں کا پہرہ رہتا ہے، چوتھی طرف یعنی شمالی سمت سے جالیوں تک پہنچنے کا کوئی آسان راستہ نہیں، مسجد نبوی کے دروازے آخر وقت تہجد سے لیکر بعد نماز عشاء تک کھلے رہتے ہیں، اس درمیان میں پہرے برابر لگے رہتے ہیں، جنوبی سمت میں، جدھر مواجہ شریف ہے، پہرہ کا اہتمام زیادہ رہتا ہے، چار سپاہی ہر وقت تعینات رہتے ہیں، زیارت کی عام اجازت بھی صرف اسی رخ سے ہے، مغربی جانب، بالین مبارک ہے، ادھر سے زیارت کی اجازت نہیں (منا ہے کہ کسی زمانہ میں شیعوں کو زیارت کی اجازت اسی رخ سے تھی) مشرقی جانب پائین مبارک ہے، اور باب جبریل سے داخل ہونے کے بعد مواجہ شریف تک پہنچنے کا راستہ اسی طرف سے ہے، ادھر سے بھی زیارت کی عام اجازت نہیں، لیکن سپاہی بھی مختلف مزاجوں اور طبیعتوں کے ہوتے ہیں، اکثر ایسے تہذیب مزاج، متشدد اور شرقی القلب، کہ دھکے دیتے ہیں انہیں باک نہیں، بید مار بیٹھتے ہیں انہیں تامل نہیں، عورتوں کو

پکڑ پکڑ کر گھسیٹنے اور ڈھکیلنے میں انھیں دریں نہیں، کوئی کوئی اس کے برعکس، ایسے نرم دل اور روادار، کہ زائرین کو ہر طرح کی بے ضابطگی اور قانون شکنی کرتے دیکھتے اور کچھ نہ بولتے، بلکہ سر جھکا کر کلام مجید پڑھنے لگتے، بعض ایسے بھی دیکھنے میں آئے جو زائر کی معمولی داد و دہش کے بعد پتھر سے موم ہو جاتے، اسپاہیوں کے علاوہ، اور شاید ان کی گزرائی کے لئے بھی، دو چار آدمی محکمہ امر بالمعروف کے بھی بید یا پھڑی ہاتھ میں لئے ٹپکتے رہتے ہیں، اور شریعت حقہ نجدیہ کا نفاذ اس حرم محترم کے حدود کے اندر، زبان اور ہاتھ دونوں سے پوری قوت کے ساتھ کرتے رہتے ہیں!

مواہمہ شریف، مشتاقان زیارت سے خالی تو کسی وقت نہیں ہوتا، البتہ پانچ نمازوں کے بعد زیارت کے اوقات باضابطہ مقرر ہیں، قدرۃ ان اوقات میں زائر چلیقلش ہوتی ہے، اور بعض اوقات اتنا ہجوم ہو جاتا ہے، کہ جو لوگ مسجد کے اندرونی دروازے میں محراب عثمانی کے آس پاس بہنوں و نوافل میں کچھ دیر مشغول رہنا چاہتے ہیں، ان کے لئے قطعاً کوئی موقع نہیں باقی رہ جاتا ہے، بلکہ بعض اوقات تو وہ پیتے پیتے بچ جاتے ہیں! زیارت عوام مزوڑوں کی پیشہ ورجاعت کراتی ہے، اور زیارت کا عالم ظہر یہ ہے، کہ مواہمہ مبارک کے سامنے ہر مزوڑ اپنے اپنے گروہ زائرین کو لاکھڑا کرتا ہے، اور بآواز بلند صلوٰۃ و سلام پڑھتا جاتا ہے، اور زائرین اسی کے الفاظ کو دہراتے جاتے ہیں، یہاں تک کہ مسجد ان آوازوں سے گونج جاتی ہے، اور جن کو یہ واضح و قطعی حکم ملا تھا کہ لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت البئی (نبی کی آواز سے اپنی آواز کو بلند نہ کرو) وہ مواہمہ میں حاضر ہو کر اپنے حلق کی پوری طاقت قوت کیساتھ بے تحاشی چخنے

لگتے ہیں، اور اُس کو اپنے نزدیک کمال عقیدت و منہاسے سے تسلیم سمجھتے ہیں؛

خرد کا نام جنون پڑ گیا، جنون کا خرد!

باہر کے آئے ہوئے زائرین بھاریے تو فی الجملہ ادب و ملحوظ رکھ لیتے ہیں، اول  
بہر حال ڈرتے ہی رہتے ہیں، نڈر ہو کر غضب تو زیارت کرانے والے بزرگ کرتے ہیں  
جبکہ ہمیشہ ہی زیارت کرنا ہی، اور جو مدتوں سے اس پاک سرزمین میں آباد ہیں!  
ان کے لئے نہ اس کی ضرورت، کہ اپنی آوازوں کو پست اور نظروں کو نیچا رکھیں  
نہ اس کی حاجت کہ روضہ اقدس کے عین پائین میں کھڑے ہو کر زائروں سے  
تہرم کی "معاملت" اور وہ بھی آداب شریعت کے ساتھ نہیں، بلکہ لوازم "معاملت"  
کے ساتھ طے فرمانے سے محترز رہیں، اور نہ ان کے علاوہ دوسرے آداب مسجد خصوصاً  
آداب مسجد نبویؐ کے لحاظ و احترام کی ضرورت! ان کے لئے یہ بالکل کافی ہے کہ  
یہ "حیران رسولؐ" ہیں، اور اذنیات رسول صلعمؐ جو ہزار ہا میل کے فاصلہ سے آئے ہوئے  
ہوتے ہیں، ان کے ساتھ انکا ہر سلوک جائز، اور ہر برتاؤ درست!

سرگروہ عاشقان حضرت اویس قرنیؓ کی بابت بعض اکابر صوفیہ سے نقل  
ہے کہ جب آپ زیارت مدینہ کو حاضر ہوئے، آستانِ حرم (بابِ جبریل) تک پہنچے  
ہی تھے، کہ کسی نے کہدیا کہ "دیکھئے وہ سامنے رسول اللہ صلعمؐ کا مرقہ ہے" یہ سننا تھا  
کہ غش کھا کر گر پڑے، اور جب ہوش آیا، تو کہا مجھے ابھی واپس لے چلو، جس شہر میں  
بجائے حبیب کے تربت حبیب موجود ہو وہاں میں ایک لمحہ بھی نہیں ٹھہر سکتا،

لے احیاء العلوم غزالی،

ادیس سے بڑھکر عاشق و شیدا ادیس سے بڑھکر عشق و محبت میں غرق، ادیس سے  
 بڑھکر مخنون و دیوانہ اور کون ہوا ہے؟ اس عشق کے ساتھ یہ کائنات ادب، یہ کمال احترام  
 یہ پاس عظمت ابھر اگر آج حرم رسول صلعم ہیں، مسجد رسول صلعم ہیں، روضہ رسول صلعم ہیں  
 کوئی شریعت رسول صلعم، کی تعمیر ہوئے ہیں، دیکھ حقوق رسول صلعم کو پامال ہوتے ہوئے باطلی آداب  
 رسول صلعم سے بیزاری پھیلی ہوئی پائے، تو عشق و محبت کے مدعو! خدا را بتاؤ کہ کیا کیا  
 جائے؟ خوشی خوشی گو، را کر لیا جائے؟ ٹوکنے کی قوت و استطاعت رکھتے ہوئے  
 محض تقدیر الہی کے حوالہ کر دیا جائے؟ یا خوش عقیدگی کے معنی یہ فرض کر لئے جان  
 کہ سیاہ سفید ہے، اور سفید سیاہ؟ صحابہؓ نے، تابعین نے، مجتہدین فقہ نے، محدثین  
 اکابر صوفیہ نے، کسی نے خوش عقیدگی کے معنی لیے ہیں؟ روم کا عارف کمال تو  
 اپنی شنوئی میں یہ کہہ گیا کہ جب "امر حق" مل جائے، تو "نقش حق" کو بھی توڑ ڈالو،  
 اور "شیشہ یار" کو "سنگ یار" سے چکنا چور کر کے رکھ دو، پھر کیا یہ کہا جائیگا کہ عارف  
 روٹی بھی آداب عشق و محبت سے بیخبر تھا؟

## نوشقی باب (۱۱)

مرد کو قوت و لے کا، نابینا کو آنکھوں و لے کا، گنگار کو متقی کا سہارا اگر ملتا  
 ہے، تو بڑا سہارا ملتا ہے، مدیر سچ نے اپنے مضمون "سفر حجاز" کے ذیل میں لکھا تھا کہ سچ  
 بنوئی میں لوگوں کو موافق شریعت کے رویہ و مباحی کے ساتھ جاتے ہوئے اور چلاتے  
 ہوئے دیکھ کر کلیف ہوتی تھی، اس کے شایع ہونے کے چند ہی روز بعد، مولانا

لے نقش حق را ہم یہ امر حق شناسن      برز جاہل دوست سنگ دوست زن

عاشق الہی صاحب میرٹھی (مترجم القرآن) نے اپنی تازہ تالیف تذکرۃ اخیس  
لطف فرمائی، جو مولانا خلیل احمد صاحب المیٹھوی قدس سرہ (شائع ابوداؤد و ناظم  
مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور) کے حالات میں ہر مولانا شریعت و طہارت کے جامع  
ایک سلم بزرگ تھے، ان کے حالات میں حسن اتفاق سے ذیل کی عبارت نظر آئی  
جو مجسمہ نقل کر دیجاتی ہے:-

”استاذ محمدیہ پر حاضری کے وقت حضرت کی عجیب کیفیت ہوتی تھی، آواز نکھنا تو کیا موابہ  
شریعت کے قریب یا متقابل بھی آپ کھڑے نہیں ہوتے تھے، خوفزدہ مودبانہ دیے پاؤں  
آتے اور جرم و قیدی کی طرح دور کھڑے ہوتے، یہ کمال خشوع و صلوة و سلام عرض کرتے  
اور پٹے آتے تھے، زائرین جو بے باکانہ اونچی آواز سے صلوة و سلام پڑھتے اس سے آپ کو  
بہت تکلیف ہوتی، اور فرمایا کرتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حیات میں، اور ایسی آواز سے سلام  
عرض کرنا ہے ادبی اور آپ کی ایذا کا سبب ہو،

لہذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہیے، اور یہ بھی فرمایا، کہ مسجد نبویؐ کی حد میں  
کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے، اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں“

(ص ۲۶۰)

## باب ۱۲،

### زیارت اور آداب زیارت

توحید کا مسئلہ ایک صاف اور سیدھا مسئلہ ہے، لیکن دہریوں اور مخدوں  
 ہی نے نہیں، خدا پرستی کے دعویداروں نے بھی عجیب عجیب شگوفہ کاریاں کر رکھی  
 ہیں، اسی طرح بارگاہِ رسالت کے ادلے حقوق کے معاملہ میں انکار کرنے والوں کا  
 نہیں، اقرار کرنے والوں کے دماغوں نے عجیب عجیب مناسطے کھائے ہیں لوگوں  
 کے کانوں میں کہیں سے ایک لفظ ”محبت“ کا پڑ گیا، بس پھر کیا تھا، اسکی آڑ میں  
 ہر حرام، حلال تھا، اور ہر عیب، ہنس بکرا رہا، ذرا نہیں سوچتے اور دیکھتے کہ محبت  
 اپنی کتنی بیشمار مختلف صورتوں اور قابضوں میں اپنے گرد پیش ہر وقت ظاہر  
 ہوتی رہتی ہے، بیوی کی محبت کی شکل اور ہوتی ہے، اولاد کی محبت کی صورت ہے  
 اولاد سے جس قسم کی محبت کیجاتی ہے، کون شخص ہوش و حواس درست رکھ کر  
 اپنے مان باپ سے اُسی طرح کی محبت کرے گا، پھر خود اولاد کی محبت کا یہ حال  
 ہے، کہ بچہ جب تک چھوٹا ہے، اُسے گود میں لیا جاتا ہے، اُسے گدگدایا جاتا ہے، اُس کے  
 ساتھ کھیلا جاتا ہے، اور جب سیانا سمجھدار ہوا تو اس کیساتھ اب وقاعدہ برتا جانے  
 لگا، اور ادب کے ساتھ محبت کا برتاؤ بالکل ہی دوسرے انداز کا ہونے لگا

اب اگر کوئی شخص اپنے بوڑھے ماں باپ کو اس طرح چھیڑنے لگد گدائے اگھلائے کر لے  
لگے، جس طرح اپنے چھوٹے کو کرنا بہت ہے، تو یہ اس کی "محبت" کی دلیل ہوگی یا انتہا جھوٹ  
اور کھلے ہوئے جنون اور دیوانگی کی؟

پھر رسول صلعم کا مرتبہ، تو باپ، ماں، بزرگ، استاد، مرشد، حاکم، غرض مخلوق کے  
ہر مرتبہ سے بڑا، اور رسول صلعم کا رشتہ ہر انسانی رشتہ سے اونچا ہے، اس کی شان میں  
اُس کے مرتبہ کے سجاد سے ادنیٰ فرد گزاشت بھی کیسے نظر انداز کیا جاسکتی ہے؟ اسکی اطاعت  
عین حق تعالیٰ کی اطاعت ہے، وَمَنْ يَطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اطَاعَ اللَّهَ اُس کی اطاعت  
کا حکم ایک دفعہ نہیں بار بار وارد ہوتا ہے، اطِيعُوا اللَّهَ واطِيعُوا الرَّسُولَ، اسکی  
پیروی کا صلہ اللہ کی محبوبیت ہے، فاتبعونی محببکم اللہ اُس کے مجلس کے آداب،  
تصریح و تاکید کے ساتھ، بار بار تعلیم کئے جاتے ہیں اس کے حضور میں آواز نہ بلند کرو،  
يَا ايُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا اصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ، ایسا نہ ہو کہ ایسی ناشتہ  
گستاخی سے سارے اعمال مٹا کر رہ جائیں، لَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ  
بِبَعْضٍ اِنَّ عَصَاكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ، اس مظہر نور خدا کے سامنے اپنی آوازوں  
کو مٹ رکھنا ہی بڑی پاکبازی اور دینداری ہے، اِنَّ الَّذِينَ يَعْضُونَ اَصْوَاتَهُمْ  
عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ اُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لَتَقْوٰی لَهُمْ مَغْصَرَةٌ وَّاجِبٌ  
عَظِيمٌ، حجرِ دُن کے باہر سے آواز دے دیکر پکارنا شدید بد عقلی ہے، اِنَّ الَّذِينَ يَنَادُوْكَ  
مِنْ دُوْنِ الْحَجَرِ اِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ، رسول صلعم کو اس طرح پکارنا جس طرح  
عام لوگوں کو پکارا جاتا ہے، مَنعُوعٌ، لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا

رسول صلعم کے حقوق کا اور کسی اور کے حقوق کا مقابلہ نہیں ہو من کی نظر میں رسول کا مرتبہ اپنے جان و دل سے بھی بڑھ کر ہوتا ہے، البنی ادلی بالہومنین من اھنھم، جسکی مجلس کے آداب کا مخلوق کو نہیں خالق کو، بندوں کو نہیں پروردگار کو یہ اہتمام ہو جس کے دربار میں حاضری کے یہ قواعد و ضوابط اس تفصیل کے ساتھ ہمیشہ کیلئے اور ہر آنے والی قوم کی ہدایت کے لئے قرآن مجید میں محفوظ کر دیئے گئے ہوں اس کے آستانہ پر درود و راز سے اگر حاضری دینے والے امتی اگر اپنی نادانی اور بے تجربی سے ان بندے ہوئے قاعدوں اور ضابطوں کو توڑیں، اور اس ربانی دستور لعل کی جگہ اپنے ایجاد کئے ہوئے طریقوں کو رواج دینے لگیں، تو بحر اس کے کہ انکی کم کنھیں پر حسرت و تاسف کیا جائے اور کیا کیا جاسکتا ہے؟

فہمائے خفیہ رحمہ اللہ کی ہدایات، آداب زیارت روضہ انور کے سلسلہ میں بالکل صاف، صریح اور واضح ہیں، جنہیں کسی قسم کا اختلاف نہیں، علامہ رحمۃ اللہ سندھی، باب المناک میں، اور ان کے شارح ملا علی قاری، المنکالتوسط میں کہتے ہیں۔

ثم توجه بالقلب والقالب مع رعاية غاية الادب تجاه الوجه الشريف متواضعا خاضعا شاعرا مع الله لا ككساة الخيشية والوقاس والعبية ولا افتقاس غاض الطرف مكفوف الجوارح فاسخ القلب واضطامينه الخ

پھر دل و جمہ دونوں کے حضور کے ساتھ غایتِ ادب ملحوظ رکھ کر موجد شریفین میں حاضر ہو، اس حال میں کہ تواضع، خضوع، خشوع، ذلت، انکسار، خستہ و قانہ بیت اور محتاجی اپنے اوپر طاری ہو، نظریں نیچی ہوں، اعضا سٹھے ہوئے ہوں، قلب کیسے ہو، داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر باندھے



شمالہ مستقبلہ للوجہ الکلیہ مستند  
للقلبۃ تجالہ مسماہ الفضلۃ علی  
نحوہ البعدۃ اذ سماع الاقل ای لانتہ  
لیس من شعاع آداب الا براسہ۔

ہوئے جو، چہرہ دوسے مبارک کے سامنے ہو، بیت  
قبلہ کی جانب ہو، اس ہیئت کے ساتھ چاندی  
کی کیل کے پاس آئے، اور تقریباً چار گز کے فاصلہ  
پر رہے اس سے زیادہ قریب نہ آئے، کہ اس  
قریب تر آنا آداب صاحبین میں داخل نہیں،

ادب کی جگہ ہے ہیئت کا مقام ہو، ناز نہیں، نیاز درکار ہو، ناز کرنے اور اترانے  
کا نہیں، لرزے اور تھرنے کا کام ہے، ہیئت، ادب، وقار، خشیت، سبکدوشی پر تمام فہمائے  
نے زور دیا ہے، اور سب سے زیادہ زور اس پر ہے کہ لپٹنا، چومنا، اس کے نالگ رہا، جالی  
مبارک کے قریب تک نہ جائے، بلکہ کمال ادب کے ساتھ کچھ فاصلہ ہی پر اپنے کو روکنے  
صاحب نسخہ القدر فرماتے ہیں:-

ثم یاتی القبر المشویف فیستقبل جدہ اکمل  
ولیتدبر البعدۃ علی نحوہ البعدۃ  
اذ سماع،

پھر قبر شریف کی طرف آئے، اُس کی دیوار کی طرف  
رخ اور قبلہ کی طرف پشت رکھے، اور کوئی  
چار گز کے فاصلہ پر رہے،

اور عالمگیر یہ مین ہے:-

ثم یدنو منہ ثلاثۃ اذ سماع او امر بعدۃ  
کلاید نو منہ اکثر من ذالک ولا یضع  
یدہ علی جدہ امر التوبۃ فهو راسب  
اعظم للمہمۃ یقف کما یقف فی الصلوۃ،

پھر قربت شریف سے بقدر تین یا چار گز کے قریب  
آئے لیکن اس سے زیادہ قریب نہ ہو، اور نہ  
اپنا ہاتھ دیوار پر رکھے، کہ یہی مقتضائے  
ہیئت ہے، اور اس طرح کھڑا رہے، جیسے  
ناز میں کھڑا ہوتا ہو،

اور مخطاوی، شرح در مختار میں ہے،

يد نو منه قد ثلثة اذ سح اذ اسرعت  
تربت سے بقدر تین یا چار گز کے قریب آجائے،  
کلايد نو اکثر من ذلک ولا یضع یدہ  
لیکن اس سے قریب تر نہ ہو اور نہ دیوار پر پار پر  
علی جد اس التوبۃ فہو اہیب عظم  
اپنا ہاتھ رکھے، کہ یہی ہیبت و عظمت مقام کا تقاضا ہے  
اور قنادی قاضی خان میں ہے:-

واذا اتی المدینۃ یستعد لمن یأمرہ قبر  
مدینہ پہونچ کر زیارت قبر نبی صلعم کے لئے آنا دہ ہوا  
والبنی صلعم بایہا بالسکینۃ والوقار  
وہاں حاضر ہوا ادب و احترام و ہیبت و عظمت کیساتھ  
والہیبۃ لا جلا لہ لانی محلہ سولہ  
کہ یہ مقام ہے رسول خدا صلعم کا اور نزول وحی  
اللہ صلعم مبہط الوحی و نزول الملائکۃ  
و نزول ملائکہ کا،

یہ نہ خیال گذرے کہ یہ احکام و ہدایات صریح خشک فقہاء کے ہیں، اہل محبت نے جو  
کچھ کہا ہے، پس وہ بالکل ہی ہے، بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہی فراگئے ہیں، شیخ عبدالحق محدث  
دہلوی سے بڑھ کر اہل دل اور اہل محبت کے گروہ میں اور کون ہوگا، مگر وہ فراموش تین  
ولا یضع یدہ علی جد اس الحظیرۃ ولا  
نہ اپنا ہاتھ روضہ مبارک کی دیوار پر رکھے نہ اسے  
یقبلہا فان ذالک و امثالہ من صنع  
بوسہ دے، اس لئے کہ یہ اور اسی قسم کی حرکتیں  
الجاہلین و لیس من سیرۃ السلف  
جاہلون کی باتیں ہیں، اور سلف صالحین کے  
الصالحین بل ید نو علی قد ثلثۃ  
معمولات میں نہیں، اور تین یا چار گز کے قافلہ  
اخر سح او اسرعت (ما ثبت بالسند)  
پر رہے،

اس اجمال کی تفصیل خود شیخ ہی کی زبان سے سن لیجئے:-

درازا پنچہ درو سیع و امکان بود و در ظاہر و باطن  
جہاں تک اپنے امکان و اختیار میں ہو، ظاہر

از خضوع وقار و ذلت و انکسار ذرہ نامی و باطنی ہر حیثیت سے اپنے میں خضوع وقار نگذار و بغیر آنکہ از سجود و ترمیم و جہ تبراب ذلت و انکسار پیدا کرنے کا کوئی دقیقہ اٹھانے و استلام و قبیل شباک شریف و امثال آن رکھے، البتہ سجدہ کرنے اور فرش زمین پر گونے آنکہ در شرع رخصت نہ کردہ اند و در نظر ظاہر اور جالی کو چومنے چاٹنے سے بچے نیز اسی بیان از قبیل ادب نماید اجتناب کنند، قبیل کی دوسری حرکتوں سے اس لئے کہ بلکہ یقین دانند کہ حقیقت ادب و رعایت شریعت میں ان کی اجازت نہیں، گو ظاہر میں اتباع و امثال امر آنحضرت صلیعہ وسلم و ہر چہ کی نظر میں یہ ادب معلوم ہوتا ہے یقین رکھنا نہ ازین باب است از توہم باطل است، چاہئے کہ حقیقت ادب نام ہی، آنحضرت صلیعہ وسلم کی (جذبہ القلوب، باب شانزدہم در آداب یار) پیروی و قبیل احکام کا اور جو کچھ اس کے علاوہ ہی وہ سب توہم باطل ہے،

سراج علماء دینین و صوفیہ کرام، حضرت امام غزالیؒ کا ارشاد ملاحظہ ہو۔  
 و لیس من اللہ ان یس الجہد  
 و لا ان یقبل بل الوقت من بعدا  
 للادب و الامرا ارجا العلم (سرور الحج باب ۲)  
 یہ سنون نہیں کہ دیوار دربار مبارک کو ہاتھ لگائے یا اسے بوسہ دے، بلکہ احترام کا تقاضا یہ ہے کہ دور ہی کھڑا رہے،

اور پھر چند ورق کے بعد:-

و اما سزا سزا رسول اللہ صلیعہ وسلم  
 ان تقف بین یدیه لئلا تضاعوا و تفرسا  
 میتسکما تفرسا و لا تقربا  
 من قبرہ الا کما کنت تقربا من  
 اور آنحضرت صلیعہ وسلم کی زیارت آپ کے سامنے کھڑے ہو کر اسی طرح کرنا چاہئے، جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں، آپ کی زیارت موت کے بعد اسی طرح کرو جیسے زندگی میں کرتے اور

شخصہ الکریم لوکان حیاء کما	آپ کی قبر مبارک کے قریب اُس سے زیادہ
لغت تری الحمة فی ان لا تمس	نہ چونا چاہئے، جتنا آپ کی حیات میں آپ کے
ولا قبلہ بل تقف من بعد ما علیہ	جسم پاک کو ہاتھ لگانے اور بوسہ دینے کو
ید یہ فکن اللک فاضل فان المس	سوداوب سمجھتے، بلکہ آپ کی طرف متوجہ کچھ فاضلہ
المقیل للمشاهد عادة المضامی	پرستے کھڑے رہتے، اس طرح ابھی کرنا چاہیئے اور فرشتوں
والیہود،	کرنا اور پورے دنیا کو نصاریٰ اور یہود کا شمار ہی

محدثین کے گرد وہ میں قاضی عیاض مالکی سے بڑھکر جلیل رسالت کے شیدائوں	
میں اور کون گزرا ہی، حقوق رسالت پر ان کی کتاب الشفاء سے جامع تر کوئی	
کتاب آج تک موجود نہ ہو سکی، اپنی اسی کتاب میں خود انھوں نے، اور انکی	
شرح میں ملا علی قاری نے جو کچھ فرمایا ہے، ذرا ایک نظر اس پر بھی فرمایا جائے،	
(وید نو) ای یقرب الی القبر فتر یا	قبر شریف کے نزدیک آئے، مگر اسی حد تک
بناست لادب (وسلم لا میس القبر)	ادب و تعظیم کے مناسب ہی، اور آپ پر سلام
وکن اجد اس قبة وشکلة جھرتے	بیچے، لیکن قبر کو ہاتھ نہ لگائے، اور یہی حکم قر
علیہ السلام دیدار لکھا یعنی	قبر شریف کی دیواروں اور جالیوں کا، اور نہ
لعدم ورود عن الصحابة اکھڑا	انھیں منہ سے چھوئے، اس لئے کہ صحابہ کرام
فلانہ اقرب الی مقام الادب	سے ایسا کرنا ثابت نہیں، اور اس لئے بھی
ولا ذالک من عادة المضامی	کہ ادب کا مقتضایا ہی ہے، نیز اس لئے کہ ایسا
علی ماقلہ العزالی دشتا جلد ۲ باب	کرنا نصاریٰ کا شعار ہے، جیسا کہ عزالی

رابع فصل فی حکم زیارت قبر و صلح | نے نقل کیا ہے،

غرض یہ کہ کوئی حقیقی و بانی، مقلد و غیر مقلد کا اختلافی مسئلہ نہیں، اہل سنت کے سارے اکابر اور تمام فرقے اس پر متفق ہیں، اور آداب زیارت پر جس کسی نے لکھا ہے، یہی لکھا ہے،

لیٹن عمل کی حالت؟ — آج کمان اور کس چیز میں مسلمانوں کا عمل اسلامی تعلیمات کے مطابق ہے، جو ایک اسی معاملہ میں مطابقت کی تلاش کی جائے، ہذا معلوم کتنے زائر، صبح سے شام تک ایسے آتے رہتے ہیں، جنہیں نہ ادب واسطہ نہ تمیز ہے، اور قارہ مکینہ و انکار و کنت کا ذکر نہیں، کتنے ایسے ہیں جو یا و صلاک نہیں ہوتے، ادب سے بیگانہ، آداب سے نا آشنا، سر اٹھائے قدم بڑھائے، اور وارزون میں داخل ہوئے، اور دوڑتے بھاگتے ہوئے حیرت سے آنکھیں پھاڑے چاروں طرف دیکھتے ہوئے، روضہ انور کی طرف دھاوا کے چلے آ رہے ہیں، اور پوچھتے ہی یہ جانتے ہیں، کہ جالیوں سے لپٹ جائیں، یا ان کے اندر گھس جائیں، اور سر سودی سپاہی کی نظر جو کی اور ادھر انھوں نے جالی پر ہاتھ اور منہ رکھ کر اندر کی طرف، بیباکی کے انداز اور حیرت کی نگاہوں کے ساتھ بھاگنا شروع کر دیا، اور سلام پڑھنے کے وقت تو جاہل مزدور کی رہنمائی میں اس مسجد طہرین، جہاں عمر فاروق زور سے بولتے ہوئے تھرتے تھے وہ شور اور ہنگامہ برپا ہوتا ہے، کہ نازیوں کو نماز پڑھنی، اور تلامذت کرنے والوں کو تلاوت کرنی دشوار ہو جاتی ہے، اور پھر مزدور کی زارون سے ”لین دین“ کی گفتگو — ان باتوں کا پڑھنا ناظرین کے لئے ناخوشگوار اور انکا لکھنا راقم کے لئے ناخوشگوار تر!

بہر حال جو نہ ہونا تھا، وہ ہوتا ہی، اور وہاں ہوتا ہی، جہاں ہرگز نہ ہونا چاہئے تھا،  
رحمت عالم کی شانِ رحمتہ للعالمین سب کے عیسویں پر پردہ ڈالے ہوئے ہے، اور جڑیں و  
رحیم ارب غفار، سب کے مالک اور سب کے پروردگار کی شانِ ستاری، نادان و زیان کا ہرگز  
و خطا کار، سب کو ہمت دیتے ہوئے ہے، دلو! و اخذ! اللہ الناس بما کسبوا اما  
ترک علی ظہرہا من دآبۃ،

لیکن ہزاروں کے اسی جمع میں اگر سیکڑوں نہیں تو میسون، ضرور ایسے ہوتے  
ہیں جو دل دے بھی ہوتے ہیں، اور آنکھوں دے بھی، جو دیکھتے ہیں کہ کس دربار میں  
حاضر ہیں، جو سمجھتے ہیں، اگر انکا نصیب انھیں کہاں سے آیا، انھیں دیکھیے، تو کبھی  
مواجد مبارک کے سامنے کبھی پائین میں، کبھی بالین کی طرف، کبھی مصلیٰ بنی پر، کبھی منبر  
نبویؐ کے قریب، کبھی ستونِ عایشہؓ کے متصل، کبھی ستونِ ابی بکرؓ کے گئے ہوئے، کبھی  
پاک مسجد کے کسی اور پاک گوشہ میں اپنے اور سٹے ہوئے، روتے اور گڑ گڑاتے ہوئے، ہنسنا  
میں مشغول ہیں، سجدہ میں پڑے ہوئے ہیں، رکوع میں جھکے ہوئے ہیں، تلاوت میں  
لگے ہوئے ہیں، اور دو خوانی میں، محو میں، تسبیح تہلیل میں غرق ہیں، اپنی خطائیں ایک ایک  
کر کے یاد آ رہی ہیں، اپنے گناہوں کی فرد کی ہر ہر سطر سامنے ہی، کسی کی رحمتِ بحساب کا  
حساب لگ رہا ہو، کسی کے کرم بے اندازہ کا اندازہ کیا جا رہا ہو، کسی کی شفاعت کا  
خیال اگر ٹوٹے ہوئے دل کو تسلی دیر رہا ہو، اپنے اور اپنے بزرگوں، عزیزوں  
و دوستوں کے حق میں دعائیں ہیں، امتِ اسلامیہ کے حق میں آہیں ہیں، افرادِ  
ہیں، پکاریں ہیں، دروندیان ہیں، بیقرار یان ہیں، غرض ہر صورت سے اپنی

عبدیت اور اپنی بندگی کا غم محمدؐ کے رب کے حضور میں محمدؐ کے بتائے ہوئے طریقہ کے  
 موافق پیش کیا جا رہا ہے، کون بتلائے کیا کیا مانگا جا رہا ہے، کیا کیا مل رہا ہے، دینے والے کے  
 کرم کی کوئی انتہا ہے؟ پھر آخر مانگنے والے کیون اپنی زبان میں روکین، اور کیون اپنے دل میں  
 کوئی حوصلہ کوئی ارمان باقی رہنے ہیں؟ دینے والا وہی تو ہے، جس نے ایک مانگنے والے سے  
 اس حاج کو دیکھ کر غصہ اور خفگی کے لہجہ میں نہیں پیار کے الفاظ میں اور محبت کی آواز میں "جی" یا  
 "اے کرم کار تھا، اللہ اکبر! حرص تو جب کیجاتی ہے جب ملنے سے پورا اطمینان نہیں ہوتا، بے پنا  
 دینے والے اور بے اندازہ کرم کو نپوٹے سے بھی جو کوئی اپنا سوال جاری رکھے، اسکی "حرص"  
 شفاعت اسکی "حرص" شفقت کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ دینے والا غیر محدود، اسکی فیاضیوں کا  
 اندازہ طاقت بشری سے باہر لیکن مانگنے والا تو غیر محدود نہیں، محدود، اور خدا نہیں انسان  
 ہی تھا، اس محدود اور تنہا ہی، اور بندہ اور بشر ہی کی "حرص" شفاعت و "حرص" شفقت کا کون  
 اندازہ لگا سکتا ہے؟ آج اور یہاں مانگنے والے اُسی حرص شفاعت، اُسی حرص علیکم بالموافق  
 روت الرحیم کا لقب پانے والے کے اسی ہیں، اُسی کے نام لیوا ہیں، اُسی کا کلمہ پڑھ کر  
 جینے والے اور اُسی کا نام لے لیکر مرنے والے ہیں، ان کی دعائیں، اور ان کی آرزوئیں  
 ————— اللہ اللہ! کس کی زبان میں قوت، اور کس کے قلم میں طاقت، جو اس  
 اجمال کی تفصیل، اور ان اشارات کی تشریح کر سکے!

## نوٹ متعلق باب (۱۲)

”مراسلہ“

### آداب زیارت نبویؐ

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، یا سیدی اہذا ما ارجو فی باب ادب انبیا علیہم السلام صلی اللہ علیہ وسلم (۱) سیدنا بلالؓ نے حضور (روحی خدہ) کو خواب میں دیکھا فرماتے ہیں کہ اے بلالؓ تو نے یہ کیسی جفا کی کہ ہمدی زیارت نہ کی، بلالؓ اسی وقت شام سے روانہ ہوئے اور دیر پہنچ کر جب روضہ اقدس پر حاضر ہوئے تو دوڑتے دوڑتے بیہوش ہوئے۔  
اور اپنا منہ مزار اقدس پر ملنے لگے، (حافظ ابن عساکر عن ابی الدرداء) (۲) مردان نے ایک شخص کو مزار اقدس پر منہ رکھے دیکھا تو کہا اے شخص یہ کیا کر رہا ہے، اس شخص نے سر اٹھایا تو وہ ابویوب انصاریؓ تھے، انھوں نے مردان کو جواب ان الفاظ میں دیا، نعم حببت عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولعرات ہذا الحجی (نام احمدی مذہب) (۳) اخراج البیہزنی فی مسند ۱۰۱ سیدنا عجمیؒ خراج الیٰ منبر رسول اللہؐ فاذا اذین جیل قائم  
سیکی عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،

(محمد افضل سلاخوری دکن، ۱۲۔۱۳۔۱۴)

پتہ، یہ مراسلہ آج ۲۲ اکتوبر کو سفر میں ملا، وطن واپس ہونے میں ابھی دیر نہیں کی دیر ہے، اور اس اثنا میں کتابوں کی طرف رجوع کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے۔  
میں سفر جاز نمبر ۱۲ کے ذیل میں آداب زیارت روضہ رسولؐ پر جو کچھ لکھا گیا تھا، مراسلہ لکھا



نے انکا معاوضہ روایات بالا سے کرنا چاہا ہے، لیکن ان روایتوں میں سے تیسری کا مسئلہ  
 زیر بحث ہے، تو کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا، اس میں تو صرف یہ مضمون ہے کہ حضرت سجاد رسول اللہ  
 صلعم کے قریب کھڑے ہوئے، مصروف گریہ تھے، یہ صحیح ہوگا، لیکن اس سے ان چیزوں  
 کی جو کچھ جاچکی ہیں کسی طرح بھی تردید نہیں ہوتی، رہ گئیں وہ دور و این جو ابن عساکر  
 اور مسند احمد کے حوالہ سے بیان کی گئی ہیں، یہ روایتیں اگر اسی صورت میں مروی ہیں،  
 دراصل انکا صاحب معاف فرما، ان کی خدمت میں تعارف سابقہ بالکل نہیں، درجہ کے  
 اعتماد پر انھیں بالکل صحیح تسلیم کر لیا جاتا، سو اول تو یہ مشہور و معلوم ہے کہ ابن عساکر  
 اور مسند کے رجال اس پایہ کے نہیں، جیسے صحاح کے ہیں، اس لئے محض یہ روایات،  
 استناد کے اعلیٰ مرتبہ پر نہیں، لیکن بالفرض یہ تمام صحیح بھی ہوں، تو حضرت بلالؓ اور  
 حضرت ابویوسفؓ کے ان افعال کو ان کے غلبہ محبت اور دفور جوش پر محمول کرنا چاہیگا  
 چنانچہ حضرت بلالؓ کے متعلق تو روایت ہی میں تصریح ہے کہ وہ بیہوش ہونے لگے  
 جو دوسروں کے لئے سند اور محبت کا کام نہیں دے سکے، قاضی عیاضؒ، لاماعلی قادریؒ  
 امام غزالیؒ، شیخ عبدالحق دہلویؒ اور فقہاء حنفیہ کے حوالوں سے سچ میں جو عرض کیا گیا  
 تھا، وہ شریعت کا ایک عام ضابطہ و قانون تھا، باقی اہل محبت پر غلبہ شوق و دفور جوش میں  
 اضطراب و کیفیات طاری ہو جاتی ہیں، ان پر کون اعتراض کر سکتا ہے، البتہ دوسروں کے لئے  
 جو حال سے بیگانہ ہیں، محض رہنما و تقلید انکا اتباع بھی جائز نہیں، اور شریعت کا ضابطہ و  
 نظام ان مشغلیات کی بنا پر نہیں قائم ہو سکتا، خضرؑ کے لئے ایک بیگناہ کا قتل کر ڈالنا جائز  
 ہو گیا، لیکن ہم آپ اگر کسی کو بے قصور طانچہ بھی مار دیں، تو شریعت کے قانون میں جرم  
 قرار پائے گا۔ (پہلے جلد ۵، نمبر ۱۶)

## باب ۱۳

### ”روضہ جنت“

اللہ ٹھنڈا رکھے اگلوں کی تربتوں کو، تربت مبارک کی حفاظت اور لوگوں کی نظر سے مخفی رکھنے کا کیسا کیسا انتظام کر گئے ہیں، دین کے بادشاہ کا جسد مبارک جہانِ مع دو نون وزیروں صدیق و فاروقؓ کے آرام فرما ہے، وہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا حجرہ تھا، ستراتی سال تک مجبوراً اپنی اصل حالت میں ہی یارت گاہِ خلافت بنا رہا، لیکن رسولِ صلعمؐ کا جمال دیکھنے والے اور ان دیکھنے والوں کو دیکھنے والے ایک ایک کر کے اٹھتے جا رہے تھے، ہجرت کی پہلی صدی ابھی ختم بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ خلیفہ و لید کے حکم سے والی مدینہ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے ایک مستحکم سنگی عمارت حجرہ صدیقہؓ کے گرد اگر تعمیر کرا دی جس میں کوئی دروازہ نہ رکھا، تربت اطہر تو حجاب میں بھی ہی، اب حجرہ شریفہ اس حجاب میں آگیا، اور مشتاقانِ جمال کو اسی سیر دنی عمارت کی زیارت پر قناعت کرنا پڑنے لگی کچھ روز کے بعد مزید تحفظ کے خیال سے ایک اور احاطہ پتھر کے ستونوں اور محرابوں کا، اس عمارت کے ارد گرد بھی بنا دیا گیا، اور گنبد خضراؑ اسی احاطہ پر قائم ہے، اس احاطہ پر کلمہ طیبہ سے نقش پرے پرے رہتے ہیں، اور اس کے دو دو ہاتھ کے فاصلہ پر چاروں طرف فولاد یا پتیل کی زرد جالیوں کی دیواریں ہیں، اور اب زائر کے

کے پیش نظر صرف یہی جالیان رہتی ہیں، یہ اہتمام اور انتظام چودھویں صدی ہجری  
اور بیسویں صدی عیسوی میں جس پہلو اور جس اعتبار سے بھی دیکھیے، سرتاسر ضروری  
و مناسب نظر آئیگا، تربت مبارک اگر منیر اتنے حجابات کے کمین کھلے میدان میں ہوتی  
تو شریعت سے بیگانے اہل ہوس و اہل بدعت خدا معلوم اب تک کیا کر گذرے ہوتا؟  
اور پھر جو اہل نظر ہیں وہ اس نظارہ بے حجاب کی تاب کیونکر لا سکتے، ان کے  
علاوہ اور بھی متعدد مصلحتیں ہیں جو ہر غور کرنے والے کی سمجھ میں آ سکتی ہیں۔

زیارت سے فراغت ہو چکی ہو، تو درود و سلام پڑھتے ہوئے اب مسجد کے  
اس حصہ کی طرف آئیے جس کی بابت زبان اقدس سے ارشاد ہوا ہے کہ:-

ما بین یقی (واقبری) و منبری حدیثہ میرے مکان (یا میری قبر) اور میرے منبر کے  
میں یہ باض الجنتہ، درمیان جو کچھ ہے وہ جنت کے باغوں میں  
اسے ایک باغ ہے،

اور اسی بنا پر اس قطعہ کا نام بھی "روضۃ" یا جنت کی کیاری" پڑ گیا ہے، بالین مبارک  
کی طرف، جو جالیان ہیں، وہ ان سے "روضۃ" کے حدود شروع ہوتے ہیں، اور منبر  
ختم ہوتے ہیں، جو تھینا پچیس تیس فٹ کے فاصلے پر رکھا ہوا ہے، یہ منبر کہا جاتا ہے کہ  
سلطان مراد کا بنوایا ہے، لیکن رکھا ہوا اسی جگہ پر ہے، جہاں منبر نبویؐ رہتا تھا، منبر  
اور جالیوں کے درمیان منبر سے ڈھائی تین گز کے فاصلے پر حراب البنیٰ اور مصلیٰ بنی  
ہیں، یعنی وہ مقامات جہاں اپنے رب کے سب سے بڑے پوجنے والے نے نمازیں کیں  
ہیں، مسجد کے لئے ہیں، اگر کوئی کہے ہیں، امامت فرمائی ہے، اس خطہ نور کی نورانیت کو

الفاظ میں کیونکر بیان کیا جائے! حدیث کی شرح میں شارحین کے قول مختلف ہیں، کوئی یہ کہتا ہے کہ اتنا ٹکڑا نزول رحمت و حصول سعادت میں جنت کے باغیچوں کے مثل ہے، اور اس لئے اسے چہن جنت کہا گیا، کسی کا فرمانا یہ ہے کہ یہاں کی عبادت نہایت مقبول ہے اور اس کے سبب یقیناً باغ جنت ملے گا، اس مناسبت سے اسے روضہ رحمت ارشاد فرمایا گیا، اور بعض شارحین کا قول یہ ہے کہ اس ارشاد کو ظاہر ہی پر محمول رکھا جائے، یعنی اتنا ٹکڑا حقیقتہً جنت ہی کا ٹکڑا ہے، اور قیامت کے دن یعیٰنہ جنت کی طرف اٹھایا جائیگا، یہاں شارحین اور تاملین جھین علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں نقل فرمایا ہے، اپنی اپنی جگہ پر بالکل صحیح و درست ہیں، عبادت اگر یہاں کی بھی مقبول نہ ہوگی تو اور کہاں کی ہوگی نزول رحمت اور حصول سعادت اگر یہاں بھی نہ ہوگا تو اور کہاں ہوگا، یہ سب صحیح ہے، لیکن صحیح ترین مفہوم وہی ہے، جو سب سے آخری قول میں نقل ہوا، کوئی اور مانے یا نہ مانے لیکن جن خوش نصیبوں کو اس خطہ بستی کی زیارت نصیب ہو چکی ہے، انکا دل تو یہی پکار رہا ہے، اسی کو مانے گا، اور یہی سمجھے گا، اتنا حسین، اتنا دلکش، اتنا جاذب نظر، اتنا پر انوار قطعہ اس ناسوتی اور فانی دنیا کا ہونہیں سکتا! یقیناً اسے جنت الفردوس ہی سے اٹھا کر لایا گیا ہے، اور دنیا کی بربادی کے وقت اسے ہر قسم کی گزند سے محفوظ رکھ کر انشاء اللہ جہنم وین پھر اٹھایا جائیگا!

اور محض دل کی آواز نہیں، محض قلب ہی کا فتویٰ نہیں، اگلے بزرگوں میں بھی بعض محققین کرام اسی جانب گئے ہیں، شیخ دہلوی حدیث بالا اور اسکی شرحوں کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:-

”تحقیق اُن است کہ کلام محمول بحقیقت خود است، او مابین حجرۃ المحضر صلیم و غیر  
شریف بحقیقت روضہ است از ریاض جنّت بآن معنی کہ فردے قیامت اُن را  
بہ فردوس اعلیٰ نقل کنند و در رنگ سائر بقاع ارض قانی و مستملک نہ گردانند  
چنانچہ ابن فرعون و ابن جوزی از نام مالک نقل کرده اند، و اتفاق جامع از علما و ابا  
بکر بن مہمّم ساخته، و شیخ ابن حجر عسقلانی و اکثر علماء حدیث ترجیح ابن قولیٰ کرده اند، ابن  
ابی حمزہ کہ از کبار علماء مالکیہ است فرمودہ کہ احتمال دارد کہ عین ابن بقعہ شریفیہ  
روضہ از ریاض جنّت باشد کہ از آنجا بہ دار دنیا فرستادہ باشد، چنانچہ در شان حجر ہو  
و مقام ابراہیم واقع است، و بعد از قیام قیامت ہم بہ مقام اصلی خود شہر بند

(جذب القلوب، باب ۸)

اور اسے نقل کرنے کے بعد شیخ نصیب توقّہ خود بھی اسی معنی کی تائید کرتے ہیں۔  
”ابن معنی از روئے حقیقت جامع جیسے معانی ست کہ دیگر ان لفظہ اند“

بعض کتابوں میں یہی معنی کے حوالہ سے یہ روایت دیکھنے میں آئی، کہ ہر صبح کو ستر ہزار  
فرشتے اس روضہ جنّت پر اترتے ہیں، اور شام تک درود شریف پڑھتے رہتے ہیں، اس کے  
بعد واپس چلے آتے ہیں، اور نئے ستر ہزار آجاتے ہیں، جو اسی طرح صبح تک درود شریف  
پڑھتے رہتے ہیں، اس روایت میں تو ستر ہزار فرشتوں کا ذکر ہے، جو پھر بھی ایک تعداد  
محدود و متعین کا نام ہے، جو انھیں اس روضہ کے دیدارِ جمال سے مشرف ہو چکی ہیں، و  
تو اسکی تصدیق کرنے کو تیار ہیں، کہ ہزاروں اور لاکھوں کے عدد دیکھے، بے شمار او  
بے تعداد فرشتے ہر لحظہ اور ہر ساعت اللہ کی رحمتوں اور برکتوں سے اس مرکز نور کو مستفاد  
اور منور سے منور تر بناتے رہتے ہیں!

اسی روضہ کے اندر وہ آٹھ ستون بھی ہیں جنہیں "اسطوانۃ رحمتہ" کہا جاتا ہے، ان کے پاس نمازین پڑھنے کی خاص فضیلتیں آئی ہیں اور وہ بھر میں کہیں بھی نماز پڑھے سارا تختہ تختہ جنت ہو، لیکن اگر آسانی سے بلا رحمت و لکھنؤ، ان میں سے کسی ستون کے پاس چل جائے، تو سبحان اللہ نور علی نور!

(۱) اسطوانۃ خلاقہ، یہ ستون عین مصلیٰ نبی کی پشت پر ہی منبر تیار ہونے سے قبیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ کھڑے ہو کر خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے تھے، ستون خانہ جس نے منبر کی تیاری کے بعد حضور سے جدا ہونے پر گریہ دیکھا کیا تھا، ٹھیک اسی مقام پر تھا۔  
(۲) اسطوانۃ حوس یا اسطوانۃ علی، یہاں صحابہ کرام حضور کی درباری یا پرہ کے لئے بیٹھے رہتے تھے، اور اکثر یہ خدمت حضرت علیؑ سے متعلق رہتی تھی، اور آپ کثرت سے نمازین یہیں ادا فرماتے تھے،

(۳) اسطوانۃ وفود، باہر سے جو وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے، ان سے اکثر اسی مقام پر ملاقات فرمائی جاتی،

۱۲۷ اسطوانۃ ابی لبابہ حضرت ابی لبابہ مشہور صحابیوں میں ہیں، ایک مرتبہ آپ جہاد میں نہ گئے، بعد کو خود ہی ندامت ہوئی، اور اس زور کا احساس ندامت ہوا کہ اپنے کو مسجد میں ایک ستون سے باندھ دیا، بالآخر جب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم جہاد سے واپس تشریف لائے، اور ابوبابہؓ کی بریت میں وحی نازل ہوئی تو اپنے دست مبارک سے ابوبابہؓ کو کھولا،

(۵) اسطوانۃ نہریر، اس ستون کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حالت اعجاز میں کبھی کبھی کھڑے ہو کر اپنے پر آرام فرماتے تھے،

(۶) اسطوانہ جبرئیل، حضرت جبرئیلؑ انورؑ اسی مقام پر لکھ کر آئے ہیں،

چار ستون یعنی اسطوانہ خمس، اسطوانہ دود، اسطوانہ سریر، اسطوانہ جبرئیل،

بالین مبارک کی جالیوں والی دیوار میں ایک ہی قطار میں قریب قریب ہیں،

(۷) اسطوانہ عایشہؓ جس جگہ اب مصلیٰ بنی ہو، اس کے اختیار کرنے سے قبل رسولؐ

نے کچھ روز زمین نمازا ادا فرمائی ہو، ایک مرتبہ حضور صلعم کی زبان مبارک سے یہ نکلا تھا،

کہ میری مسجد میں ایک جگہ ایسی ہو، کہ اسکی فضیلت اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے، تو وہاں

جگہ پانے کے لئے لوگ قرعہ ڈالیں، اُس وقت سے صحابہؓ کو برابر اس جگہ کی جستجو رہنے لگی

حضورؐ کی وفات کے بعد حضرت عایشہؓ نے اس جگہ کا پتہ اپنے بھانجے حضرت عبداللہ

بن زبیرؓ کو بتایا اسی مناسبت سے اسے اسطوانہ عایشہؓ کہتے ہیں،

(۸) اسطوانہ تہجد، یہ مقصورہ شریفہ کی پشت کی جانب ہو، (یعنی شمالی دیوار میں)

کھاتا ہو، کہ یہاں رسول اللہ صلعم نے تہجد کی نماز میں ادا فرمائی ہیں، سعودی حکومت

نے یہاں نماز پڑھنے کی، بلکہ یہاں تک پہنچنے کی مانعیت کر دی ہو، شاید اس خیال

سے کہ یہاں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے تربت مبارک سامنے پڑتی ہو،

روضہ جنت میں جہاں کہیں بھی جگہ مل جائے، اپنی خوش نصیبی سمجھے، لیکن

اس کے لئے دوسروں کی جگہ زبردستی چھین لینا، ایک دوسرے سے دھکم دھکا کرنا

آداب مسجد اور وقار و بار نبویؐ کے بالکل منافی ہو، اور حق یہ ہو کہ اسکی ضرورت

بھی نہیں پڑتی، شدت ہجوم کے زمانہ میں بھی، اسے یہاں کی کرامت سمجھے، یا جو کچھ

کہ ہر آرزو مند کو اس محدود رقبہ کے اندر جگہ مل ہی جاتی ہو، حالانکہ کل گنجائش سین

شاید دھالی تین سو نازیون سے زائد کی نہ ہو، صرف چند لمحے صبر و انتظار کی ضرورت  
 ہوتی ہو، یہاں تک کہ مصلیٰ نبی جو موسم حج میں کبھی نازیون سے خالی نہیں رہتا  
 اور جس پر مشتاقوں کے ٹھٹھٹ ٹوٹے پڑتے ہیں، وہاں بھی کچھ ہی دیر کے صبر و انتظار  
 کے بعد جگہ مل کر رہتی ہو، البتہ اتنا خیال اپنے کو بھی رہنا چاہئے، کہ اُس جگہ پر بہت  
 دیر تک اتنا قبضہ نہ رکھے، اس پر سب مسلمانوں کا حق یکساں سمجھے، اور ہلکی ہلکی باتیں  
 پر ٹھکر جلد اس جگہ کو دوسرے آرزو مندوں کے لئے خالی کر دے، ایسے منبر کے خوب  
 اور ایک دوسرے مقام پر بھی، بہت سے کلام مجید رکھے رہتے ہیں، جس کا جی چاہو،  
 پڑھے، غرض روضہ جنت کے اندر قدم رکھنے کے بعد جتنی دیر چاہئے نماز پڑھئے، جب تک  
 جی میں آئے قرآن کی تلاوت کرتے رہئے، اور جب تک دل لگتا رہے، اور دُعا کی  
 میں مصروف رہئے، ہر عمل جنت ہی کی طرف لچانے والا ہو، سب سے بڑی بات یہ ہے  
 کہ مواجہ مبارک میں جو عجب و جلال ہے، اور وہاں حاضر ہو کر قلب پر جو بہت  
 طاری ہوتی ہو، وہ یہاں مفقود ہے، یہاں سکون، اطمینان اور ٹھنڈک ہی کیسویں  
 اور حضور قلب کے ساتھ جب تک قسمت یاوری کرے مناجات میں لگے رہئے، غرض  
 معروض کرتے رہئے، دعائیں مانگئے، اپنی ذات کے لئے، ہر رنگوں کے لئے، عزیزوں  
 کے لئے، دوستوں کے لئے، ساری امت اسلامیہ کے لئے، سب کے لیے بھلائی چاہئے،  
 اپنے گناہوں کو یاد کیجئے، اپنی تباہ کاریوں کا حساب لگائیے، رویئے، اور گناہوں کو  
 سجدوں میں گریئے، اور کسی کو نہائیے، دل سے بھی رویئے اور آنکھوں سے بھی  
 سیلاب بہائیے، نہ یہ جگہ سب کمین نصیب، اور نہ یہ گھڑیاں ہر وقت حاصل!



جمعہ کا دن مسلمانوں کی عید کا دن ہوتا ہے، پھر مدینہ کا جمعہ، اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم  
 کا جمعہ جس کے نصیب میں یہ آجائے اس کے نصیبہ ور ہونے میں کسے کلام ہو؟  
 لیکن جس نے اپنا ہم قاور علی الاطلاق رکھا ہے، جس نے اپنی شان غنی عن العالمین  
 بیان کی ہے، اس کی کار فرمایوں کے عید کون پاسکا ہے، اور اس کی مشیت کی  
 باریکیوں کی تہاہ کس کو مل سکی ہے، آفتاب عالمات ہے، سارے عالم کی آنکھوں  
 کو روشن کر دیتا ہے، لیکن اسی عالم کے اندر ایسے جاندار بھی موجود ہیں، جن کے حق میں  
 یہی نورِ عالمات، آنکھوں کا حجاب بنجاتا ہے، مدینہ پر اس وقت سعودی حکومت  
 کا پرچم لہرا رہا ہے، سلطانِ حجاز کی طرف سے مدینہ میں جو امیر (گورنر) مقرر ہیں، وہ  
 عیسائیوں کی طرح ہفتہ میں صرف ایک دن ایک وقت کے لئے مسجد میں حاضر  
 ہونا ضروری خیالی فرماتے ہیں، حاضر ہونا غلط کرنا گیا، وہ حاضر نہیں ہوتے  
 ہیں، مسجد میں تشریف لاتے ہیں، تشریف آوری کی شان یہ ہوتی ہے، کہ نماز جمعہ  
 کے وقت مقررہ سے تین گھنٹے قبل یہ میں گھڑی کے حساب سے پوری ذمہ داری کے  
 ساتھ عرض کر رہا ہوں، "سے روضہ جنت" کا ایک معتد بہ حصہ عام نمازیوں، اور  
 عبادت گزاروں سے خالی کرایا جانے لگتا ہے، اور منبر سے لیکر مصلیٰ نبیؐ تک کا حصہ  
 بقدر تین صفوں کے، ہر نماز پڑھنے والے سے، ہر تلاوت کرنے والے سے، ہر درود  
 پڑھنے والے سے کبھی طوعاً، اور زیادہ تر کرہاً، خالی کر لیا جاتا ہے، اس لئے کہ امیر  
 مع اپنے خدم و ختم کے تشریف لا رہے ہیں، (خدا کا شکر ہے کہ اس طرح کی تشریف آوری  
 ہفتہ میں ایک ہی بار ہوتی ہے، اور یہ خالی کرانے والے سعودی حکومت کے پیادے  
 نیز "محکمہ امر بالمعروف" کے عہدہ دار ہوتے ہیں، محکمہ کا مقصد شریعت کا نفاذ اور

بدعتوں کا نشانہ بنایا جاتا ہو، لیکن خاص مجاہد کے مبارک دست مبارک دن عین صاحبِ بدعت  
 علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں "بدعتوں" کو یوں مٹایا جاتا ہو! "امر بالمعروف" کی  
 یوں جسارت کی جاتی ہو! "نوحید" علی کی یوں منادی کی جاتی ہو، سادات و اخوت اسلام  
 کا درس، صرف رعایاے حجاز ہی کو نہیں ساری دنیاے اسلام کو یوں دیا جاتا ہو! —  
 اند کا علم بیشک بہت بڑا ہو، لیکن کیا ہمیشہ ملت ہی دیتا چلا جاتا ہو!

نماز سے ذرا پہلے امیر صاحب (غالباً سو پیر) تشریف لاتے ہیں، اور مسجد کے اندر  
 اس شان سے داخل ہوتے ہیں، کہ بند و فوجیوں کا ایک پورا دستہ ہمراہ آگے بھی سپاہی  
 اور بائین بھی سپاہی، اور اس غول کے اندر امیر صاحب نہ کسی سے مصافحہ نہ کسی  
 سلام علیک! قدم قدم پر حکومت کی شان عیان، اور امارت کے نشانات نمایاں،  
 بس یہ معلوم ہوتا ہو، کہ گویا ہندوستان کی سرزمین پر مائیکل اوڈائر، یا جہزل ڈائر اپنے  
 اردیوں اور اپنے فوجیوں کی قوت پر نازان، اپنی کالی رعایا کے سامنے، اکڑتا اور جھوٹا  
 ہوا چل رہا ہو، لوگ کہتے ہیں کہ ترک بادشاہ اپنے نام کے ساتھ "خادم" اور "مین الشرفین"  
 لکھتے تھے، اور اس پر فخر کرتے تھے، اب سلطان نجد و جلالتہ الملک، گو اپنی سلطنت اور جہت  
 میں ان سے بہت چھوٹے ہیں، ایسا کیوں نہیں کرتے؟ جواب ظاہر ہو، جس سلطان کے کتب  
 اور جس ملک کے گورنر تک "خادم" ہونے کے بجائے "مخدوم" ہوں اور حرم کے اندر عین عباد  
 و تضرع کے وقت، عین خست و انابت کے موقع پر بھی، اپنے مخدوم اور اپنے حاکم ہونے کا  
 یوں مظاہرہ فرماتے رہیں، وہ کیا کوئی دیوانہ ہو، جو اپنے کو "خادم" کہتا رہے، اور اپنے نذل  
 و افتخار کو اپنے لئے باعث شرف سمجھتا رہے؟ — دوستو! اور عزیزو! یہاں سوال

جنابیت و حقیت کا نہیں، وہاں بیت اور سنیت کا نہیں، ابن تیمیہ اور ابو حنیفہ کی تقلید کا  
 نہیں، سوال صرف قوت و اقتدار، حکومت و مارت کا ہی، عبدالعزیز آل سعود آج  
 ملک ہی ملک، اور ملک کو جھکے ہوئے اور پچکے ہوئے، پچے ہوئے اور دبے ہوئے،  
 گڑ گڑاتے ہوئے اور لرزاتے ہوئے آج ملک کس نے دیکھا ہی؟ اقبال نے کہا تھا  
 ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و یاس

پھر نہ بندہ رہا کوئی نہ کوئی بندہ نواز!

لیکن دنیا اس وقت سے بہت آگے بڑھ چکی ہے، اب "محمود و اپنی صف ہی" ایاز  
 کی صف سے الگ رکھے گا، بھلا اب تو کوئی "بندہ" اور "بندہ نواز" کے فرق و امتیاز کو  
 مٹا دیکھے؟

## باب ۱۴

### مسجد نبویؐ

مسجد پاک کے کن کن حصوں کی پاکیزگی اور کن کن گوشوں کی بڑائیاں گناہی جائز  
اور جو ہمہ خوبی و ہمہ خوبی ہے، اسکے کس کس جزے کے حسن و جمال کا نقشہ کھینچا جائے، سو اسکے کہ ایک ہی بار  
گلچین بہارِ تہذیب و انان گلہ دار!

پڑھ کر خاموشی اختیار کر لی جائے، ابھی "روضہ جنت" کا ذکر تھا، "روضہ" کے اندر ہی محرابِ نبویؐ  
ہے، اس کے مقابل، روضہ کے باہر، منبرِ نبویؐ کے دوسری جانب محرابِ سلیمانؑ ہے، سال  
کے بیشتر حصہ میں، چونکہ جماعتِ مسجد کی وسعت و گنجائش کے لحاظ سے بہت مختصر ہوتی ہے،  
اس لئے امامِ محرابِ نبویؐ میں کھڑا ہوتا ہے، اور نمازی روضہ میں ہوتے ہیں لیکن حج کے  
آگے پیچھے ہونے کی وجہ سے کئی گنا بڑھ جاتا ہے، تو امام، محرابِ نبویؐ کو چھوڑ کر منبر  
صفین آگے بڑھ کر محرابِ عثمانیؓ میں کھڑا ہونے لگتا ہے، اور نمازی مسجد کے سامنے عرض  
و طول میں پھیل جاتے ہیں، یہ محراب ذوالنورین خلیفہ ثالثؓ کی تعمیر کرائی ہوئی ہے  
اس کی نورانیت کا بیان کس زبان سے ہو! — غرض ساری مسجد اللہ ہی  
کی ہے، اور اللہ کے بندوں کے لئے ہے، جہاں چاہئے نماز پڑھئے، اور جس جگہ دل میں آئے  
اپنے مولا سے راز و نیاز میں لگائے، چہ چہ انوار سے معمور، ذرہ ذرہ برکتوں سے پر نور

کس حصہ کو بڑھائیے اور کس کو گھٹائیے! یہ فرخ عمر بھر کمین ٹٹنے والا، اور یہ شرف زندگی بھر  
 کبھی بھولنے والا ہے، کہ جس زمین کے ذرات کو رسول خدا صلعم کے قدموں نے مس کیا  
 جہاں صدیقوں نے نمازین پڑھیں، جہاں شہیدوں نے سجدے کئے، جہاں نور کے بنے ہوئے  
 فرشتوں نے بار بار خروناز کے ساتھ حاضری دی، ہاں زمین کے جس ٹکڑے پر آسمان  
 کو رشک آ رہا ہو، آج وہاں ایک خاک کا تپلا، حرص و مہو کا بندہ، آزادی کے ساتھ بے  
 روک ٹوک چلے پھرے، ہنسنے بسے، روئے اور گر گرائے!  
 یہ مصیب اللہ اکبر! لوٹنے کی جائے ہے!

پہلے کسی زمانہ میں چار مصلے تھے، جو چاروں اماموں کی جانب منسوب تھے اب  
 صرف ایک ہی مصلے ہی، جس پر مذاہب اربعہ کے امام مختلف اوقات پنجگانہ میں بارہی  
 بارہی نماز پڑھاتے ہیں، اور ہر امام کے پیچھے ہر وقت نمازین ثانی مذاہب ملتہ کے  
 پیرو جو حق جو حق نمازین پڑھتے ہیں، چار مصلوں کو توڑ کر ایک مصلے قائم کر دینا، نجدی  
 حکومت کی یقیناً ایک بدعت حسدہ ہو، کاش اسی طرح تفریقوں کو مٹا کر وحدت امت  
 کا خیال، اس حکومت نے دوسری چیزوں میں بھی رکھا ہوتا! فجر کی نماز جنبی (نجدی)  
 امام پڑھاتا ہی، ظہر شافعی امام سے متعلق ہی، عصر مالکی امام کے اقتدائین ادا کیجاتی ہے،  
 مغرب کی امامت پھر جنبی امام کے پیچھے ہوتی ہی، اور عشا کے وقت حنفی امام کی نوبت آتی  
 ہے، نماز جمعہ پھر جنبی امام کے پیچھے پڑھی جاتی ہی، اس طرح حنفی، شافعی، مالکی، جنبی،  
 سب کو ایک دوسرے کے پیچھے ہر روز نمازین پڑھنی پڑتی ہیں اور یہی معنی ہیں!

لے بعد کو خبر آئی کہ حنفی اور شافعی امام موقوف کر دیئے گئے، اور صرف مالکی و جنبی امام باقی رہ گئے! افسوس!

وحدت امت اسلامیہ کے، مذاہب اربعہ کی تقسیم سہولت اور آسانی پیدا کرنے کے لئے ہے، نہ کہ امت اسلامیہ کو مختلف ٹکڑیوں میں توڑ دینے، اور ایک کو دوسرے کے مقابل و حریت بنادینے کے لئے چار جماعتیں الگ الگ ہونے میں وہ لطفت اور وہ حسن کہ باقی رہ سکتا ہو، جو سب کے یکجا پڑھنے اور ایک امام کی اقتدا کرنے میں آتا ہو، شیعوں کے لئے کسی علحدہ جماعت کا انتظام نہیں، خالی اوقات میں شیعوں کی چھوٹی چھوٹی جماعتوں کو، "روضہ" میں اپنے امام کے پیچھے نماز پڑھتے دیکھا گیا، اور جو دھری محمد علی بروہی کے سے شیعہ تو ہم لوگوں کی جماعت میں بے تکلف شریک ہو جایا کرتے تھے، کا یہ فرخ دلی شیعہ فرقہ میں عام ہو جاتی!

فرض نمازوں کی اذان کے علاوہ، یہاں مسجد کی اذان بھی، ہندوستان کے وقت کے اندازہ سے کوئی دھائی پونے تین بجے شب کو ہوتی ہو، اسی وقت حرم مدنی کے دروازے کھل جاتے ہیں، اور اسی وقت خلعت کے ٹھٹ کے ٹھٹ، جو دروازوں سے لگے ہوئے باہر کھڑے ہوتے ہیں، اذوق و شوق کے ساتھ لیے لیے قدم رکھتے ہوئے اندر داخل ہونے لگتے ہیں، اور سب کی تمنا یہ ہوتی ہو، کہ سب پہلے مصلے ہوئی پر یا کم سے کم "روضہ" کے کسی حصہ تک جا پہنچیں، تھینا گھنٹہ، پون گھنٹہ کے بعد فجر کی اذان ایسے وقت ہوتی ہو، کہ خوب اندھیرا چھایا ہوتا ہو، جنہی امام کی قرأت عموماً بہت طویل ہوتی تھی، پھر بھی جب نماز ختم ہوتی، اندھیرا اچھا خاصہ باقی رہتا، اور لوگ تارون کی جھاؤں میں گھرواپس جاتے، دن نکلنے سے لیکر کوئی چار ساڑھے چار گھنٹہ کا وقت مسجد نبوی میں نسبتً تخلیہ کا ہوتا ہو، اس وقت هجوم اور وقتوں کے مقابلہ میں کم ہوتا

ہے، روضہ کے اندر غلین پڑھنے کا یہی بہترین وقت ہوتا ہے، مصلیٰ نبویؐ پر بھی نماز پڑھنے کا موقع ملتا ہے، جس خوش قسمت کی رسائی یہاں تک ہو جائے، اسے یہ نہ بھول جانا چاہئے کہ خدا معلوم کہتے: دوسرے بھی اسی مصلیٰ پر نماز پڑھنے کے آرزو و اشتیاق میں ہیں، اس لئے اس جگہ پر بہت دیر تک اپنا قبضہ نہ جائے رکھے، بلکہ جلد دوسروں کے لئے جگہ خالی کرنے، جھنور قلب کے ساتھ اگر چار بلکہ دو رکعتوں کا بھی موقع ملتا تو بالکل کافی ہے، ظہر میں بھی گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ باقی ہوتا ہے کہ چہرہ زاروں اور نمازیوں کا ہجوم بڑھنے لگتا ہے، ٹھیک دوپہر کو بالکل اول وقت، نماز ظہر ادا ہوتی ہے، اور سیدھا اس کے کوئی تین گھنٹہ بعد بالکل اول وقت نماز عصر بھی، عصر کے بعد پھر گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ ذرا جمع کم رہتا ہے، یہاں تک کہ مغرب میں جب گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ باقی رہتا ہے تو پھر بڑھنا شروع ہو جاتا ہے، اس وقت صحن بھی غموں میں گھرا جاتا ہے، اور درس حدیث و درس صرف و نحو کے حلقے جاری قائم ہو جاتے ہیں، مغرب کے بعد بعض لوگوں کے وعظ بھی اکثر سنتے ہیں آئے، ان میں ایک واعظ "بڑی بلند آہنگی کے ساتھ اردو میں بولتا رہتا تھا اپنے کو دہلی کا باشندہ بتاتا تھا، لیکن لہجہ میں پنجابیت اچھی خاصی تھی ہندو میں تو کوئی اسے جانتا نہیں، مگر یہاں اس کا شمار علماء میں تھا، قرآن کی عبارتیں غلط پڑھتا، اور اس کے معنی غلط تر بیان کرتا، اور غیر متعلقہ کی تبلیغ بیباکی، اور بدزبانی کے ساتھ کیا کرتا، ایک روز میں ذری کی کھڑا ہو کر سننے لگا تو کہہ رہا تھا کہ "جو لوگ یہاں کی خاک بطور تبرک لیجاتے ہیں وہ سخت گنہگار ہوں گے اور ہرگز نہ بخشے جائیں گے، اس لئے کہ قرآن میں آچکا ہے، ان الله لا يخفى ان يشرك<sup>بہ</sup> عشا کی نماز، مغرب کے کوئی ڈیڑھ گھنٹہ بعد ہوتی ہے، اس وقت کے امام حنفی ہوتے

تھے جو ماشاء اللہ توحید سے واقف تھے اور خوش احکام بھی تھے، جنہی امام کے برخلاف قرات مختصر کرتے اور ارکان نماز بڑے اطمینان سے ادا کرتے اس لئے قدرۃً اس نماز میں اور تمام نمازوں سے زیادہ بھی لگتا، جماعت عشا کے کچھ دیر کے بعد مسجد ہر شخص سے خالی کر لی جاتی، ہذا م کھوج لگاتے ہیں، کہ کہیں کوئی شخص چھپکے تو نہیں بیٹھ رہا ہے؟ روشتیان گل کر دیجاتی ہیں، اور دروازے بند ہو جاتے ہیں، صرف دو ایک خادم اندر رہ جاتے ہیں،

مسجد کے خدام عموماً سیہ فام خواجہ سرا ہیں، حبشہ، مراکش، زنجبار، وغیرہ افریقہ کے مختلف علاقوں سے ترکوں کے زمانہ میں نو عمر خواجہ سرا آ کر بکتے تھے، اور ترک سلاطین انہیں خدمتِ حرمین کے لئے خرید لیتے تھے، سلطان ابن سعود نے اس دستور کو جو ہرگز نہ سنت رسولؐ کے مطابق تھا، نہ سنت صحابہؓ کے، بھلا اللہ بند کر دیا ہی، تاہم پرانے خواجہ سراؤں کی ایک تعداد بچیں تیس کے قریب ہو گئی، اب بھی باقی رہ گئی ہے، حرمِ نبویؐ کے اصلی خدام چند سال قبل تک بھی لوگ تھے، اور اس مقدس چار دیواری کے اندر سیاہ و سپید سب انھیں کے ہاتھ میں تھا، اب انکے اختیارات بہت گھٹ گئے ہیں، اور تنخواہیں بھی بہت کم ہو گئی ہیں، نذرانوں کی آمد نیاں بھی یوں ہی سی رہ گئی ہیں، تاہم ان کے حسن اخلاق، ان کے ولولہ خدمت، انکے حب رسولؐ میں اب بھی کوئی فرق نہیں، انکا وہ سر سے پیر تک سفید براق لباس، وہ اونچی اونچی پگڑیاں، وہ ڈھیلی ڈھیلی عیامین، وہ لمبی لمبی آستینیں، ایک مرتبہ دیکھ لینے کے بعد کئی صورتیں نظر میں ایسی کھب جاتی ہیں، کہ پھر نکالنا چاہئے بھی، تو نہیں نکلتیں، مدینہ کے



خصوصاً محرم مدینہ ولے، یوں تو سب ہی آپ کی امداد و اعانت کے محتاج و منتظر، لیکن  
 بن پڑے تو ان خدام کی کچھ خدمت، خلوص دل سے ضرور کیجئے، ان کو یہاں کی مصلحت  
 میں "اعا" کہتے ہیں، بچارے اپنے وطن سے دور، اور اپنے عزیز وں قریبوں سے مجھڑ  
 آستانہ نبی پر پڑے ہوئے ہیں، نہ کہیں آنے کے نہ کہیں جانے کے، کچھ بھی ہو جائے  
 کیسے بھی انقلابات آئیں، سارے شہر مدینہ کی آبادی خالی ہو جائے، پھر یہاں سے  
 نہیں ٹلے، جب دیکھئے، حجرہ مسطرہ کی پشت پر، جانب شمال، باب جبریل، باب النساء  
 کے درمیان اپنے وسیع حیو ترہ (دو کڑ الاغوات) پر بیٹھے ہوئے، اور کہا جاتا ہے کہ یہی حیو ترہ  
 کبھی اصحاب صفہ کا صفہ (حیو ترہ) تھا، ان کے کمر و جھون، ان کے تحفے جموں، اور  
 سب سے بڑھکر ان کے سیاہ رنگ پر اگر کبھی نظر جائے، تو فوراً یہ یاد کر لیجئے، کہ خرمیت  
 بلال کس ملک کے اور کس رنگ کے تھے، موجودہ آغاؤں کے سردار، خلیل آغا،  
 خاص طور پر خوش اخلاق ہیں، ہندوستان بھی آچکے ہیں،

محرم کے اندر ایک خاص شخصیت شیخ الروضہ شیخ توفیق کر دی ہی، حیو ترہ کون  
 کے زمانہ سے، اسی عمدہ پر مین، نورانی چہرہ، سفید رنگ پر سن سفید و اڑھی بہت  
 سے کلام مجید اس پاس لائے ہوئے، روضہ کے اندر سبر نبویؐ و مصلیٰ نبویؐ کے درمیان  
 بیٹھے ہوئے، تلاوت کے لئے جس وقت جتنی دیر تک جی چاہے، ان سے کلام مجید  
 لے لیکر پڑھتے رہتے، ایک صاحب نقیب، العلما کے لقب سے باب مجیدی کے قریب  
 صحن کے شمالی دالان میں لڑکوں کو درس دیتے رہتے ہیں، یہ بھی ملنے کے قابل  
 ہیں، ذہین، خوش اخلاق، بے طمع، ہندوستان کی سیر کئے ہوئے، پانچوں دروازوں

پر ایک ایک دود و دو باب یعنی دربان، چکا کام یہ ہے کہ جب آپ مسجد کے اندر قدم رکھتے  
 لگیں، تو اپنا جوتہ، یا چھتری یا لالٹین، ان کے پاس رکھا دین، واپسی پر بہ حفاظت  
 آپ کی چیز آپ کو مل جائیگی، اس مقدس مکان کی درباری، کوئی سمولی حیرت ہے !  
 جس کے نصیب میں آجائے، اسکی خوش نصیبی قابل رشک، باب جبریل کے دربار  
 سے سابقہ زیادہ پڑتا رہا، ایک ہندوستانی ہیں، صوبہ بہار کے رہنے والے، مرادین  
 نام ہے، سالہا سال سے ترک وطن کئے، در رسول پر پڑے ہوئے ہیں، عربی فارسی  
 سب زبانیں بقدر ضرورت سیکھ لی ہیں، ذرا خوشدلی سے انکی خدمت کر دیجئے، بس پھر  
 دیکھئے، کیسے ہر بان ہو جاتے ہیں، اور آپ کے کیسے کیسے کام نکال دیتے ہیں، باب انور  
 پر جو دربان ہیں، ایک نورانی شکل کے پیر مرد ہیں، فقہ لوگوں سے سننے میں آیا کہ صاحب  
 دل و صاحب نسبت ہیں، باب نجدی کے بواب سے صرف دو ہی ایک بار سابقہ پڑا  
 لیکن انکی خدمت میں جو کچھ پیش کیا گیا، اسے کسی طرح قبول نہ فرمایا، یہی کہنے لگے  
 کہ میرے لئے کعبہ و عرفات میں دعا کر دینا، یہی معاوضہ کافی ہو، یہ بے طبعی، اور  
 ایسی شوکانہ روش ایسے موقع پر، جہاں ہر وقت ترغیبات موجود ہوں، قائم رکھنا  
 بجائے خود ایک مجاہدہ ہے،

بلکہ طلبہ میں قیام کی حکمتیں بہت سی ہیں، علاوہ کرایہ کے مکانات کے رابط  
 بھوپال، رابط لونک، حیدر آباد کی متعدد رابطین، وغیرہ، اوپر گزر چکا ہے، کہ اپنا قافلہ  
 حیدر آباد کی ایک رابط میں اگر اترا، لیکن دوسرے تیسرے ہی روز قافلہ منتقل ہو کر  
 میں تقسیم ہو گیا، مولانا مناظر صاحب، مولوی عبدالباری صاحب وغیرہ بدستور

رابطہ عین بی بین قائم رہے، جو حرم سے دو فرلانگ کے فاصلے پر ہی بعض دوسرے رشتہاء بھی الگ الگ مکانات میں اٹھ گئے، لیکن جو جماعت بھر میں سب سے زیادہ کم ہمت اور بہانہ باز تھا، اُسے مع خاص اس کے چھ آدمیوں کے قافلہ کے، اللہ کے فضل و کرم نے حرم کے باب جبریل و باب النساء سے کل دس بیس گز کے فاصلے پر، مولانا سید احمد کے مدرسۃ الیتیمٰی سے متصل، مولانا ہی کے ذریعہ سے جگہ دلا دی، وہ کمزور و ناتوانوں کا رہا اپنے بہت ہمت مندوں کی شاید یوں ہی دستگیری کرتا رہتا تھا، مولانا سید احمد فیض آبادی کے احسانات و عنایات کا بیان کن الفاظ میں ہوا، محض انھیں کے لطف و توجہ نے قیام کا مسئلہ یوں حل کر دیا، اور اس کا پورا موقع بہم پہنچا دیا، کہ جتنی دیر تک اور جتنی بار جی چاہے، حرم میں حاضری ہوتی رہے اور پھر کھانے پینے اور ٹھننے بچھانے، اور ہر قسم کے سامان آسائش کی، جس اہتمام و التزام کے ساتھ، وہ ہر وقت خبر لیتے رہے، اس کی تفصیل اگر تحریر میں لائی جائے، تو یقیناً ایک گروہ اسے مبالغہ بیانی پر محمول کرے،

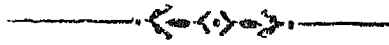
حرم کے دروازے نماز عشاء کے کچھ دیر بعد بند ہو جاتے ہیں، اور شب میں کسی کو اندر رہنے کی اجازت نہیں، الا یہ کہ خدام و محافظین سے مخصوص اجازت قبل سے حاصل کر لی جائے، کون ایسا بد نصیب ہے، جسے اس کی تمنا نہ ہوئی ہوگی، لیکن اس آرزو کے پورے ہونے کی آخر کیا صورت؟

حل این نکتہ ہم از دوسے نگار آخر شد!

لے اب یہ اجازت بھی نہیں مل سکتی،

ایک بار پھر اپنے انھیں فیض آبادی بزرگ اور ان کے حقیقی بھائی  
 حضرت مولانا حسین احمد صاحب کا نام لینا پڑتا ہے کہ ایک کے مکتوب  
 نے اور دوسرے کی زبانی گفتگو نے اغواتِ حرم، خصوصاً شیخ خلیل آغا کو  
 (جو حدیث میں موجودہ شیخ الحدیث دیوبند کے شاگرد بھی ہیں) ہر بات  
 کر دیا، اور ایک شب، کہ شبِ دو شنبہ تھی، قیام کی اجازت اس نامیہ  
 اور اس کے رفیقوں میں مولانا مناظر صاحب کو مل گئی، چند اور اصحاب  
 کو بھی جو سب کے سب ہندی ہی تھے، اسی شب اجازت ملی جن میں  
 قابل ذکر میر ننگ صاحب (مقدمہ سخن تبلیغ اسلام، انبالہ) اور حیدر آباد  
 دکن کے وکیل مولوی ابوالخیر خیر اللہ صاحب ہیں، یہ شب کس طرح گزری  
 اور کس نے کیا کیا کیا، اس کی شرح اخبار کے صفحہ پر لانے کی نہیں، صرف لوح  
 دل پر محفوظ رکھنے کی ہے، البتہ ایک بد نصیب ایسا تھا، جس نے اپنی ناقہ سی  
 سے اس شب قدر کو بھی بالکل ضایع کر کے رکھا، وہ صحن میں جا کر سویا بھی، اور  
 جتنی دیر تک جاگا، اتنی دیر بھی اس کا دقتِ غفلت ہی کی نذر رہا، وہ اپنی  
 محرومیوں اور کوتاہیوں کا گلہ کس سے اور کن لفظوں میں کرے، اسکندر کو  
 حضرت خضر جیسے رہبر کا ملے، اور چشمہ حیوان تک رسائی ہوئی، لیکن نتیجہ؟  
 یہ واقعہ دنیا کی تاریخ میں صرف ایک ہی بار، ایک ہی شخص کو پیش نہیں  
 آیا ہے، خدا معلوم کتنے سکندر ہیں، جنہیں ہر جگہ ہر وقت یہ پیش آتی رہتی  
 ہے۔۔۔۔۔ باقی اور بعض مہربانوں نے اس شب میں جو کچھ کیا  
 حکومت کے قانون، اور شریعت کے قانون دونوں کو جس طرح توڑا

آستانہ مبارک پر جس طرح سجدے کئے، اُس کے آستانہ پر سجدے کئے، جسکی  
 ساری زندگی کا منشا اسی انسان پرستی کو مٹانا تھا، اُن کی یا بت کیا کہا  
 جائے، اور بیسویں صدی عیسوی کا دور یا جو جی جو کچھ دکھا رہا ہے، اس کا  
 زونا کمان رو یا جائے!



# باب ۱۵

## انوارِ مدینہ

سجد نبویؐ کی زیارت ہو چکی، آستانہ نبوت پر سلام عرض کیا جا چکا، صدیق اور  
فاروقؓ کے دربار میں حاضری کے آداب بجالائے جا چکے، گھڑیاں اور گھنٹے گزر چکے ہیں  
آئین اور جاچکین، دن طلوع ہوئے اور ختم ہو چکے، لیکن ابھی وہاں حاضر ہونا باقی  
ہے، جہاں آدمی راست کو خواب اور آرام چھوڑ کر تشریف لیجانا اور اپنے مولا سے راز و  
نیاز میں مصروف ہو جانا، خود محبوب رب العالمین کو محبوب تھا، اس مقام کا نام کون  
مسلمان ہے، جسکو معلوم نہیں؟ اس جگہ کی حاضری، کون سادل ہے، جہیں اس کا راز  
نہیں، بہ بیت العزیز، یا عرف عام کے مطابق جنت البقیع وہ خاک پاک ہے، جہاں  
رسول صلعم کے چیمے اور لاڈلے، اللہ کے برگزیدہ اور پیارے، ایک دو نہیں، دس بیس  
نہیں، خدا معلوم کہتے اور کس تعداد میں، آرام فرما رہے ہیں، احرم نبویؐ سے کچھ زیادہ  
دور نہیں، مشرق کی جانب پیدل ٹٹلتے ہوئے چلے، تو آٹھ دس منٹ میں باسانی  
پہنچ جائے گا، آبادی سے الگ ایک نہایت وسیع چار دیواری، اور اس احاطہ  
کے اندر کیا بتایا جائے کہ کیسے کیسے گہر نایاب زیر خاک آسودہ ہیں! ادھر دیکھئے  
تو جگر گوشہ رسول صلعم ہر جزا دہ ابراہیمؑ، جو اگر زندہ رہتے تو نبی ہوتے، اور نورِ نظر

امام حسنؑ، اور دیکھئے تو دونوں صاحبزادیان حضرت رقیہؑ، و حضرت ام کلثومؑ، اور شہزادہ  
 کے تحت جگر امام زین العابدینؑ ایک طرف امت کی شفیق مائیں، مائی عایشہؑ، اور  
 مائی حفصہؑ، مائی زینبؑ اور مائی ام سلمہؑ اور تقریباً ساری اہلبیت مومنینؑ، اور دوسری  
 طرف عم رسولؐ عباسؑ اور عمرؓ رسول صلیحہؑ ایک گوشہ میں خلیفہ ثالث عثمانؓ و ذوالنورینؑ  
 اور ایک ٹکڑے میں عبدالرحمن بن عوفؓ، اور سعد بن ابی وقاصؓ، اور اگر ایسی روایات  
 بھی قبول کر لیجائیں جو اب تک تحقیق کے ہاں مستبول نہیں کی گئی ہیں تو خاتونِ حبیبہؑ  
 فاطمہؑ، اور امیر المومنین علیؑ مضمیٰ بھی!

ایسے ایسے آفتاب اور ایسے ماہتاب جہاں زیر خاک ہوں، اُس زمین کی نورانی  
 براگر خود آسمان بھی رنگ کرنے لگے، تو گس کو حیرت ہو سکتی ہے، اور یہ چند نام تو صرف  
 نمونہ کے طور پر دیے گئے، کہ ان سے اس خطہ صاحبین کی عظمت و نورانیت کا کچھ  
 اندازہ ہو سکے، ورنہ جہاں ایک نہیں چند نہیں ہزاروں صحابی آرام فرما ہوں، جہاں  
 بے گنتی شہداء و صدیقین مدفون ہوں، اور جہاں زمانہ صحابہ و تابعین سے لیکر اس  
 نیرہ سو برس کے اندر بے شمار اولیاء کاملین اور ابرار صالحین کی ایک پوری سستی  
 کی بستی آباد ہو چکی ہو، وہاں کے انوار و برکات کا احاطہ کرنا کس کے بس کی بات ہے؟  
 آج ان میں کوئی ایک ہستی بھی کہیں علیحدہ مدفون ہوتی، تو اس کا مزار مرجع  
 خلایق بن جاتا، اور اُس کے آستانہ پر ایک پورا میلہ لگا رہتا، لیکن یہاں وضو رسولؐ  
 کا جوار ہو، بجلی کے قمقمے بڑے روشن تھے، ستاروں کی روشنی شب تار کی تاریکیوں کو  
 کا فور کر دینے والی تھی، اور خوش حال ماہتاب ان سے روشن تر تھی، لیکن جب

آفتابِ عالم تاب طلوع ہوتا ہی، تو اُس کے پہلو میں، کون ایسا ہے، جس کی روشنی ماند  
 نہیں پڑ جاتی! آستانِ رسولِ صلح سے فرصت کس کو، اور فرصت ہو بھی تو دل کس کا کہ  
 بقیع تک جائے، خواہ اس کا فاصلہ چند ہی قدم ہی! اسی حصے میں دن گزرتے گئے،  
 اور ٹلنے لگے، لیکن بالآخر ایک روز صبح سویرے بعد نماز فجر، کہ وہ وقت بقیع میں ہجوم  
 کا بالکل نہیں ہوتا، حاضری کا ارادہ کر لیا، اور داغستانی صاحب کی رہبری میں چل  
 کھڑا ہوا،

بقیع کو جا کر دیکھا، اچھی طرح دیکھا، کاش نہ دیکھا ہوتا! کاش وہاں جانے کی  
 نوبت نہ آئی ہوتی، کاش وہاں کی حاضری، جہاں چند روز تک ملتوی ہوتی رہی  
 تھی، ہمیشہ ملتتی ہی رہی ہوتی! شاعر کا مصرعہ  
 ہمہ شوق آمدہ بودم ہر مردمانِ فخر!

پڑھا جا رہا تھا، معنی کا تحقق آج جا کر ہوا! شریعت کے قانون میں شاذ اور مقبروں اور  
 اونچے اونچے قبوں کی یقیناً گنجائش نہیں، قبروں کے پختہ کرنے تک سے نہی آئی ہے،  
 (گو وہ نہی، نہی تنزیہی سمجھی جائے، لیکن کیا قبورِ مسلمین کی توہین، چہ جائیکہ قبورِ صالحین  
 و صدیقین کی اہانت، کا حکم بھی کہیں وارد ہوا ہے؟ حکم نہ سہی، کسی امام نے اس کی  
 اجازت بھی دی ہے؟ بخدیون نے قیے گرا دیے، درست، قبریں بھی تمام ترک کر دی بنا دی  
 گئی ہو تھیں، تو حکومت کا ہاتھ پکڑنے والا کوئی نہ تھا، لیکن یہ کیا قیامت ہے کہ مقبرہ  
 صالحین کو گرسے ہوئے مکانات کا بلبلہ بنا دیا جائے، بلکہ (مسلمانوں کے کان اس سے  
 بھی زیادہ صاف صاف سننے کے لئے تیار ہیں!) اس کی ہیئت اس درجہ سخی کر دی گئی



کہ دیکھتے والوں کو، پاکوں کے پاک، دفن پر ہنوز بائیں ایک طرح کے مزملہ یا گھوسے کا دھوکا ہونے لگا، مین کے ٹکڑے، ٹاٹ کے سرٹے گلے ٹکڑے، بالوں کے کچھے اور اسی قسم کی دوسری چیزیں، جو عموماً گھوسے پر پھینک دی جاتی ہیں، ان پاک جھون کی پاک تر بتوں پر، کثرت کے ساتھ، پڑی ہوئی، اپنی انہیں آنکھوں سے دیکھنی پڑیں! بقیع کے مقابل ایک احاطہ کے اندر ہیں، احاطہ کا ایک پھاٹک ہے، پھاٹک پر سرگاہی پرہ رہتا ہے، ان پرہ داروں کا کام یہ ہے کہ زائرین کو ہر بدعت سے روکیں، لیکن بدعت کی بخوری تعریف میں قبورِ صالحین کی توہین، اور ان پر گندگی کا ڈالنا یقیناً داخل نہیں! گویا قبورِ صالحین کو اتنی گندی اور غلیظ حالت میں رکھنا (نوذبا) سنت و آثارِ سلف کے مطابق ہے!

امتِ اسلامیہ کی شور و خجیوں کی کوئی انتہا ہے، ایک طرف اگر محبت کا نام کہیں سے کان میں چڑ گیا ہے، تو دوسرے ”مزارات پر میلہ ہیں، راگ ہے، ناچ ہے، نشہ بازی ہیں، بدکاریاں ہیں، طواف ہے، سجدہ ہے، اچا در ہے، گاگر ہے، دوسری طرف اگر ”اصلاح“ اور ”بدعت شکنی“ کی بولی زبان سننے سے سیکھتی ہے، تو یہ بے ادبیاں ہیں بے احترامیاں ہیں، اہل متین ہیں، زندوں کی دلا زاریاں ہیں، اور مردوں کی تہنیں اور خواریاں ہیں! خدا اور نفسانیت کا دور دورہ ہے، فریقانہ جہنہ داریوں کی گرم باز آری ہے، کون کسے روک سکتا ہے، ہر زبان آزاد، ہر قلم مباح! ہر ہاتھ گستاخ!

خدا کا نام

جو گنہ کیسے انواب ہے آج!

ان مسطور کے پڑھنے والوں میں بہت سے ایسے ہیں جو دلسوزی و نیک نیتی کیساتھ  
 نجدی حکومت کے ہمدرد و خواہاں ہیں، اور ان میں سے بعض ان مسطور کے لکھنے والے  
 کے کرم و محضدوم بھی ہیں، ازراہ کرم وہ عالم انیب و الشہادۃ کو گواہ کر کے خود اپنے  
 قلب سے استفیاض کریں، کہ آج اگر امام احمد بن حنبلؒ زندہ ہوتے، اور امام احمدؒ سہی، <sup>فظ</sup>  
 ابن تیمیہؒ ان کے استاد شیخ ابن تیمیہؒ بھی ہوتے، تو وہ یقین کی اس گندی حالت کو گوارا  
 فرما سکتے تھے، جو چودھویں صدی کے نجدی "خوابلہ" نے اس کی بنا رکھی ہے، یہ تو ایسی  
 شے ہے، کہ بالعرض فقہ حنبلی نے اسے جائز رکھا ہوتا، تو بھی نجدی حکومت کو جمہور مسلمین  
 کے مذاق کی رعایت لازمی تھی، چہ جائیکہ جب فقہ حنبلی میں سرے سے اس بابت کوئی  
 حکم ہی نہ موجود ہو، مصابیح امت کی اہمیت اسی سے واضح ہے، کہ خود صاحب اثریت  
 علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کا لحاظ رکھا ہے، اور حکیم کو خانہ کعبہ میں شامل کرنے  
 سے اسی بنا پر اعراض فرمایا، کہ اس سے امت میں ایک تفریق اور فتنہ پیدا ہونے  
 کا احتمال تھا، پھر کسی غیر بنی کا جزئیات میں اس قدر غلو و تشدد اپنے اندر کیونکر  
 کوئی پہلو جواز کا رکھ سکتا ہے!

سعودی حکومت کے روشن پہلوؤں سے انکار نہیں، لیکن نہ ہو، کہ کسی اہل دل  
 کی زبان پر ایہ کریمہ قدسہما اکبر من فہمہما کا مصفون آجائے، اسکی ساری  
 خوبیاں ایک طرے اور جنب البقیع کی یہ ناقابل برداشت حالت تھا ایک طرف  
 کم سے کم، عام مسلمان تو اس مشاہدہ کے بعد اپنے دماغوں میں سعودی حکومت  
 کی کوئی خوشگوار یاد لے کر نہیں واپس ہو سکتے، اور حکومت کی فہرست جرائم کا

یہ آخری عنوان ہرگز نہیں، خود مسجد نبویؐ کے ساتھ جس بے انتہائی وسر دہری کا مستقبل برتاؤ قائم ہے، اُسے بھی کوئی کیسے بھلا سکتا ہے؟ مسجد میں قالین بچھے ہوئے ضرور دیکھے گئے، لیکن اول تو یہ سننے میں آیا کہ یہ قالین ہمیشہ نہیں بچھے رہتے، بلکہ صرف موسم زیارت بھر کے لئے بچھوادیئے گئے ہیں، باقی سال کے بیشتر حصہ میں محض چٹائی بچھی رہتی ہے، اور پھر جو قالین بچھے ہوئے دیکھے گئے، وہ اتنے بوسیدہ اور ایسے اونی درجہ کے تھے کہ مسجد نبویؐ تو الگ رہی، اگر دہلی کے جامع مسجد میں بھی بچھا دیئے جائیں تو بجائے زیب و زینت کے بدنائی اور بد زبانی کا سامان بن جائیں! یہ صحیح ہے کہ سودی حکومت ترکون کی سی دولت نہیں رکھتی، لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ سودی حکومت اتنی مفلس و نادار بھی نہیں، کہ مسجد نبویؐ کے لئے ایسے قالین بھی نہ ہم پہنچا سکے، جبکہ انتظام بھوپال، ٹونک، بھاؤل پور اور راپور کی مسلمان یاتین بدقت نہیں، بلا وقت، کر سکتی ہیں! اور تہافرش ہی پر موقوف نہیں، روشنی کا انتظام بھی ایسا ہی ناقص و اتر ہے، بجلی کا انجن خاص مسجد نبویؐ کے لئے موجود ہے، لیکن خدا معلوم انجن کا قصور ہے، یا انجن چلانے والوں کا، کہ روشنی اول تو بہت ناکافی ہے، جس وقت سارے قصبے روشن ہوتے ہیں، اس وقت بھی دھندلی ہی سی رہتی ہے، دوسرے بجلی کی دوبار بار "فیل" ہوتی رہتی ہے، بارہا ایسا اتفاق ہوا کہ تہجد کی آذان ہو گئی، اور وازون پر نمازیوں کا ہجوم ہے، لیکن چھٹاک اس لئے نہیں کھلتے کہ اندر اندھیرا گھپ پڑا ہوا ہے، اور روشنی کی رو کسی طرح آ نہیں چکتی! بجلی کی روشنی اور ایسا اندھیرا!

فرش اور روشنی کی بد انتظامی سے کہیں زیادہ تکلیف وہ وضو خانوں کی بد انتظامی ہے جس قسم کے وضو خانے اور حوض ہندوستان کی بڑی بڑی مسجدوں میں عموماً ہوتے ہیں، اس طرح کی کوئی چیز مسجدِ نبویؐ میں سرے سے موجود ہی نہیں، البتہ مختلف دروازوں کے باہر پانی کے ٹل کی چند ٹونیاں لگا دی گئی ہیں، یہ گنتی کی چند ٹونیاں اول تو کسی بڑے مجمع کے لئے کسی طرح کافی ہی نہیں ہو سکتیں، پھر اکثر تجربہ یہ ہوا کہ جن حوضوں میں یہ ٹونیاں لگی ہوئی ہیں، نماز کے وقت سرے سے وہ حوض ہی خشک ہیں! اور اگر ٹونیاں سے پانی آتا ہوا دیکھا بھی گیا، تو خدا جانے ٹونیاں میں کیا نقص ہے، کہ پانی نکالنا بہت قلیل مقدار میں ہے، اور بہت باریک دھار سے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جتنے وقت میں تین آدمی وضو کر سکتے ہیں، اتنی دیر ایک آدمی کو لگ جاتی ہے، اور ہجوم کی کشمکش میں پورا ادھور الٹا سیدھا، جس طرح بھی وضو کرنے کو لگتا ہے، وہ بچارہ اسی کو غنیمت سمجھتا ہے، وضو خانوں ہی کی طرح طہارت خانوں کے بھی کافی انتظام کی شدید ضرورت ہے، اور یہ سارے انتظامات ایسے ہیں جو تھوڑی ہی سی توجہ سے بغیر کسی غیر معمولی بارِ مصارت کے انجام پاسکتے ہیں، کاش سودی حکومت کو اس کی توفیق نصیب ہوتی، کہ اختلافی وزرائی جزئیات امور کو چھوڑ کر اپنی توجہ و التفات کامرکز انہیں معاملات کو بناتی، جبکہ متعلق، بلا نزاع و اختلاف، زائرین اور نمازیوں کے ہر فرقہ اور ہر طبقے سے ہے!

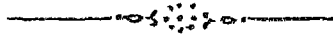
اپنے ملک کے فرقہ شیعہ کی حالت دیکھ کر خیال یہ ہوتا تھا کہ حج و زیارت کیلئے شیعہ تو جانتے نہ ہونگے، لیکن تجربہ سے معلوم ہوا کہ یہ خیال غلط تھا، ہندوستان

کے شیعہ تو بے شک برلے نام ہی تھے، لیکن عراق و خراسان کے شیعہ ہزاروں کی تعداد میں آئے ہوئے تھے، شیعوں کے مرقد علیحدہ ہیں، انھیں آداب زیارت وہی تلقین کرتے رہتے ہیں، "روضہ جنت" کے اندر شیعوں کو مین نے بکثرت نماز پڑھتے دیکھا، فردا فردا بھی اور اپنی جماعتیں بنانا کر بھی، اہل سنت کی پنجوقتہ جماعت کے وقت یہ لوگ الگ الگ ہوتے تھے یا اکثر باہر چلے جاتے تھے، بعض فراخ دل شیعہ ایسے بھی دیکھنے میں آئے، جو ستونِ عائشہؓ صدیقہ کے پاس کھڑے ہو کر دیر تک نمازیں پڑھتے رہے اور اپنے شیعہ دوست چودھری محمد علی ردو لوی کا یہ فقرہ مجھے کسی طرح نہیں بھولتا جو اس موقع پر انھوں نے فرمایا تھا کہ "بیوی عائشہؓ بیسی بھی ہوں بہر حال ہمارے رسولؐ کی محبوبہ تھیں" لیکن یہ حال سب کا نہ تھا، بیشتر تو یہ ہوتا رہتا، کہ یہ لوگ نہایت کیفیت جسم و لباس کے ساتھ کئی کئی کے غول میں آتے، اور جالیوں کو یا منبرِ رسولؐ کو بوسہ دینے کی کوشش کرتے، یہودی سپاہیوں کی نظر پڑ جاتی، اور وہ انھیں دھکیلتے اور کبھی کبھی مارتے بھی، یہ لوگ بھاگتے، اور سپاہی انھیں پکڑنے کو دوڑتے، یہ ماجرا عموماً خراسانی شیعوں کے ساتھ پیش آتا رہتا تھا، عراق کے شیعہ اپنے خراسانی بھائیوں سے ہم لباس میں ہر طرح بہتر ہوتے تھے، یہ لوگ مقابلہ پر آمادہ ہو جاتے تھے، اور سپاہیوں سے کلہ بکلہ لڑتے، غرض دونوں صورتوں میں، وہ مقدس جگہ جو صحنِ نماز اور عبادت، تضرع و الحاح کے لئے تھی، اور جبکا ادب و احترام فرشتے تک کرتے ہیں، خود امتِ محمدیہ ہی کے نادانوں کے ہاتھوں بے ادبیوں اور بدتمیزیوں کی تماشہ گاہ بن جاتی! ایسا ہی ہنگامہ مصری عورتوں کی زیارت کے وقت پر پاتا رہتا، ماشاء اللہ بڑی قد آور تو مندا چہرے کھلے ہوئے، لیکن اور ہر طرح پرستور

سر سے پیر تک سیاہ لباس میں ملبوس، غول کے غول آتی ہیں، اور آتے ہی جالیوں سے چٹ کر بوسہ دینا چاہتی ہیں، سودی سپاہی، عموماً جتہ کے لاغر و نحیف، بڑھکر بغین روکنا اور دھکے دینا چاہتے ہیں، لیکن اکثر خود ہی شکست کھاتے ہیں، اور اس ہاتھ پائی آیا دھاپلی میں، جو جو بد تمیزان، نادانستہ سی، عین مواہمہ مبارک یا بابالین مبارک پائیں مبارک میں سرزد ہوتی رہتی ہیں، خدا کرے کہ آئندہ کبھی نہ واقع ہوں، اور ان کے ذکر کرنے کی ضرورت کسی کو پیش نہ آئے،

بوسہ رون کے مختلف فرقوں، داؤ دیوں اور سلیمانوں کو، اور دوسرے اسلامی فرقوں کو اپنے اپنے طریقوں پر نمازیں پڑھتے اور زیارت کتے دیکھا، رحمت عالم کا دربار سب کی عقیدہ توں کام کر ہی، اختلافات جیتے ہیں، باہر ہیں، اندر نہیں، راہ میں ہیں، منزل مقصود میں نہیں، امام ابو حنیفہؒ ہوں یا امام شافعیؒ حضرت حیلانیؒ ہوں یا خواجہ امیرؒ، سب آستان رسالت تک پہنچانے کے واسطے اور ذریعے ہیں، حرم کے اندر داخل ہو کر، در رسولؐ پر پہنچ کر، نہ کوئی حنفی، نہ شافعی، نہ مالکی، نہ حنبلی، نہ اشعری ہے، نہ ماتریدی، نہ قادری ہے، نہ حشمتی، نہ صابری ہے، نہ مجددی، نہ مقلد، نہ غیر مقلد، سب صرف محمدؐ ہی ہیں، رسولؐ کی حیات میں صحابہؓ کا کیا مذہب تھا؟ کیا وہ غیر محمدی ہونے کے کچھ اور تھے؟ حضورؐ کے مواہمہ میں اپنے آپ کو کسی اور کی جانب منسوب نہ کرتی بڑی گستاخی، اور نادانی تھی؟ پھر آج جب آپ کی خوش نصیبی آپ کو ہر رسولؐ تک لے آئی ہے، اور آپ کو یقین ہے کہ آپ کا رسولؐ زندہ جاوید ہے تو یہ کتنی بڑی گستاخی، اور کیسی کھلی ہوئی نادانی ہوگی، کہ آپ، بنی کے ہوتے ہوئے کسی غیر بنی

کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑے رہیں، اور اس رشتہ پر فخر و ناز کرتے رہیں، راست کی تاریکیوں  
 میں بے شہمہ ہر روشنی ایک نعمت ہو، لیکن جب آپ آفتاب کے سامنے ہیں، تو اتنی  
 دیر کے لئے تو اپنی قذیلوں اور اپنی مشعلوں کو گل کر ہی دیجئے، اور ہو سکے تو آج سنے سرے  
 سے مسلمان ہو بیجے، اپنے اسلام کی تجدید کیجئے، اللہ اور رسول کے سامنے اپنے عہد و بیان  
 کو استوار کیجئے، اور اس کے ہاتھ پر سمیت کیجئے، جسکا ہاتھ قادر بر طلق کا ہاتھ، اور جس کی سمیت  
 خالق کائنات کی سمیت ہو، ان الذین یبالیعونک (نہا یا یعول اللہ، ید اللہ فوق  
 اید، یحمر، مبارک ہیں وہ جھینیں اس عہد کی توفیق نصیب ہو، مبارک تر ہیں وہ جھینیں اس  
 عہد پر ثابت قدمی نصیب ہو!



# باب ۱۶

## آثارِ مدینہ

مدینہ و حوالی مدینہ میں مقاماتِ زیارت کی کیا کمی، ذرّہ ذرّہ مقدس اور چہ چیز پر گاہ  
مردوں کے ہاتھ میں اپنے آپ کو دیدیجئے، تو خدا معلوم کتنے مقامات کی زیارت کر آئی  
مقبیہ مسجدین، پہاڑیان، کنوئین، ولادت گاہین، اور کتنے ہی اور مقدس آثار و مشاہد  
زیادہ مشہور زیارت گاہوں کے نام یہ ہیں، مسجد قبا، مسجد ذوالنبتین، جبل احد، میرابیس  
بیرومہ، مقتل شہدائے اُحد، ان میں سے کوئی مقام بہت زیادہ فاصلہ پر نہیں، عموماً دو  
دو چار چار میل کے اندر ہیں، اگر پیدل چلنے کی عادت و ہمت ہو، اور وقت کافی ہو، تو  
پا پیادہ ہی زیارت ہو سکتی ہے، ورنہ یہاں کی سواری جو عربی کمالاتی ہے، چند روپیہ کے  
کو ایہ پر آمد و رفت کے لئے طے ہو سکتی ہے، دوستوں اور رفیقوں نے اکثر مقامات  
پر حاضری دی، اور خصوصاً مولانا مناظر احسن صاحب تو ہمہ تن ذوق و شوق بنے  
ہوئے ہر جگہ

منسحق زہر گوشہ یا منتم

پر عمل کرتے رہے، اور ہر بابرکت زمین سے شرف ہوتے رہے، لیکن قافلہ میں کسی  
کاہل و بے ہمت ایسا بھی تھا، جو باوجود خاص طویل قیام کے کہیں نہیں نکلا، اور



اس کا نفس ہمیشہ یہ تاویل کرتا رہا کہ آستانِ پاک مسجد نبویؐ سے کہیں ہٹنا، آفتاب کو چھوڑ کر قندیلوں اور مشعلوں کی روشنی تلاش کرنا ہی، البتہ ایک مسجدِ قبا سے مستثنیٰ تھی، اس کی زیارت کی فضیلت کسی ظن و قیاس سے نہیں، نص سے ثابت ہے، اور حدیث میں وارد ہو چکا ہے کہ مسجدِ قبا میں نماز پڑھنے کا اجر، عمرہ کے اجر کے مساوی ہے، من تظہی فی بیتہ ثم اتی مسجد القباء فضلی فیہ مصلوٰ کان لہ کالجہ العصورۃ، اسلام میں جو مسجد سب پہلے تعمیر ہوئی، وہ یہی مسجدِ قبا ہے، حضورؐ صلعم نے مکہ سے جب مدینہ کو ہجرت فرمائی ہے، تو اول اول قیام اسی مقامِ قبا میں فرمایا اور یہیں اس مسجد کی تعمیر شروع فرمادی، اللہ اللہ! بڑے بڑے صدیقین اور ایک ایک بڑھکر اولیاء امت، یعنی حضراتِ صحابہ کرام جس مسجد کے مزدور اور مہارہون، اور جس کی تعمیر میں خود رسول کریم صلعم کا دست مبارک شامل ہوا، اس کی نورانیت اور اس کے تقدس کا کوئی اندازہ ہو سکتا ہے! بہت سے مفسرین اس جانب لگے ہیں کہ آیہ کریمہ لِمَسْجِدِ اُنْسَبَ عَلَیہِ عَلَی التَّقْوٰی من اولیٰ یوم احق ان تقوٰ فیہ میں جس مسجد کی مدح آئی ہے، وہ یہی مسجد ہے،

حدیث میں آیا ہے کہ عادت مبارک یہ تھی کہ ہر شنبہ کو اس مسجد میں تشریف لے جاتے تھے، ایک سچر کی صبح کو مولانا مناظر احسن صاحب کی رہنمائی میں اپنے چھوٹے سے قافلہ کو ہمراہ لیکر اس مسجد میں حاضری کے لئے روانگی ہوئی، شہر مدینہ سے کچھ ایسا زائد فاصلہ نہیں، مسجد نبویؐ سے تخمیناً ڈھائی میل ہوگی، جو راتیں ہمراہ تھیں، ایک اعرابی کرایہ پر کر لی تھی، اگر ایہ یوں تو بہت ارزان رہتا ہے، لیکن حج و زیارت کے

موسم میں قدرۃ بڑھ جاتا ہے، آمدورفت کیلئے غالباً آٹھ روپے طے ہوئے، شہر سے باہر نکلے، تو دیہات کا سا سمان نظر آیا، کھجور کے درخت اور باغ ہر طرف لگے ہوئے، اکثر نہایت سرسبز و شاداب، عرب کی خشکی پر ہندوستان کی شادابی کا دھوکا ہوتا تھا، راستے بھر چھپے لوگوں اور لڑکیوں کی ٹولیاں نعمت و سلام کے اشعار پڑھتی ہوئی، اور گاتی ہوئی، کثرت سے ملتی رہیں صبح کا سہانا وقت، ہر طرف سناٹا، معصوموں کی زبان کا پیارا لب و لہجہ، ہر قلب متاثر، اور ہر روح کو وجد، تھوڑی دیر میں یہ سفر ختم ہو گیا، سجدہ قبا خاصہ بلندی پر واقع ہے، اچھی خاصی وسیع عمارت، سفید رنگ، پرانی وضع کی بنی ہوئی، ہر قسم کے شہنشاہی و آرایش سے خالی، سادگی کی موثر تصویر، یہاں نہ کسی ہجوم کا ٹھکانا، نہ کسی چھاپش کا اندیشہ، پورے سکون و اطمینان، بیسویں و فرخ خاطر کیسا تھا جہاں بتنی دیر تک چاہیئے، نمازین پڑھئے، سجدے کیجئے، عبادت کرتے رہتے، صبح میں ایک مسقف چوتھرہ، اور اس پر عربی میں یہ عبارت لکھ دی کہ یہ وہ جگہ ہے، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی ٹھہری تھی، ذرہ ذرہ آنکھوں سے لگانے کے قابل!

یہ وہ جگہ ہے، جہاں اللہ کے سب سے زیادہ تعریف کرنے والے، اور سب سے زیادہ تعریف کئے گئے بندہ کو اس وقت پناہ ملی تھی، جب اس کے وطن و ملے اس کے خون کے پیاسے ہو چکے تھے، غنی عن العالمین کی شان بے نیازی کا کوئی ٹھکانا ہے! پناہ اسٹے ہوئے پڑی تھی، جو خود اس واسطے بنایا گیا تھا، کہ سارا عالم اس کی پناہ میں آئے! رسول صلعم کی زندگی کے آئینہ میں امت کی ساری تاریخ کا عکس دکھایا گیا، جس رسول صلعم پر ایک روز کہہ کی زمین تنگ کر دی گئی تھی، آج اس کی امت پر عرصہ عالم

تنگ ہی! رسول صلعم کی جان کے دشمن ایک ابو جہل اور ایک ابولہب تھے، رسولؐ کی عزت کے، رسول صلعم کے پیام کے، رسول صلعم کے دین کے دشمن آج خدا معلوم کتنے ابو جہل اور کتنے ابولہب پیدا ہو گئے ہیں، اُن کی دشمنانِ حق کا خاتمہ ہلاکت و بربادی پر ہوا تھا، کیا یہ بیسویں صدی عیسوی کے روشنیال ابو جہل اور ابولہب ہمیشہ ملت ہی پاتے رہیں گے؟ مکہ کے مہاجر کو اپنے رب کا نام پکارنے تو جید کا کلمہ بلند کرنے کو قبا کا ایک ٹھکانا مل گیا تھا، کیا اسی محبوب کی امت کی قسمت میں کوئی قبا نہیں اور کیا اُسے خدا نخواستہ ہمیشہ بھٹکتے ہی رہنے دیا جائیگا!

سجد نبویؐ میں ایک روز حاضر تھا، عصر کی جماعت کے بعد سلام پھیرا، تو ایک صاحب نے ایک دستی خط لا کر دیا، حیرت ہوئی کہ یہاں خط بھیجے والا کون، لغافہ کھول کر پڑھا، تو امیر مدینہ کا کریمانہ مدیر جدیدہ سچ کے نام تھا، کہ جلالت الملک سلطان عبدالعزیز ابن سعود ریاض سے لکھ جاتے ہوئے مدینہ سے گزریں گے، اُن کے ورود مدینہ کے دن اسے پہر کو امیر مدینہ کی طرف سے اُن کی دعوت ہوگی، اس میں شریک ہو، مزید حیرت ہوئی کہ مدیر سچ نے تو یہاں اپنے تئیں مخفی و گمنام رکھنے کا پورا اہتمام کر لیا تھا، اُس کے وجود کی خبر سرکاری حلقوں کو کیونکر ہو گئی، بہت کھوج لگایا، کچھ پتہ نہ چلا، اب سوال یہ پیدا ہوا کہ آیا اس دعوت نامہ کو قبول بھی کرنا چاہئے؟ جس نے آغاز سفر حج سے اخبارات کا پڑھنا تک یکلفت ترک کر دیا ہو، اس کے لئے ایسے سرکاری مجمع اور شاہی دعوت میں شرکت آسان نہ تھی، کافی تشکیش رہی، جیس جیس اور ایک بزرگ دوست کے مشورہ کے بعد بالآخر طے یہ پایا، کہ جب

خود اسی طرف سے تحریک ہوئی ہو تو چلنا چاہئے اور سلطان سے مل کر مسجد بنوئی اور  
 بقیع وغیرہ سے مستقل جو زیادتیاں، بد انتظامیاں، اور بے تمیزیاں مشاہدہ میں آچکی  
 ہیں، سب ان کے گوش گزار کر دینا چاہئے، یہ سوچ کر تمام اصلاح طلب پہلوؤں  
 کی ایک مفصل یادداشت قلمبند کر لی، اور مولانا مناظر احسن صاحب سے اس کا دعویٰ  
 ترجمہ کرایا کہ ملاقات کے وقت، ایک مختصر تھیدی گفتگو کے بعد اسے سلطان کی  
 خدمت میں پیش کر دیا جائیگا، سلطان کی آمد ایک مدت تک برابر ملتوی ہوتی رہی  
 آخر کار ایک صبح کو انکا ورود ہوا، اور اسی روز بعد عصر وہ دعوت ہوئی، دعوت کا  
 مقام وہ تھا، جہاں حجاز ریلوے کا اسٹیشن بنا ہوا ہے، اتفاق سے فوراً بعد عصر بارش  
 شروع ہو گئی، کچھ دیر یوں ہوئی، اور پھر جب بارش کے ٹپکے ہوتے ہی، مولانا مناظر کو  
 بطور ترجمان اپنے ہمراہ لیکر روانہ ہوا ہوں تو مقام دعوت کا فاصلہ اندازہ سے بڑا  
 نکلا، غرض جب پہونچے ہیں، تو وقت معینہ سے کچھ دیر ہو چکی تھی، اسٹیشن کی عمارت  
 جھنڈیوں وغیرہ سے خاصی آراستہ تھی، صحن میں فوج پولیس، چوکی پہرہ کا ہر طرف  
 انتظام بدوی سادگی کے دیکھنے کی حسرت ہی رہ گئی، آرائشیں اس درجہ کی تھیں،  
 جیسے ہندوستان میں اوسط درجہ کے دایان ریاست کے دربار کے موقع پر ہوتی  
 ہیں، دعوت اندر بڑے ہال میں ہو رہی تھی، اور دروازوں پر بجائے اس کے کہ  
 میزبان یا ان کے نائب، مہمانوں کے استقبال کے لئے کھڑے ہوتے، بندوق اور  
 سنگین لئے پہرہ دار موجود تھے! ہم لوگ جب پہونچے اور ہال کے اندر جانا چاہا،  
 تو ایک پہرہ دار نے، کہ نہ ہم اس کی زبان سمجھ سکتے تھے، اور نہ وہ ہماری، جانے  
 سے روک دیا، عربی اخلاق و میزبانی کا یہ تجربہ شاید بخدسی دور سے شیرکشی کو نہ ہوا

مجبوراً برآمدہ مین کرسیوں پر بیٹھ گئے، کچھ دیر کے بعد سلطان مع اپنے رفقاء کے  
 کھانے سے فارغ ہو کر برآمدے مین آئے، اور ایک آراستہ صوفہ پر جلوس فرمایا، سلطان  
 کے لباس و وضع مین واقعہ کوئی امتیازی شے نہ تھی، ان کی اس ذاتی سادگی کی  
 مداح جس قدر بھی دیجائے، درست ہے، ان کے اسٹاٹ کے لوگ ان سے کہیں زیادہ  
 نازق برق لباس مین تھے، اور اگر کوئی بتانے والا نہ ہوتا، تو محض وضع و لباس  
 سے سلطان کو پہچانتا ممکن نہ تھا، کاش جس طرح سلطان کا لباس اور ظاہر سادہ ہے،  
 ایسی ہی سادگی حق تعالیٰ انھیں زندگی اور اخلاق کے ہر شعبہ مین نصیب کرتے ہیں،  
 بہر حال سلطان جب صوفہ پر آکر بیٹھ لئے تو لوگ ان کے سامنے پیش ہونے لگے، ہم  
 لوگوں نے اس وقت پھر اپنے میزبان امیر مدینہ کو تلاش کرنا شروع کیا، کہ جھون نے  
 خط بھیج کر مدعو کیا تھا، وہ دعوت کے بعد ہی سہی، کم از کم مل تو لین تلاش ناکام نہی  
 کافی انتظار کے بعد، مجبوراً ہم دونوں پر دیسی خود ہی، بغیر کسی تعارف کرنے والے  
 کے، ہمت کر کے سلطان کے صوفہ کی طرف بڑھے، اور قریب پہنچ کر السلام علیکم  
 کہا، سلطان نے وعلیکم السلام کہا، اور کھڑے ہو کر مصافحہ فرمایا، ہم لوگوں نے  
 اپنا تعارف دیا، اپنی تعریف؟ خود کرنا چاہا، لیکن ابھی زبان سے صرف دو لفظ ارغی  
 ہند ہونے پہنچے پائے تھے کہ شاہی چوہدار نے ہاتھ پکڑ کر ہم لوگوں کو فوراً کھینچ لیا، اور  
 کہا کہ یہ گفتگو کا محل نہیں، ہم لوگوں نے ہر چند سمجھنا چاہا، کہ ہماری حاضری کا مقصد  
 ہی ضروری گفتگو کرنا تھا، لیکن بھلا وہ چوہدار صاحب ہمارے سمجھائے کیا سمجھ سکتے  
 تھے، اتنے مین دوسرے لوگ سلطان کے سامنے پیش ہونے لگے، اور بہن ایک بار پھر  
 جبراً صبر اختیار کرنا پڑا، اتنے مین سلطان کا موڑ آگیا، اور وہ سوار ہو گئے، آخری بار

امیر مدینہ کی تلاش پھر شروع کی، اور ابکی وہ مل گئے، ہم نے ان کے سامنے ساری سرگذشت سنائی، بغیر کسی اظہارِ تاسف و معذرت کے فرمایا کہ آج تو موقع نہیں رہا اور کل سلطان چلے جائیں گے، البتہ کل صبح اگر آجاؤ، تو ملاقات کر دوں گا،

مشیت الہی میں جو کچھ ہوتا ہے، وہی ہو کر رہتا ہے، طبیعت کچھ خراب پہلے ہی سے تھی سلطانِ دعوت گاہ سے واپسی پر طبیعت زیادہ بگڑ گئی، اور شب میں اچھا خاصہ تیز بخار ہوا، ضعف اس درجہ ہو گیا، کہ سلطان کے ہاں جانے کا کیا ذکر کوٹھے سے اترنے اور عشاءِ فجر کی نماز میں جماعت کے لئے مسجد نبوی تک حاضر ہونے کی سکت باقی نہ رہی، مجبوراً صبح کو ایک مختصر خط مولا نامناظر احسن سے عربی میں لکھوا کر، سلطان کی خدمت میں بھیج دیا، جو صاحب لیکر گئے تھے، انکا بیان ہے کہ سلطان نے پڑھ کر اپنے ایک سکریٹری کو دیدیا، اور فرمایا "اسے رکھ لو، مکہ میں حج کے زمانہ میں یاد دلانا، اس وقت ان صاحب سے ملاقات کر دوں گا اور اسی واقعہ پر سلطان و گدا کی تمام ملاقات تمام ہوئی، یادداشت جو ان کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے لکھی گئی تھی، اس کا لکھنے والا محض سچ کا مدبر ہی نہ تھا، بلکہ خلافتِ کبیری کا بھی ایک خادم تھا، اور یہ دونوں جہتیں اس میں واضح کر دی گئی تھیں، لب و لہجہ میں آداب شاہی کا پورا لحاظ کر لیا گیا تھا، اور اس کا شاہد یہ بھی نہ آئے پایا تھا کہ سلطان کی کسی قسم کی اہانت ہو، ادب کے ساتھ، اصلاح طلب امور کی فہرست نمبر وار درج تھی، اور آخر میں پورے زور کے ساتھ یہ گزارش کی گئی تھی، کہ مسجد نبوی، مقصورہ شریف، جنت البقیع وغیرہ پر سارے اسلامی فرقوں کے یکساں حقوق ہیں، اس لئے یہاں کے آداب زیارت و انتظامات میں برتری

فراخذلی سے کام لینا چاہئے، اور تا بہ امکان ہر فرقہ کے یہاں تک کہ گمراہ و باطل اسلامی فرقوں کے، عقائد و معمولات کی رعایت، تا وقتیکہ وہ صحیح اصول اسلامی سے معارض نہ ہوں، رکھنی چاہئے، اور دولتِ حجاز کے محکمہ مذہبی کی خدمت میں یہ مشورہ پیش کیا گیا تھا، کہ دوسرے اسلامی ملکوں کے متدین و مصلحت فہم علماء سے برابر مشورہ جاری رکھنا چاہئے، ہندوستان کے گروہِ اعظم، اہل سنت میں خدا کے فضل سے متحد بزرگ ایسے موجود ہیں، جو دولتِ حجاز پر خود یہ کی مشکلات میں اضافہ کئے بغیر، اس باب میں اسے بہترین مشورہ دے سکتے ہیں، چائنشین شیخ المذہب حضرت مولانا حسین مدظلہ صدر جمعیتہ العلماء مولانا مفتی کفایت اللہ جماعتِ اہلحدیث کے ممتاز فاضل مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری، مصنف ”رحمۃ للعالمین“ شیخ الاسلام ”ملکیتِ اقصیہ مولانا شروانی، شیخ الحدیث جامعہ عثمانیہ مولانا مناظر حسن گیلانی، فاضل محرم مولانا سید سلیمان ندوی، اور اسی قسم کے دوسرے صاحبِ علم و صاحبِ نظر علماء اہل سنت سے اگر حکومتِ حجاز، آدابِ زیارت وغیرہ کے باب میں مشورہ کرتی رہے، تو ہندوستان کے مسلمانوں کے ایک خاصے بڑے گروہ کے دل میں اس کی طرف سے جو تلخیاں پیدا ہو رہی ہیں، وہ یقیناً بڑی حد تک دور ہو سکتی ہیں،

اس قسم کے تذکرے جو بار بار اس سفرنامہ میں آ رہے ہیں، اس سے اگر ایک طرف لوگوں کو صحیح حالات اور ضروری معلومات سے باخبر کرنا ہو، تو دوسری طرف حکومتِ حجاز اور اس کے موافقوں کو خود اپنی فلاح و اصلاح پر توجہ دلانا ہو، لے انوس ہو کہ قاضی صاحب نے شکمہ حج سے واپس ہوتے ہوئے ہماز میں انتقال فرمایا،

اور یہ جو کچھ لکھا جا رہا ہے، حاشا بخدیون کی مخالفت و عناد میں نہیں، انکی بدنامی و رسوائی کے لئے نہیں، بلکہ انکی سچی دوستی اور حقیقی خیر اندیشی میں، وہ لاکھ برس سہی، پھر بھی بہر حال کلمہ گو ہیں، دائرہ اسلام سے خارج نہیں، غلطی ہیں، کافر نہیں، نادان ہیں، باغی نہیں، بھائی ہیں دشمن نہیں، انکی رسوائی مسلمانوں ہی کی رسوائی ہی، انکی پردہ دری کر کے خوش ہونا، محمد کا کلمہ پڑھنے والوں کی پردہ دری پر خوش ہونا ہے، خانہ جنگی قابلِ داد کبھی بھی نہ تھی، لیکن آج تو اس سے بڑھ کر شاید ہی کوئی گناہ ہو آج وقت نجدی و حجازی کی آویزش کا، حنفی و جنلی کی جنگ کا، اہل سنت و اہل بدعت کی کارزار کا نہیں، وقت تو اس کا ہے، کہ یہ سب ملکر، یا جو ج کی اس بے گنتی اور بے تعداد لشکر سے مقابلہ کریں، جو بے شمار ناموں اور نشانوں کیساتھ، بے حساب لباسوں اور نقالوں کے ساتھ، ہر سمت اور ہر جہت سے ہر پہلو اور ہر گوشہ سے، من کل مدب میں سلون اللہ کے دین پر، رسول کی شریعت پر، اسلام کے پیام پر حملہ آور ہو رہا ہے، اور جس کی زد سے نہ ہندوستان محفوظ ہے نہ نجد، اور نہ مرکز اسلام کے وہ مقدس و محترم مقامات۔۔۔۔۔ نام لکھنے کی جرات قلم کہاں سے لائے۔۔۔۔۔

جن کے شرف سے اسلام کا شرف قائم، اور جنکی عظمت سے اسلام کی عظمت وابستہ ہے! جہاد کی ضرورت ان کے مقابلہ میں نہیں، جھٹون نے عثمان غنیؓ کے قبہ مزار کو گرایا اور فاطمہؓ زہراؓ کی تربت کو کھنڈر بنا دیا، جہاد ان پر کرنا ہے، جو عثمانؓ و فاطمہؓ کے دین کے دشمن ہیں، جو قبہ عثمانؓ کو نہیں، خود عثمانؓ کے کارناموں کو فنا کر رہے ہیں، اور جو تربت فاطمہؓ کی نہیں، خود فاطمہؓ کی تحقیر اور بے وقعتی و لون میں پیدا کر رہے ہیں!



اہل دل بزرگوں اور نیک نفس دوستوں کی ایک جماعت، حسرت و تاسف،  
 خلوص و ہمدردی کے اوج میں زیر لب کہہ رہی ہو کہ شاہد مبرا کے انوار و برکات کی  
 شرح کرنے کے بجائے، یہ بے محل سیاسی رجحانوں کی کسی شروع ہو جاتی ہیں لیکن  
 بزرگوں اور دوستوں کوئی یہ بتائے کہ کلمہ توحید کی بنیاد نفی غیر اللہ پر کیوں ہو؟  
 اور اللہ کے اقرار سے بھی پہلے آخر غیر اللہ کی نفی کیوں؟ اس قدر ہم سمجھ گئی ہیں؟  
 انوار و تجلیات کا شاہد جنہیں ہوتا ہوگا، ہوتا ہوگا، ایک عالمی اور دینا دار تیار کار  
 اس کی توقع ہی کیوں قائم کی گئی، وہ تو وہی لکھے گا، جو کچھ اُس نے خود محسوس کیا  
 اس کا مال گھٹیا سہی، ناقص سہی، ادنیٰ درجے کا سہی، لیکن ہر حال اُس کا اپنا مال  
 ہوگا، کیا دوسروں کا حسن ظن قائم رکھنے کے لئے صوفیوں کی بول چال کی نقالی شروع  
 کر دی جائے؟ کیا خود وہ بزرگ اس سے خوش ہوں گے، کہ اُن کے خوش کرنے کے لئے  
 جھوٹے موٹی گشتیوں میں لگا لگا کر پیش کئے جانے لگیں؟ یہاں تو مسجد نبویؐ کے ہر  
 ستون اور ہر محراب سے ایک ایک در اور ایک ایک دیوار سے، قبا کی ایک ایک  
 اینٹ سے، یقین کے ذرہ ذرہ سے، شہر مدینہ کے چہرے سے ایک ہی پکار سنائی دے  
 اور وہ پکار من انصاف ہی الی اللہ کی تھی! ہر جگہ ایک ہی جلوہ دکھائی دیا، او  
 جلوہ دین کی تعافضے نصرت کا تھا! آج اللہ کے بجائے یا جوج کی الہیت و الوہیت  
 کا کلمہ ہر جگہ بڑھا جانے لگا ہے، عدالتوں میں حاکم مسلمان بنائے جاتے ہیں، اور ان  
 مسلمان حاکموں سے شریعت کے فیصلوں میں ترمیم کرائی جاتی ہے، کوئٹہ میں مبرا  
 مسلمان لئے جاتے ہیں اور ان مسلمان مبروں کی تجویزوں اور تقریروں سے شریعت  
 کی دھجیاں اڑائی جاتی ہیں، وزارت و امارت کی کرسی پر مسلمان بٹھائے جاتے ہیں

اور ان مسلمان امیر دن اور وزیروں کے احکام سے شریعت کو توڑا جاتا ہے، یونہی رہتا  
 اور درگاہیں مسلمانوں کی قائم کرائی جاتی ہیں، اور ان مسلمان ماہرین فن کے مقابلہ  
 و مضامین سے شریعت پر قہر لگائے جاتے ہیں، جب وطن و جب قوم کا جذبہ مسلمانوں  
 میں پیدا کرایا جاتا ہے، اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ترکِ ترکیت کی، مصری مصریت کی پرستش  
 شروع کر دیتے ہیں، اور ہندی مسلمان بھی اپنے اسلام کو چھوڑ کر اپنی ہندیت پر فخر و غرور  
 کرنے لگتا ہے، اقوالی کی محفلین بہت دیکھ لیں، بقیہ نظمین بہت سن لیں، شعرو شاعری  
 بہت ہو چکی، اب اللہ کے ہاں سے پکار ہی تو یہ، اور محمدؐ کے دربار سے طلب ہی تو اس کی  
 کہ کچھ اللہ کے بندے، اور محمدؐ کے اہل اٹھیں، اور دین کی غمخت سے مست و دیوانہ  
 ہو کر، دوستوں اور عزیزوں سے بیگانہ بن کر، یا جو ج کے لشکر کے مقابلہ میں صفِ جہنم  
 ہو کر، کافکھم بنیانِ موصوع، باہر نکلیں، اور اس ہاری ہوئی لڑائی میں حق کا علم  
 بلند کر کے، اپنے سراور اپنی جا میں نذر کوین !

## باب ۱۱

### دیبا ریلیٹ

مدینہ شہر کی موجودہ بستی کچھ ایسی بڑی نہیں، آبادی ہندوستان کے چھوٹے شہروں یا بعض بڑے قصبوں کے برابر ہوگی، سنتے ہیں کہ کسی زمانے میں آبادی کی وہ کثرت تھی، کہ راستہ چلنا مشکل تھا، لیکن جس وقت سے ریل کے قدم آئے، حجاز ریلوے کا اسٹیشن کھلا، اور شام سے ریل کی آمد و رفت شروع ہوئی، اُس وقت پہلے تو اخلاق و قلوب کے عالم میں انقلاب آیا، اور جو چھپ چھپا کر بھی نہ ہونا تھا وہ کھلے خزانہ ہونے لگا، اور پھر وہ زبردست مادی جھٹکے لگے، کہ ساری آبادی تباہ ہو کر رہ گئی، تو کی حکومت کی بربادی، شریعی دور، بخدی دور، ہر سیاسی جہنم کا پہلا ہدف اسی شہر کو بننا پڑا، اور اس وقت مدینہ دنیا کے مظلوم توین شہروں میں ہی، پیٹے اور مدینہ والے پیٹے کا قول بالآخر پورا ہو کر رہنا تھا، کہ ظہورِ دجال کے وقت بیت المقدس آباد ہوگا، اور مدینہ تباہ، بیت المقدس کی آبادی اور دوافرِ رونق و آبادی سب دیکھ رہے ہیں، پھر مظلوم مدینہ کی تباہی و بربادی پر حیرت کیون ہو؟ — لیکن شہر آباد ہو یا برباد، آبادی خواہ بڑھے خواہ گھٹے، بس ایک مدینہ والا، سلامت رہے، کہ اُس کے طفیل میں مدینہ بھی ہمیشہ سلامت ہی رہے گا،

شاعر نے کہا ہے، ع

لیکن کی خیر ہو یا رب مکان رہ نہ ہو  
لیکن ممکن اگر سلامت ہو، تو مکان کی سلامتی بھی یقینی ہے، اور پھر بھلا کون  
ایسا مکان ہوگا، کہ سارا عالم تو اُس کے نگین کی برکتوں سے ہمک رہا ہو، اور خود  
وہی مکان محروم رہ جائے!

صاحبِ جذبِ اقلوب نے ایک مستقل باب فضائلِ شہر مدینہ کا باندھا ہے، اور اس کی  
افضلیت پر مفصل عقلی و نقلی دلائل قائم کئے ہیں، لیکن وحقیقت اس تفصیلی بحث کی سزا  
سے ضرورت ہی نہیں، جن کے پہلو میں دل ہو، ان کے لئے تو بس یہی ایک دلیل  
سب سے بڑی دلیل ہے، کہ انکا محبوب آقا، اور ان کے رب کا محبوب ترین بندہ  
اس سرزمین پر آرام فرما رہا ہے۔

خاکِ یثرب از دو عالم خوشتر است  
اے خاکِ شہرے کہ آنجا دلبر است

ادرجن کے سینہ میں دل ہی نہیں، ان کے لئے دلیل و بحث کے دفتر کے دفتر  
بھی بیکار ہیں، تنہا ہی میں مولانا نے ایک حکایت لکھی ہے، کہ کسی کنوین کو ایک  
دیو زاد نے اپنا مسکن بنا لیا تھا، اور جو کوئی، اس کنوین کے اندر اترتا، اس سے وہ  
سوال کرتا، کہ بہتر شہر کون ہے، ہر شخص اپنی اپنی پسند کے موافق کسی شہر کا نام لیتا  
اس پر وہ ناخوش ہو کر اسے وہیں بند کر لیتا، اور باہر نہ نکلتے دیتا، آخر میں ایک مرد  
دانا اترتا، اور اس سے جب حسب معمول وہ سوال ہوا، تو اس نے جواب میں کہا، کہ

”جہان اپنا محبوب موجود ہے، وہی مقام سب سے بہتر ہے“ اس جواب پر وہ دیوڑا خوش ہوا اور خوشی میں اگر تنہا اُسی کو نہیں، بلکہ سارے قیدیوں کو بھی رہا کر دیا، پس مومن کیسے تو اسی قدر کافی ہے کہ یہ شہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر ہے، اور یہی وہ شہر ہے جس کا نام طابہ (پاک) پاکیزہ چھا کسی بندہ نے نہیں، بندوں کے پروردگار نے رکھا ہے،

ان الله تعالى سمى المدينة طابة.

اور ”پاک“ کی شرح میں المؤمنین نے لکھا ہے کہ مدینہ کفر و شرک کی نجاستوں سے پاک ہے، مدینہ والوں کے ساتھ جس نے دھوکہ بازی کی، وہ خود دھوکا کھا گیا جس نے انکی بدخواہی کی، اس نے خود اپنی بدخواہی کر لی، جس نے انھیں تباہ کرنا چاہا، وہ خود تباہ ہو کر رہا، حدیث میں آیا ہے کہ وہ اس طرح گھل جاتا ہے، جس طرح نمک پانی میں گھل جاتا ہے، بخاری و مسلم کی روایت کے الفاظ کا یکید اصل المدینۃ تا حد الا انما کما انما انما الملم فی الماء، یا بوج کے دو درمیں سب کچھ ہوگا، اور سب کے نتیجے میں ظاہر ہو کر رہیں گے، سختیاں اور ناگواریاں کہاں نہیں پیش آتیں؟ لیکن اس ارض محبوب کی سختیاں بھی رحمتیں ہیں، اور یہاں کی ناگوار یوں کو گوارا بنالینے والوں کے لئے وہ انعام اور قطعی نفع ہے، جس کی تمنا ہر مسلم کے سینہ میں ہے، ارشاد ہوتا ہے، بروایت صحیح مسلم کہ۔

لا یصبر علی الاذاع المدینۃ وشد تھا | میری امت میں کوئی ایسا نہیں کہ وہ مدینہ کی سختیوں  
احد من امتی الا کنت لہ شفیعاً یومہ | اور محنتوں پر صبر کرے اور میں قیامت کے دن انکی  
القیقۃ، | شفاعت کرنے والا نہ ہوں۔

اب اس کے بعد بھی کوئی مرتبہ باقی رہ جاتا ہے، ایک دوسری روایت میں یوں آتا ہے۔

من سكن المدینة وصبر علی بلائها | جس نے مدینہ میں سکونت اختیار کی، اور یہاں کی  
كنت له شفیعاً یوم القیمة | بلاؤں پر صبر کیا، تو میں قیامت کے دن اس کی شفاعت  
کرنے والا ہوں گا،

استے بڑے انعام کے وعدے کے بعد کچھ حیرت نہ کرنا چاہئے، اگر مدینہ میں رہتوں  
بچنے کے بجائے، اور دوڑ دوڑ کر زحمتوں میں اپنے تئیں ہنسی خوشی مبتلا کیا جائے لگے، اور  
یہ سختیاں اور ناگواریاں تو انکو پیش آ سکتی ہیں جو اس سرزمین پر زندہ رہیں، لیکن اگر  
یہیں موت آجائے تو؟ اس "تو" کا جواب بھی سچی بشارتیں دینے والے کی سچی زبان  
سے سینے۔

من مات فی احد الحرمین بعثنا اللہ | جس شخص کی وفات کہ یا مدینہ میں ہو جائے، وہ  
من الامنین یوم القیمة، | قیامت کے دن ان لوگوں میں اٹھیکا جو بخوف ہوئے

اور بعض احادیث میں بجائے حرمین کے صرف مدینہ کا لفظ آیا ہے، من  
مات بالمدینة كنت له شفیعاً یوم القیمة اور بعض روایات میں اسے محض بطور  
خبر کے نہیں بیان فرمایا گیا ہے، بلکہ مدینہ میں مرنے کی رغبت بھی دلائی گئی ہے،

من استطاع ان یعوت بالمدینة فلیمت | جس کے لئے یہ ممکن ہو کہ وہ مدینہ میں آکر وفات پائے  
فمن مات بالمدینة كنت له شفیعاً | تو اُسے چاہئے کہ یہیں آکر مرے، اس لئے کہ جو یہاں  
وشہیداً، | مرے گا، میں اسکا گواہ اور شفیع ہوں گا،

اس سے ملتے جلتے ہوئے مضمون کی متعدد احادیث ہیں، اور صحابہؓ کو ام براہرہ  
میں اپنے مرنے کی دعائیں اور آرزوئیں کرتے رہتے تھے، پس جس شہر میں جیتا، اور  
پس شہر میں مرنا، دونوں اس قدر مبارک ہوں، کس کو وہاں حاضر ہونے اور حاضر

رہنے کی تمنا نہ ہوگی؟

یوں تو سال کے بیشتر حصہ میں سناٹا چھایا رہتا ہے، دوکانیں بند، بازار سرد، مکانات مقفل رہتے ہیں، لیکن موسم حج میں تین چار مہینے کے لئے ابھی خاصی پہل پہل ہو جاتی ہے، اور سڑکوں اور بازاروں میں خاصا مجمع رہنے لگتا ہے، ذوی الحجہ کی ۱۲، ۱۳ تا بیچ سے حاجیوں کے قافلے، ماشاء اللہ بہت بڑی تعداد میں آنے لگتے ہیں، اور یہ مجمع آخر محرم تک قائم رہتا ہے، شوال و ذیقعدہ میں مجمع نسبتاً ہلکا رہتا ہے، پھر بھی ہزاروں کی تعداد میں رہتا ہے، خصوصاً ذیقعدہ میں، بازاروں میں ضرورت کی سب چیزیں مل جاتی ہیں، اور نرخ بھی کچھ زیادہ گران نہیں، گوشت (دیکرے) اور دنبہ دونوں کا اگلی ٹکڑ، گھیوں کا آٹا، بعض سبزیاں، دودھ، وہی ہر چیز ابھی حالت میں آسانی و سہولت سے عام دستور سے ہے، کہ لوگ روٹی گھر میں نہیں پکاتے، بلکہ بازار سے خرید لیتے ہیں، باقی سالن وغیرہ گھروں میں پکاتے ہیں، صبح کے وقت، بہت ترٹکے سے، جو ناشتہ بازاروں میں ملنے لگتا ہے، وہ خاص طور پر لذیذ و خوش ذائقہ ہوتا ہے، اور قیمتاً بھی ارزان، شام کا کھانا عموماً عصر کے وقت ہو جاتا ہے، شب میں کھانے کا دستور نہیں، دوکانیں بھی، شام ہی کو بند ہو جاتی ہیں، اور عشا کے بعد بالکل سناٹا چھایا جاتا ہے، کپڑے وغیرہ کی قسم سے بھی ضرورت کی سب چیزیں مل جاتی ہیں، مادی نعمتوں میں دو چیزیں ایسی ہیں، جو صرف دینہ طیبہ ہی کے لئے مخصوص ہیں، ایک تو کھجور ہے، جس کے حذر معلوم کتنے اقسام بازاروں میں ڈھیر لگے رہتے ہیں، بڑے اور چھوٹے، میٹھے اور بہت میٹھے، خشک و شاداب





باقی جو چند مخصوص گھر لے اصلی اہل مدینہ یعنی سادات و انصار کے رہ گئے ہیں، انکے اخلاق اور ان کے جوہر شرافت کا کیا کہنا! ہم لوگوں کو قدرۃ ہند یوں ہی سے سقیم زیادہ پڑا، ان سب میں ایک بار پھر سب سے پہلا نام قلم کی زبان پر ہونا سید احمد فیض آبادی کا آتا ہے، جھون نے مسافت کو ہر پہلو سے گویا وطن بنا دیا، جی میں آتا ہے کہ اس بزرگ اخلاص و ایثار اور مجاہد بے نفسی و خدمت خلق کے راندوں کو خوب کھول کر بیان کر دیا جاسکے، لیکن پھر انھیں کی ناخوشی و ناگواری کا خوف غالب آگیا زبان کو رک دیتا ہے! اب یہ اللہ ہی جانے کہ نفس کا اتنا پاک ہو جانا، حرم رسولؐ کی تیس سال کی مجاہد کی برکت ہے، یا نفس پہلے ہی سے خود اتنا پاک ہو چکا تھا، کہ اُس نے وطن اور عزیزان وطن سے ہزاروں میل دور کسی کے آستان پاکٹ پرٹے رہنے پر آمادہ کر دیا! اللہ ان کے مقاصد دینی و دنیوی پورے کرے، اور ان کے مدرسۃ الیتامیٰ کو اپنے خزانہ غیب سے مال مال کرے، انھیں کے ہنشینوں میں ایک صاحب نشی محمد حسین فیض آبادی

لے اس مدرسے کے متعلق سچ نمبر ۱۱، جلد ۱۱ میں حسب ذیل نوٹ شایع ہوا ہے:-

### مدینہ طیبہ کی ایک صحیح خدمت

حجاز کا سفر کئے بغیر اہل حجاز کی موجودہ دردناک اور عبرتناک سیٹیوں کا اندازہ نہیں ہوتا، مدینہ طیبہ کے دوران قیام میں اس کی بیشمار فضیلتوں اور بے حساب برکتوں کے باوجود یہ منظر دیکھ کر قلب کو کس درجہ تکلیف ہوتی تھی کہ ہر ہاتھ ہر موقع پر آپ کی طرف پھیلا ہوا ہے، اور وہ جہاں کام غیر مندی و امتناع کا سبق دینا تھا، عین اُس محترم سہی کے جوار محترم میں، جس نے مسجد سوال کو نازم ٹھہرایا ہے، ہر مرحلہ اس کے حکم کو توڑے ہیں، اسکا علاج سختی نہیں، اور اہل مدینہ کے ساتھ سختی اور بیدری تو کسی صاحب ایمان کے خواب و خیال میں بھی نہیں آسکتی تاہم

ہیں، ان کی یاد بھی شکر گزاری کے ساتھ دل میں قائم رہی، انھوں نے خاندانِ فرنگی محل کے ایک ممتاز و سَن رکن، مولانا عبدالباقی صاحب بھی سالہا سال سے ترکِ وطن کے ہوئے یہیں مقیم ہیں، اہلِ مدرسہ نظامیہ کو چلا رہے ہیں، بڑی شفقت اور بزرگانہ نوازش سے پیش آئے، اور اپنے ہاں ٹھہرنے پر اصرار فرماتے رہے، ان کے مدرسہ کی عمارت بہت وسیع اور مہمانوں کیلئے ہر طرح آرام دہ تھی، لیکن مسجدِ نبویؐ سے ذرا فاصلہ پر تھی، اس لئے معذرت کر دینی پڑی،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ماقبل) نفس علاج نہایت ضروری ہے اور مرض سے بے پروائی مرض کیساتھ دوستی نہیں انجمنی ہو، صحیح علاج صرف یہ ہو کہ صحیح دینی تعلیم میں لگا کر اور ایثار و استغنا، وغیرہ قندی کاغذی غونہ پیش کر کے عادتوں کو بگڑنے سے روکا جائے، اور بگڑی ہوئی عادتوں کو حتی الامکان درست کیا جائے، اللہ کا شکر ہو کہ اس خطرہ پاک کی اس اہم خدمت کا شرف ہمارے ایک ہندی بزرگ کے نصیب میں آیا ہے اور انھوں نے نیت صحیح اصول پر ایک نئی دورگاہ مدرستہ الہیائی کے نام سے، انجمن اصلاحی مقاصد کے ساتھ مجرم ہو سکتے بالکل مقبل قائم کر دی ہو، ان بزرگوں کا جو رسوا و تعظیماً نہیں، جہتہً اور اپنے صحیح معنی میں ایک قابل صد بزرگ ہیں، اہم مہیاں مولانا سید احمد رفیق آبادی ہیں، حضرت مولانا حسین احمد صاحب شیخ الحدیث دیوبند کے برادر گلان ہیں اور اپنی عمر جو اور وجہ ان کی خدمت کے لئے وقف کر چکے ہیں، مدرسہ کا تفصیلی انعام مولانا مناظر حسن صاحب گیلانی کے قلم سے انتشار اللہ آئندہ غیر میں نکلیگا، مختصراً اس وقت اس قدر عرض ہے کہ بچے جو پڑھنے و سننے میں اپنی دل میں اہل بینہ کی حقیقی خدمت کا ارمان اور ولولہ رکھتے ہوں، وہ بلا تامل اور بے تکلف اس سرور کی اعانت کو اپنا فرض سمجھیں، مولانا موصوف بزرگ مکر میں اور قابل اعتماد و مطمئن بزرگ اس زمانہ میں تلاش کے بعد بھی شاید نہ مل سکے،

روپیہ بھینے کے پتے :- (۱) حکیم واکٹر عبدالحی حبیب الرحمن، ڈو، لکھنؤ، (۲) کوٹھی حاجی علیجان چاندنی چوک دہلی، (۳) عبداللہ عابدی عبدالقادر غلام ناگدروی، شری مینشن (۴) مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی شیخ اکبر سہ ماہیہ، اسلام آباد

ہندی تاجروں میں اطراف بمبئی کے ایک صاحب عبدالغنی نامی ہیں، چاہے اور غلہ کی دوکان ہو، دوکان کا نام عثمان احمد و شرکا ہے، بڑے ہمدرد و خدا مگوار، معمولی تجارت پر ہر طرح امداد و سنگیری فرماتے رہے، اللہ انھیں جزائے خیر دے،

ہم لوگ یکم ذیقعدہ کو داخل ہوئے تھے ہندی عشاق میں معلوم نہیں کتنے ایسے تھے جو اس سے بھی قبل سے یہاں حاضر تھے، نئی ایڑا صاحب کا کوری کا ذکر اس سے قبل آچکا ہے، بیشتر سے جازر آچکے تھے اور کچھ غفلت میں حاضری دیکر اور غرہ سے خارج ہو کر آستان جبب پر مقیم تھے، اسی طرح مولوی غلام بھیک صاحب نیزنگت (ایڈوکیٹ انبالہ و متہد انجمن تبلیغ) بھی ایک مدت سے حاضر آستانہ تھے، ان صاحبوں کے ذوق و شوق کا کیا پوچھنا، جس زمانہ کی زیارت اگر ایک دن کے لئے بھی میرا ہوا، تو خوش قسمتی ہو، وہاں یہ حضرات ہمیں ان کی سلسل حاضری سے بھی سیر نہ تھے، بہار کے ہومیو پیتھ ڈاکٹر عبدالرحمن بھی، حکومت نظام حیدرآباد کی طرف سے خدمت حجاج پر مشتمل، یہیں مقیم تھے، اور فرائض علاج و تیمارداری کے علاوہ، یوں بھی ہر طرح پر حایوں اور زائرین کی خدمت میں لگے رہتے تھے، خدا جانے کتنے لوگوں کے کام ان کے ذریعہ سے نکلتے تھے، حیدرآباد کے وکیل مولوی ابوالخیر خاں صاحب جو سچ کے صفات میں کبھی کبھی جلوہ گر ہو چکے ہیں، اور فیض آباد کے منشی محمد عالم صاحب سے جن سے بہت قدیم خاندانی تعلقات ہیں، بار بار ملاقاتیں ہوتی رہیں زیادہ ملنے جلنے کی یہاں فرصت کے تھی، ہر شخص اپنے اپنے مشاغل میں مبتلا تھا، پھر بھی بشریت سے سزا تو کوئی ہو نہیں گیا تھا ملاقاتیں بھی ہوتیں اور دعوتیں بھی آپس کے لوگ ہنستے بھی اور ہلستے بھی، بعض خوش نصیبوں کی موت بھی اس پاک سرزمین پر آنے دیکھی، جہان آباد

لائے جاتے اور مسجد نبوی کے اندر محراب عثمانی کے سامنے نماز پڑھائی جاتی، اور روضہ اقدس کے سامنے سے، اور کبھی پشت سے روضہ جنت کے اندر ہوتے ہوئے، باب حیرت سے میت کو باہر لاتے، اور یقین میں لیا کر سپرد خاک کر آتے، اللہ اللہ! ان مردوں پر کتنے زندوں کو رشک نہ آئیگا! مدینہ کی موت مسجد نبوی کے اندر نماز جنازہ، رسول کریم کے ہوطنوں اور ہمالوں کی دعا مغفرت، شفاعت امت کے مواہبہ مبارک یا سرہانے سے میت کا گذرنا، یقین کا قبرستان، جس کے لئے اتنے سالانہ رحمت جمع ہو جائیں، اس پر کیونکر رشک نہ آئے! بیچارہ فرنگی! ایمان کی لذت و حلاوت سے نا آشنا اپنی جان پر ہر وقت جان دیتا رہتا ہے، اسے کیا خبر کہ اس ناسوتی زندگی سے بڑھ کر بھی کوئی زندگی ہے، اقبال کا یہ شعر بھولتا نہیں، رہ رہ کر یاد آتا ہے،

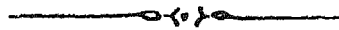
دین اور کو حضور یہ پیغام زندگی، ہم موت دھونڈتے ہیں زمین حجاز میں!

مدینہ پاک سائے حجاز کا طرزِ معاشرت، ظاہر ہے کہ ہندوستان سے مختلف ہے، لیکن ایسا مختلف نہیں کہ دل کو اس سے وحشت ہو، یا زیادہ نا مانوس معلوم ہو بس ایسا ہی اختلاف ہے، جیسا خود ہندوستان کے مختلف صوبوں، بلکہ ایک ہی صوبہ کے دور دراز شہروں کے درمیان پایا جاتا ہے، زبان اور ذوقِ ضرورت، اچھی خاصی سمجھ لی جاتی ہے، اگر عربی بولنے پر قدرت ہو تو سب جانور نہ کوئی ضروری کام خالی اردو جاننے والوں کا بھی اسکا نہیں رہتا، مدینہ کا موسم بھی کچھ ایسا سخت نہیں، پریل اور آغازِ گرمی کا تجربہ ہے، گرمی سخت اور دھوپ تیز تھی، لیکن ہم یوپی کے لوگوں کو تو کوئی غیر معمولی شدت نہیں محسوس ہوئی، اور میان میں بارش کئی بار ہوئی، راتیں عموماً ٹھنڈی اور خوشگوار رہتی تھیں، اور بارش کے زمانے میں تو اچھی خاصی سردی پڑی، ایسی کہ جو لوگ کافی سالانہ نہیں دیکھتے تھے، انھیں تکلیف اٹھانی پڑی، راتوں کو کرہ کے اندر بھی دولائی یا مکمل کی ضرورت پڑ گئی!

اب دہوا بہت ایسی ہے اور کوئی شخص اگر خود ہی بدر پر ہیز بن اور بے احتیاطان نہ شروع کرے تو بیمار پڑنے کی کوئی وجہ نہیں، ہمارے قافلہ کے اکثر لوگ بیمار پڑے لیکن جلد اچھے ہو گئے، مکانات عموماً صحن سے خالی ہوتے ہیں، مگر اسکی تلافی بالاخانہ کی کھڑکیوں اور کھلی ہوئی چھتوں سے ہوجاتی ہے، اکثر مکانات میں ٹھنڈے تھانے بھی ہوتے ہیں، ہستون کی کوئی قوم یہاں آباد نہیں اس مکانات میں کنوئین کی طرح گھرے گھرے ہوتے ہیں، وہی پاخانہ کی سڑاس کا کام دیتے ہیں ضروری ہو کہ فاضل وغیرہ بدبو مارنے والی ودائیں اکثر چھڑکی جاتی رہیں، قیام اگر دوسری جا روزگار ہو تو ہر مکان میں گذر ہوجائیگی لیکن اگر کچھ زیادہ روزگار نہ رہے گا راوہ ہوا اور خصوصاً جبکہ یہاں بھی حمراہ ہوں، چاہئے، کہ مکان تلاش کر کے اپنی پسند اور کل ضرورتوں کے مطابق لیا جائے اس میں بے پرواہی، کجوسی کو نہ دخل دیا جائے اگر مکان تکلیف دہ ہوا تو قلب کو تشویش ریگی اور کیسوی نصیب نہ ہوگی بشری ضرورتوں اور آسائشوں کی طرف سے بالکل بے نیاز ہوجانا اعلیٰ درجہ کا مجاہدہ ہے، ہر شخص کو اپنے متعلق یہ حسن ظن نہ قائم کر لینا چاہئے بعض مکانات بہت ہی شاندار اور کھٹیا دیکھنے میں آئے، ایک مرتبہ ضرورتاً شیخ عبد اللہ الفضل (رحمۃ اللہ علیہ) کی قیام گاہ پر جانا ہوا بڑا اوق و وق اچھا اور کچھ رون کا باغ نہایت مسیع شاداب ورمیان میں ہندوستان کے رئیسوں کی طرح ایک بلند کچی

وطن چھوٹے ہوئے آٹھ دس ہفتے ہو چکے، مگر وطن کی یاد کچھ زیادہ نہیں آئی، ہندوستان کی ڈاک یہاں مینے میں تین بار (ہر دس دس دن کے بعد) تقسیم ہوتی ہے، اور جلد سے جلد ایک مہینہ کی مدت میں وہاں سے پہونچتی ہے، — یہاں کا ڈاکخانہ اپنے ارتقاء کی بھی بالکل ابتدائی منزل میں ہے — لفافہ پر تین گنے کا گٹ گٹا ہوا بعض عزیزوں اور دوستوں کے خطوط آئے اور انھیں پاکر ذل کو خوشی بھی ہوئی، مگر ویسی خوشی نہیں ہوئی جیسی ایک مسافر کو اپنے وطن سے

دو دھائی ہزار میل کے فاصلہ پر رہ کر، ڈیڑھ دو مہینے کے بعد، اپنے والوں کی خیریت سن کر ہوا  
 کرتی ہو، کیا یہ قلب کی قسارت یا سنگدلی ہو؟ کیا رحمتِ عالم کے آستانہ پر پہنچ کر اپنے عزیز و  
 قریب یوں ہی بھلا دیئے جاتے ہیں؟ یہ صورت تو نہ تھی، اپنے ولے کوئی بھی بھوسے نہ تھے،  
 والدہ ماجدہ کی خبر خیریت میں خاص طور پر دل لگوار ہوتا تھا، اور دھندہ جنت میں حاضری  
 کے وقت، رحمتہ للعالمین کے واسطے سے رب العالمین سے دعائیں مانگنے کے وقت تو خاص  
 خاص عزیزوں اور دوستوں کا ذکر نہیں، خدا معلوم کون کون بھوسے ہوئے، اور کہاں  
 کہاں کے دور دور کے محض شناسا تک یا دوڑ جاتے تھے، البتہ دل پر ہر وقت یاد کسی کی  
 بھی غالب نہ رہتی، اسے اگر محض سرزمینِ پاک کی برکت اور جوارِ آستانہ رسول کے تصرفِ  
 تبخیر نہ کیجئے، تو اود کیا کہئے!



# باب ۱۸

## چل چلاؤ

دن گذرتے دیر نہیں لگتی، دیکھتے دیکھتے رونا لگی کا زمانہ آن لگا، اور

یہ تو خیر چند ہفتوں کا زمانہ تھا، جلد کچا نہ والا تھا ہی، ساری ساری عمریں ایسی ہی تیزی اور روانی کے ساتھ گذر جاتی ہیں، اور تب بھی نہیں چلنے پانا، کہ بچپن کے کھیل کب کھیلے، جوانی کی نیند کب سوئے، اور ضعیفی کے گوشہ تنہائی میں کب بیٹھے! —

ایک دن وہ تھا، کہ مدینہ آنے کی آرزو میں تھیں، کیسے کیسے منصوبے باندھے جا رہے تھے، کیا کیا خیالی پلاؤں پر رہے تھے، ذوق و شوق کی کیسی کیسی انگلیں دل میں اٹھ رہی تھیں، کیا کیا سوچے تھے، کیا کیا ولولے تھے، سینے میں کیا کیا تڑپیں تھیں، اب پر کیا کیا دعائیں تھیں! اور ایک دن یہ آگیا، گویا (اور گویا اپنے وقت ہی پر، لیکن ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ یک بیک آگیا) کہ چل چلاؤ کی تیاریاں ہو رہی ہیں، بستر لیٹے جا رہے ہیں، سامان باندھا جا رہا ہے، سواریوں کی فکر ہی، اور ایک ایک سے مل کر زبان پر الوداع و الفراق!

آئے تھے کیا کرنے اور کیا کر چلے!

عقلمند و شامت نے یہاں بھی ساتھ نہ چھوڑا، اور وقت کی جو بے بہادری

اتنی تباہی اور آرزوؤں کے بعد نصیب میں آئی تھی، وہ اس بے پروائی اور سیر و سیاحت کے ساتھ ضائع کی گئی، کہ شاید دنیا کا کوئی بڑے بڑا مسرت بھی اس کا مقابلہ نہ کر سکے۔

چو پرش گنم روزِ حشر خواہر بود،

تسکات گناہان خلق پارہ کنند!

بہر حال جو کچھ ہونا تھا، ہو کر رہا، تسکین و تسلی کا اگر کوئی ذریعہ اور کچھ سہارا ہو تو صرف یہ کہ دربارِ رحمۃ اللہ میں کا تھا، اور سابقہ اُس سے پڑنے والا ہی جو رحمتِ رحیم ہے!

عصیانِ مادرِ محبت پروردگارِ ما

ابنِ راہنایہِ سمت نہ آزاہنایہ!

مدینہ منورہ کا بڑا اچھا بیٹا کی کھجورین ہیں، قافلہ کے ہر شخص نے ان کی ایک ایک اچھی خاصی مقدار وطن کے عزیزوں اور دوستوں کے واسطے خرید کی اور نیت کسی کی بھی نہ بھری، میں نے ایک کنسٹرین تقریباً ۱۳ سیر کھجورین آتی ہیں، محض بار برداری کی دقتوں کے خیال سے ایک ایک دو دو میں کے کنسٹر بھر کر ہر شخص نے لین، ورنہ جی تو یہی چاہتا تھا، کہ اتنی مقدار میں لیجئے، کہ کھانے والوں اور دیکھنے والوں سب کا جی بھر جائے، بعض صاحبوں نے جاننا زین، رومال، عبائیں، تہجیں، خاک شفا کی ٹکیاں، روغنہ انور کی جلی ہوئی موم بتیاں، اور ہر طرح کے تبرکات بھی خرید کئے، جاننا زین مدینہ کیا معنی حجاز بھر میں کہیں کی بھی بنی ہوئی نہیں، ہوتیں، نہ انکا کپڑا مجازی، نہ کپڑے کا سوت مجازی، نہ سوت کا ستے والے



سجازی، نہ جاننا زبانی دے سجازی، سب کی سب زنگی کا خانوں کی بنی ہوئی،  
 عبائیں بھی عموماً باہر کی بنی ہوئی مٹی میں تلاش سے عراق و شام کی بھی تلجائی بن  
 لیکن ہر حال مدینہ کے مازادوں کی ہوا تو انھیں لگ ہی چلتی ہے اور خوش عقیدگی  
 کی آنکھ میں محبوب بنانے کے لئے اس قدر نسبت بھی پس ہو، یہ سارا سامان اور  
 زاد سامان، سب کئی دن قبل سے اونٹوں پر لاد کر جدہ، اپنے ویل کے ہاں بھجوا  
 گیا، اور یہ سارا انتظام مولانا میر احمد کے معرفت بہولت و بکفایت ہو گیا، ورنہ  
 موٹر پر اپنے ہمراہ یہ سارا سامان لاد کر لیچلنا بڑی زحمت کا باعث تھا، اتنے بوجھ کے  
 لئے مستقبل لاریاں الگ کرنی پڑتیں، اور خدا جانے کتنا صرف کرنا پڑتا، مکہ معظمہ  
 میں قیام بہت مختصر کرنا تھا، اس لئے ساتھ کے لئے صرف بالکل ضروری سامان  
 رکھا گیا، اور باقی سب سامان اونٹوں پر جدہ روانہ کروایا،

چلنے سے قبل ایک فکر یہ ہوئی کہ مکہ معظمہ میں ٹھہرنا کہاں ہوگا اگر می کی شدت  
 حاجیوں کا، ہجوم عظیم، بوڑھوں کمزوروں اور عورتوں کا ساتھ، فکر صرف یہی نہ  
 تھی، کہ ٹھہرنا کہاں ہوگا، بلکہ یہ تھی، کہ آرام و آسائش کے ساتھ کہاں ٹھہرنے کو  
 ملے گا، اللہ کے گھر جا رہے تھے، اللہ کے حکم سے اللہ کے مہمان ہو رہے تھے، چاہئے  
 یہ تھا کہ مہمان داری کی ساری فکرین صاحب خانہ اور میزبان ہی پر چھوڑ کر، خود  
 بالکل بے فکر رہتے، لیکن ایسا صرف اللہ دے ہی کر سکتے ہیں، زبان سے کہہ دینا  
 ہو، لیکن عمل ہم جیسے آرام طلب، تن پرور اور سہت دینا طلبوں کے لئے ممکن  
 نہ تھا، حاجیوں کے اتارنے اور ٹھہرانے کی ذمہ داری، ضابطہ سے معلم کے سر

ہوئی ہو، لیکن بہ نظر احتیاط مناسب یہ معلوم ہوا کہ مسلم سے بے نیاز نہ ہو کر بھی کوئی معقول انتظام  
 قیام کا ہو رہے، کہ کادرسہ صولیہ مشہور مدرسہ ہو، مولانا رحمۃ اللہ ہندی مہاجر کا قیام  
 کیا ہوا، اس کے متم مولانا محمد سعید صاحب ہم لوگوں کے ہندوستان سے چلتے وقت  
 اپنے وطن لکھنؤ میں تھے انھوں نے ایک تعلق نامہ اپنے صاحبزادہ اور قائم مقام مولوی علی  
 صاحب کے نام دیدیا تھا وہ تجارت نامہ اپنے خط کے ہمراہ مدینہ سے مولوی صاحب موصوف کے نام روانہ کر دیا گیا  
 کی دہی کے ساتھ ہی جواب آیا، ایک ایک لفظ اخلاق و اخلاص شوق و اشتیاق میں ڈوبا ہوا  
 لکھا تھا کہ مدرسہ کی جدید و وسیع عمارت میں متعدد کمرے بہ سرت تمام خالی رہیں گے،  
 لوگ کہتے ہیں کہ مکہ میں رہ کر اخلاق میں خشکی اور خشونت آجاتی ہو، لیکن اگر اس کا  
 نمونہ مولوی سلیم صاحب کی تحریر کو قرار دیا جائے، تو خدا کرے، ایسی خشکی اور خشونت  
 سب کو نصیب ہو، کار نظام کی طرف سے بھی تین رابطین مکہ معظمہ میں ہیں، مولانا شرف  
 اور اخرمینا فی صاحب کی عنایت سے ان کے متم داروغہ حبیب اللہ صاحب کے نام  
 بھی خطوط مل گئے تھے، ان انتظامات کے بعد قیام کی طرف سے دل مطمئن ہو گیا تھا

مدینہ سے واپسی کے وقت ایک بڑا اہم مرحلہ سواریوں کے دستیاب ہونے کا  
 ہوتا ہے، خصوصاً اس وقت جبکہ زیادہ تر قریب آجائے، اونٹ ہوں خواہ سوڑدوں  
 کی فراہمی میں بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں، اور اپنی پسند کے لایق اچھی سواری  
 کا ہم پہنچ جانا تو محض ایک خداوند نعمت ہو، اسے بڑے ہجوم میں قابل اطمینان  
 انتظام قائم رہنا آسان ہو بھی نہیں، کئی کئی دن مسلسل کوشش کرنی پڑتی ہو، جب  
 کہیں جا کر سواری کا ٹھیک ہوتا ہو، اور بڑے بڑے پختہ دھڑے بار بار ٹوٹ لیتے

ہیں جب جا کر روانگی کی نوبت آتی ہو بعض عارفوں نے کہا ہے کہ حج ایک عبادت  
عشق ہے، اس کے تمام ارکان و اعمال میں عاشقوں اور دیوانوں کے سے کام کرنا  
پڑتے ہیں، یہ اگر صحیح ہے، تو اس کے آثار اس سفر کے ہر جزو میں  
ظاہر ہوتے رہتے ہیں، ارادہ کو توڑنے والے اور خودی کو مٹانے والے سبق قدیم  
قدم پر ملتے رہتے ہیں اور میں کو اپنے اوقات کی خوش نظمی اور اپنے پردہ گرام کی پیچیدگی  
پر غور و سرگشتہ ہونا، اپنے نظام اوقات کو بار بار بدلتے رہنے پر مجبور ہو جانا  
پڑتا ہے، اللہ کے گھر کا سفر اللہ ہی کے ارادہ کے مطابق طے ہوتا ہے، اور بندہ کو ہر  
نقصہ یاد دلایا جاتا رہتا ہے کہ کم سے کم اتنی دیر کے لئے تو اپنے ارادہ کو منسوب کر کے  
اپنی ہنگامی بیماریاں اور بے بسی کو محسوس کرنا سیکھے اور انہوں کے متعلق تو کوئی ذرا  
تجربہ حاصل نہیں ہوا، یہ "جگ بیتی" ضرورت سے ہی رہتے ہیں، البتہ سوڑوں کے سلسلے  
میں "جگ بیتی" بھی گزری اور آپ بیتی بھی، جدہ میں جتنی موٹر کمپنیاں مدینہ منورہ  
کے لئے ہیں، سب کے چھوٹے چھوٹے دفتر مدینہ میں بھی موجود ہیں، اور تار اور ٹیلیفون  
کے ذریعہ سے جدہ اور مدینہ برابر ہکلام رہا کرتے ہیں، ہم نے جدہ سے چو لاریاں کی  
تھیں، ایک بیڈن کے لئے کی تھیں اور حسب قاعدہ پورا کر یہ پیشگی دے چکے تھے،  
پہلی ذیقعدہ کو داخل ہوئے تھے، ذیقعدہ کے آخری ہفتہ کی ابھی ابتدائی تاریخیں  
تھیں، کہ محض رفیقین نے چلنے کی عجلت شروع کی، انکا کہنا تھا، اور یہ کہنا تھا  
تھا، کہ عین وقت کے وقت کہہ سہو پچھنے سے حج میں بے لطفی رہے گی !

ماہ ذیقعدہ کا وسط گزرا، ۲۰ تاریخ گزری، ۲۲ گزری، ۲۵ گزری، سیکڑوں

ہزاروں حاجی روانہ ہو گئے، اور پچاسوں اور سیکڑوں ہر صبح اور شام روانہ ہونے لگے، دل خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے بیتاب تھا اور کون بدبخت ایسا ہوگا جو ہر روز کعبہ کی طرف پانچ پانچ مرتبہ جھکے اور سجدہ کرے، اور اس کی زیارت و طواف کا ارمان دل میں نہ رکھتا ہو! لیکن آستان زسالت سے جدائی بھی ایسی شے نہ تھی جسے آسانی سے گوارا کر لیا جاتا، دن گزرتے گئے، تاریخیں نکلتی گئیں، یہاں تک کہ ذیقعدہ کی پہلی آخری تاریخیں آ گئیں، اور اب تو بہر حال روانگی کی فکر کرنی ہی پڑی، حرمین ہو کر مکینہ کے دفتر میں کئی روز قبل سے اطلاع کر دی تھی، کہ یکم ذی الحجہ تک لاریاں ضرور مل جائیں، اور اسکا پختہ وعدہ بھی ہو چکا تھا، لیکن پہلی تاریخ آ گئی، اور لاریاں نہ آئیں، ہر ذی الحجہ کو مسجد تباہا نا ہوا تھا، اتفاق سے وہیں شیخ عبداللہ الفضل دبیبی ولے آئے اپنے شتم و خدوم کے آگئے، اور یہاں سے خود ہی اخلاق و محبت سے بڑھ کر ملے، علاوہ اسے شیخون سے ذی اختیار ہونے کے، حرمین مکینہ کے مالکوں میں بھی ہیں، ان سے ذکر آیا، کہ سواری ملنے میں دقت ہو رہی ہے، اسی وقت اپنے کسی سکرٹری کو حکم دیا کہ سواری کا انتظام فوراً کیا جائے، اس کے باوجود بھی پہلی کو سواری نہ ملی، مجبوراً الفضل صاحب کے مکان پر جا کر پھر کنا پڑا، مکینہ کے منجر علی کے نام اسی وقت خط لکھ دیا، اس خط کے باوجود بھی کامیابی فوراً نہیں ہوئی، صبح وعدہ ہوتا تھا کہ دوپہر کو لاری مل جائیگی، دوپہر کو شام کا وعدہ ہوتا تھا، اور شام کے وقت پھر صبح کا حوالہ دیدیا جاتا تھا، پہلی گزری دوسری گزری، تیسری کی صبح ہوئی، آٹھ اور نو بجے کے درمیان ہمارے مزدور کے تختہ شیعہ جنینی نے اگر خوشخبری سنائی کہ "لاری اسٹیشن پر لیگی، فوراً روانہ ہو" جلدی جلدی جس طرح بن پڑا، سامان باندھا، غسل کیا، احرام باندھا، مسجد نبویؐ اور روضہ انور سے

رخصت ہوئے اور کوئی گیارہ بجے تک سارا قافلہ اعرابیوں پر سوار اسٹیشن پہنچ گیا، اسٹیشن پہنچے تو یہاں کا منظر ہی دوسرا تھا، ایک انار و صدیہار، کانوں سے سنا تھا، ایک لاری و صد سوار، آنکھوں سے دیکھا، ایک نفسی نفسی کا عالم، وہ ہجوم وہ کشمکش کہ میدانِ حشر کا بھولا ہوا نقشہ آنکھوں کے سامنے!

تین تین تین لاریاں ملی تھیں، دو پر سوار یاں سوار ہوئی تھیں، ایک خالی بہ نظر آتی تھی ہمراہ تھی، اور اسی پر سامان بھی لاد دیا گیا تھا، آج تین لاریوں کا تو خیال بھی نہیں آ سکتا تھا، دو کے ملنے کی بھی کوئی توقع نہیں، اور ہر کوئی لاری آتی ہوئی دکھائی دی، اور ادھر بغیر اس خیال کے کہ لاری کس کمپنی کی ہے، اور کس کے لئے لائی گئی ہے، ہجوم بے تحاشا اس پر حملہ آور ہوتا، بد زبانی اور دھکے تو معمولی بات تھے، نوبت اس بڑھ کر بھی آ جاتی تھی، ہمارے لئے ایک لاری آئی، اور اس کے ساتھ بھی ہی باجرائش آیا ٹیمپون کا ایک دستہ بے تحاشا اس پر ٹوٹ پڑا، ہم لوگ تو کیا مقابلہ کر سکتے تھے لیکن جینی صاحب نے ماشاء اللہ لاری پر سوار ہو کر پوری قوت سے مقابلہ کیا، اور گو اس سرکے مین اتنے زخمی ہوئے، کہ ہاتھ سے خون جاری ہو گیا، لیکن سودی پولیس کے ہنٹروں کی اعانت سے بالآخر کامیاب رہے، غرض ایک لاری پر جون تون قبضہ ہوا، لیکن اس کے بعد اب دوسری لاری عتقا تھی! گھنٹہ، دو گھنٹہ، چار گھنٹہ، دوپہر، سہ پہر، اور سہ پہر سے شام ہو گئی، ظہر کے بعد عصر اور عصر کے بعد مغرب کی نماز بھی ختم ہو گئی، لیکن دوسری لاری کا انتظار ختم نہیں ہوا، گو یاد دینے سے رخصت ہو کر پھر بھی دینے ہی مین مین، مسجد نبویؐ یہاں سے میل ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ہے، گنبد خضر! تو دکھائی

نہیں دیتا، البتہ مسجد مبارک کے مینار نظر آرہے ہیں، اور دوسری سے دل کو تسلی  
 دیرہے ہیں، ہر تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد نگاہ ان کی طرف میا ختمہ اٹھ جاتی ہے، عشا  
 کی نماز کے بعد مین میدان میں بستر لگائے گئے، ایک میلہ کی سی کیفیت ہے، عراقی، خراسانی  
 ہندی، مصری، سیکڑوں پر دیسی یہاں سے وہاں تک بستر جائے لیئے ہیں، امر دئی کچھ  
 کی صبح ہوئی، اور صبح سے پھر انتظار شروع ہوا، نو دس بجے کے قریب خدا خدا کر کے دوسری  
 لاری ملی، مگر اس کے شو فر صاحب غائب تھے، گھنٹہ ڈیرٹھ گھنٹہ کے مزید انتظار کے بعد  
 وہ تشریف لائے، تو اب ضابطہ کی کارروایاں شروع ہوئیں، خلاصہ یہ کہ عین دوپہر  
 کو ٹھیک نماز ظہر کی اذان کے وقت لاریوں کو روانگی کی اجازت ملی، اور شہر بدینہ پاک  
 کے پھاٹک سے قدم باہر ہوئے،

ذیقعدہ کی پہلی تھی، جب اسی پھاٹک سے اس نور و برکت والے شہر میں داخل  
 ہوئے تھے، ذی الحجہ کی چوتھی کو اسی پھاٹک سے، اسی رحمت و مغفرت والے شہر سے  
 باہر نکلے، جہاں ایک دن کا بھی قیام اگر میسر آجائے، تو تقدیر کی یاوری، اور ابراہیم  
 و متقین کی نصیبہ وری ہے، وہاں ایک دن نہیں، دو دن نہیں، اکٹھا ۳۳ دن کی جھڑکی  
 ایک بتاہ کارنامہ سیاہ کو نصیب ہوگئی، شانِ کرمی کے بھی عجیب عجیب انداز ہیں، جس مفلس  
 کو چاہیں، دم بھر میں الامال کر دیں، جس تہی دامن کو چاہیں، ایک پل میں نواز دیں،  
 جس رگستان کو چاہیں، ان کی آن میں گلزار بنا دیں، جس آشکدہ کو چاہیں، چشمِ دین میں  
 پھول کھلا دیں، نہ کریم کا دستِ کرم کو تباہ ہونے والا ہے، نہ بخشش کا خزانہ کبھی  
 خالی ہونیوالا ہے!

اسے بدل کر وہ خاک کے برابر خاک دیگر را نمودہ بود البشر  
 کار تو تبدیل اعیان و عطا کار ما سوست و نسیان و خطا  
 لئے کہ خاک شورہ را توان کنی دے کہ نان مردہ را تو جان کنی  
 لئے کہ جان خیرہ را رہی سر کنی دے کہ بے رہ را کہ سنبسہ کنی  
 یہ داستان درد اس وقت نہ سنئے کہ وقت کی یہ بیش بہا گڑبان ضائع کر بیٹھی  
 کے ساتھ ہوئیں سوال اس وقت یہ نہیں کہ اپنے سے کیا بن پڑا، بلکہ صرف یہ ہے کہ  
 اُدھر سے کیا کیا نوازشیں اور کسی کیسی سرافزایاں ہوتی رہیں! یہ نعمت کچھ کم ہی کہ حضور  
 کی توسیق استے عرصہ تک نصیب کر دی گئی، بعصر حاضرہ کے شیخ المشائخ حضرت  
 حاجی امداد اللہ سے ایک مرید نے شکایت کی کہ طایف میں چلے باز دھکر روزانہ سوال  
 مرتبہ ام ذات کا ذکر کرتا رہا، اور کچھ ثمرات و انوار ظاہر نہ ہوئے، حضرت نے جواب  
 میں ارشاد فرمایا کہ ارے میان یہ دولت کچھ کم ہاتھ رہی کہ چالیس دن تک اللہ  
 پاک کا نام سوال لکھ مرتبہ روزانہ زبان سے نکلتا رہا، ابھر حال جو کچھ ہوا وہ اپنے صلہ  
 اور مرتبہ سے کہیں بڑھ کر!

اعتراف ہے کہ آنکھوں نے جس مدینہ کو دیکھا، وہ بیسویں صدی عیسوی کا تھا  
 تھا، پہلی صدی عیسوی کے ربع اول کا مدینہ نہ تھا، سید المرسلین کا مدینہ نہ تھا، صدیق  
 و فاروق عثمان علی کا مدینہ نہ تھا، صحابہ و تابعین کا مدینہ نہ تھا، مجتہدین وائمہ دلقوف  
 کا بھی مدینہ نہ تھا۔۔۔۔۔۔ خزانہ میں موسم گل کی تو قعات ہی کسی چمن سے کیوں  
 قائم کی جائیں؟۔۔۔۔۔۔ لیکن باقیہ مدینہ پھر بھی مدینہ تھا، آج نہ سہی کبھی تو

اللہ کے پیارے اور اُس پیارے کے پیاروں کا شہرہ چکا ہے، اس دور یا جو جیت میں ہے  
 اگر کمین کوئی جگہ بھی پناہ کی ہے، تو بجز اس آستانِ پاک کے اور کہاں ہے؟ آج تھمتی  
 اس دربار سے تھی، آج کوچ اس جنتِ ارضی سے تھا! آج فراق اس دیارِ حبیب کے گلی  
 کو چون سے ہو رہا تھا! آدم جس طرح جنت سے جدا ہوئے ہیں، اس قصہ سے سب  
 واقف ہیں، لیکن ابنِ آدم کو جب فخرِ آدم و فخرِ نسلِ آدم کی گلیوں کو چھوڑنا پڑا ہے تو  
 اس وقت اس کے دل پر کیا گزرتی ہے، یہ داستان کون سنائے، اور کس کو سنائے؟





## باب ۱۹ احرام پوشی،

ذی الحجہ کی تیسری تاریخ یکشنبہ کا دن تھا صبح کے آٹھ بج چکے تھے کہ مہرور کے  
ہیجان سے اطلاع ملی کہ سواری کا انتظام ہو گیا، فوراً روانہ ہو جاؤ، کیا بیان ہو کہ  
اس وقت دل کی حالت کیا تھی! ایک طرف یہ احساس کہ مدینہ سے جدا ہونے کی  
آستانِ رسولؐ سے دور ہونے کی گھڑی آگئی، دوسری طرف یہ فکر کہ اب چلنے میں اگر  
کچھ بھی تاخیر کی، توجہ کے فوت ہو جانے کا اندیشہ، ٹھہرنے کی تو اب کوئی صورت  
ممكن نہیں، لیکن چلنے پر بھی دل کو ذوق و شوق کے ساتھ کیونکر آمادہ کر لیا جائے؟  
پھر مہرور کی طرف سے بار بار جلدی کی تاکید، اور یہ دھکی کہ چند لمحوں کی دیر میں بھی  
ممكن ہو کہ سواری پر کوئی دوسرا قبضہ کر لے، اور اپنے ہاتھ سے بچھن جائے!  
بہر حال جس طرح بھی بن پڑا، جلدی جلدی اسباب باندھا جون تو ن غسل کیا،  
کپڑے اتارے، اور اس قسم کا لباس تھر تھراتے ہوئے ہاتھوں اور کپکپاتے ہوئے  
دل کے ساتھ زیب تن کیا، جو زندگی کے خاتمہ پر امیر غریب، عالم و عامی، زاہد و  
فاسق، بوڑھے اور چھوٹے، ہر مسلمان کے حصہ میں آتا ہو! آج نہ ٹوپی ہو نہ عمامہ، نہ بجا  
ہے نہ شیروانی، نہ قمیص ہو نہ پاجامہ، صرف ایک چادر ہی، اور ایک تہ بند لباس

کی کل کائنات آج صرف یہ دو جہے پہلے ہونے پر ٹپے ہیں! اللہ کے دربار میں چل کر  
 دینے والوں کی یہ وردی ہو، اللہ رسی شستِ خاک اور اس کے حوصلے! دیوانوں کو سودا  
 یہ ہوا ہے کہ جو بے نشان ہو، اس کے نشان کا کھوج لگائیں گے! بادلوں کو دھن یہ  
 سوار موٹی ہو، جو بلا مکان ہو، اس کے مکان کے چکر کاٹیں گے! عارفوں نے کہا ہے  
 کہ مدینہ کی حقیقت یہ ہے کہ وہ مقامِ عہدیت ہو، اور کہ کی حقیقت یہ ہے کہ وہ مقامِ الوہیت  
 ہو، رسولؐ ہمارے مدینہ کو آئے تھے، اور رسولؐ کے اتنی آج حج رسولؐ ہی کے اتباع  
 میں مدینہ سے کہ جا رہے ہیں، کیا نشانِ حکمت ہو، اور کیا حسنِ صنعت ہو، اللہ خود ہی اپنے  
 بندوں کو اپنے رسولؐ صلعم تک پہنچاتا ہے، اور پھر رسولؐ ہی اللہ اور اللہ کے گھر کا  
 راستہ دکھاتے ہیں!

مدینہ سے حج کے لئے روانہ ہونے والوں کا میقات (احرام باندھنے کا مقام) مدینہ  
 نہیں، ذوالحلیفہ ہے، جو مدینہ سے باہر بھٹتے ہی مل جاتا ہے، بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ مسجدِ نبوی  
 میں احرام باندھ لینا افضل ہے، یہ صحیح نہیں، خود حضورؐ انورؑ نے بھی حج کو جانے وقت  
 احرام مدینہ میں نہیں بلکہ شہر سے نکل کر ذوالحلیفہ میں باندھا تھا، اسے اچھی طرح  
 ذہن نشین کر لینا چاہئے، لیکن خیال یہ ہوا کہ قافلہ میں اتنے آدمی ہیں، مرد بھی اور  
 عورتیں بھی، سب کے غسل کرنے کی جگہ پر وہ کی احتیاط کے ساتھ وہاں کمان لیلی  
 اور پھر موڑ لے، اتنے آدمیوں کو باطنیان غسل سے فارغ ہونے کی مہلت کیوں  
 دینے لگے؟ اس لئے مناسب یہی معلوم ہوا کہ غسل کر کے احرام مہین سے پہن لیا جائے  
 باقی نیتِ احرام ذوالحلیفہ ہی سے کی جائے گی، گویا باضابطہ احرام دینے سے بندھ چکا

نفل نماز وہین پڑھی جائیگی اور تلبیہ وہین سے شروع ہوگا، احرام کے معنی حرام کر لینے کے ہیں، اور اسے احرام اس لئے کہتے ہیں کہ بہت سی چیزیں جو پہلے جائز تھیں اس کے بعد حرام ہو جاتی ہیں، اور ان سے رک جانا پڑتا ہے، اس لئے کوئی شخص محض جامہ احرام پہن لینے سے محرم نہیں ہو جاتا، بلکہ لازم ہے کہ نیت بھی احرام کی رکھے، غرض اچھٹ پٹ نہادھو احرام پہن ہیجہ نبویؐ وروضہ اطہر پر رخصت ہو کے لئے حاضر ہوئے، رخصتی کا یہ سامان بھی شاید عمر بھر یاد رہے، آستانہ کے خادون کی جب توفیق کچھ خدمت کی گئی، ایک ایک سے دعائے خیر کے لئے التجا کی گئی آستانہ پاک پر الوداعی سلام عرض کیا گیا، روضہ جنت میں آخری بار رکوع و سجود کا فرما حاصل کیا گیا، اور مصلیٰ نبیؐ پر ہٹھکیر دل میں جو کچھ تھا زبان پر آتا رہا، اور محمدؐ کے اہتی کو جو کچھ عرض کرنا تھا، محمدؐ کے رب کے حضور میں عرض کر دیا گیا،

مدینہ سے رخصتی کا منظر بھی ایک خاص منظر ہوتا ہے، اگر تشبیہ بالکل ہی سواداب اور گستاخی میں داخل نہ بھی جائے، تو یہ کہنے کو جی چاہتا ہے، کہ گویا لڑکی ماں کے گھر سے رخصت ہو رہی ہے، یہ اپنے ذہن سے گڑھ کر نہیں کہا گیا، ایک بیوی نے اپنی بعینہ ہی کیفیت بیان کی، دوسروں کے حالات تو سننے سنائے ہیں، مگر اپنے قافلہ والوں کا حال تو دیکھا ہوا ہے، کہ آنکھیں آنسوؤں سے لبریز، لبوں پر آہیں چہرے اترے ہوئے، منہ پر ہوا بیان اڑتی ہوئی، بدحواس و پریشان منہموم و منتشر اور دل ہر کہ بھرتا چلا آ رہا ہے، چلتے ہیں اور پھر پیچھے مڑ کر دیکھتے ہیں، اور دیکھنے سے جی نہیں بھرتا جی بھی چاہتا ہے کہ یہ منظر کبھی بھی نظروں سے اوجھل نہ ہوا،

بہانے ڈھونڈتے ہیں، کہ کسی نہ کسی طرح کچھ دیر اور رکنا ہو جائے! عموماً سب کا یہی حال کم و بیش رہتا ہے، بعض کو غش تک کی نوبت آجاتی ہے، کانوں سے سنا بھی نہیں، اور آنکھوں سے دیکھا بھی نہیں، لیکن ایک قسی القلب، اپنے قلب کی قسادت کا کیا بیان کرے، اس کی حالت سب سے الگ اور سب سے مختلف رہی، لیکن میں مصیبتی نبی پر دعائیں کرتے وقت، تو خیر، قلب میں کچھ رقت رہی بھی، لیکن اس کے بعد اس قسم کی ساری کیفیتیں غائب! رنج و صدمہ الگ رہا، سرے سے جدائی کا احساس ہی نہیں! یہ محسوس ہی نہیں ہو رہا ہے کہ کسی عزیز جگہ سے بچھڑ رہے ہیں، اور دل میں بجائے ہر اس دیر لٹائی کے ایک طرح کی طمانیت و اطمینان ہے۔ — کریم کو کریمی کے کتنے ڈھنگ یاد ہیں! کسی کے سینے میں شوق و اشتیاق کے شعلے بھڑکائے جا رہے ہیں، اور کسی کو تسکین و تسلی کی بھینکیاں دی جا رہی ہیں!

دریہ آتے وقت، تین لاریاں قبضہ میں تھیں، ابکی صرف دو ہی ملین محبوبات  
 اٹھیں دو پر سامان اور سوار یوں کو تقسیم کرنا پڑا، سامان ہر چیز بہت کچھ اونٹوں  
 پر روانہ کر دیا تھا، پھر بھی محتاطانہ لگایا تھا، بہت تھا اور سامان کی زیادتی یوں  
 تو ہر موقع پر سبکدوش ثابت ہوتی رہی، لیکن اس وقت خاص طور پر کھل گئی، آتے  
 وقت گرمی بھی اپنی زیادتی نہ تھی، ۹ مارچ اپریل تھی، اب موسم بھی اپنے شباب پر  
 آچکا تھا، ہس کی ۱۳ تاریخ تھی، پھر سفر بھی ٹھیک دوپہر کے وقت شروع ہوا  
 اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آتے ہوئے میں جو دونوں لاریاں ۱۳-۱۳ سوار یوں کیلئے

تھیں، ان میں سے ایک پر ہم کل دس آدمی تھے، اور دوسری پر گیارہ، یہ عبد الرحمن  
 الفضل صاحب کی خاص عنایت تھی، اہلی مرتبہ اس شدتِ ہجوم میں، اس رعایت  
 و عنایت کی کوئی گنجائش نہ تھی، شیخ عبداللہ الفضل بیچارہ نے اسی رعایت کی گنجائش  
 ابکی بار بھی کی، لیکن کمپنی کے مقامی منیجر علی نے کمپنی کے مالک کی بھی پروا نہ کی اور  
 ہماری لاریوں میں پانچ اجنبیوں کو (جو غالباً ہمیں تھے) نہ بردستی بٹھا کر ۲۶ کی  
 تعداد پوری کر دی، انصبر و شکر نہ سہی، خالی "صبر" کرنا ہی پڑا، اور اس کے سوا  
 چارہ کیا تھا؟ — سرکش اور شکر گزار بندہ، اللہ کے گھر کی حاضری کے لئے  
 چلا ہی، انانیت اور راحت طلبی و تن پروری پھر بھی زندہ، کاش آج تو چند گھڑی  
 کے لئے اپنی عبدیت، اپنی بندگی کا احساس ہو گیا ہوتا۔ — ہر روزی کچھ  
 یوم و شبہ کو عین اذانِ ظہر کے وقت مدینہ منورہ سے نکلے، اور موٹر کے لئے چھ  
 سات میل کا فاصلہ ہی کیا، دم کے دم میں ذوالحلیفہ پہنچ گئے، جواہل مدینہ کیلئے  
 میقات یعنی احرام باندھنے کا مقام ہی، عام زبانوں پر اس مقام کا نام میر علی ہے  
 علی سے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ، کوئی اور صاحب اس نام کے  
 ہوئے ہیں، حضور انورؐ نے یہیں سے حج کا احرام باندھا تھا، ایک چھوٹی سی  
 مسجد بنی ہوئی ہے، اور ایک کنواں، اور پانی اور چائے کی ایک آدھو چھوٹی  
 سی دکان بھی ہے، بس کل اس قدر آبادی ہے، یہ وہ مقام ہے، جہاں ہزار ہا  
 حاجی احرام باندھتے ہیں، اگر یہاں تلو و تلو مسلمانے، زنانہ و مردانہ، پانی  
 کے نل کے ساتھ تعمیر کر دیئے گئے ہوتے، تو حاجیوں کو کتنی آسائش ہو جاتی  
 اور کتنے، اللہ کے بندوں کی زبان ہی سے نہیں، دل سے دعائیں نکلتیں،

اور حکومت ہرگز زیر بار نہ ہو جاتی،

احرام محض ایک خاص وضع کے کپڑے پہن لینے کا نام نہیں، اس کے بعد سب کے جائز چیزوں سے رک جانا لازمی ہے، مثلاً منہ اور سر کو ڈھانپنا، عورت کے لئے صرف منہ کا ڈھانپنا، سنے ہوئے کپڑے پہننا، بد زبانی کرنا، فحش چیزوں کی جانب اشارہ کرنا، جانوروں کا شکار کرنا، خط ہونا، ناخن ترشوانا، عطر او تیل لگانا، وغیرہ، احرام، ایک طرح کا کھن ہوتا ہے، مردوں کا لباس پہن لینے کے بعد، حیث ہے، اگر انسان اس حد تک بھی اپنے منفس کو مردہ نہ کرے، اسی احرام کے ساتھ نیت احرام بھی ضروری ہے، طریق مسنون یہ ہے، کہ پہلے غسل کیا جائے، یا اگر اس میں دشواری ہو تو وضو کافی ہے، اس کے بعد چادر اور تھمد پہنکر دو رکعت نماز ادا کرے، اور افضل یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورہ کافرون اور دوسری میں سورہ اخلاص (قل ہو اللہ احد) اس کے بعد جاننا پڑیٹھے ہی ہوئے حج، یا عمرہ، یا دونوں کی نیت اپنے دل میں کرے اور الفاظ ذیل زبان سے بھی ادا کرے، اللھم رانی اسید (الحج فیسوہ لی و تقبلہ عنی، و اعننی علیہ و بارک لی فیہ، نوبت الحج و احرمت بید اللہ تعالیٰ، یہ الفاظ دعائے احرام حج کے ہیں، اگر نیت عمرہ کی یا عمرہ و حج دونوں کی کی ہے، تو دعا کے الفاظ میں بھی اسی مناسبت سے تھوڑا تھوڑا تغیر ہو جائیگا، نیت احرام کی کئی صورتیں ممکن ہیں، ایک یہ کہ محض حج کی نیت کی جائے، دوسرے یہ کہ محض عمرہ کی نیت کی جائے، تیسرے یہ کہ حج اور عمرہ دونوں کی نیت کی جائے، عمرہ

گو یا چھوٹا حج ہو جو سال بھر میں جب ریجز پانچ دنوں کے اور عتبی بارہ حجی چاہو، ادا کیا جاسکتا ہے، اس کے ضروری ارکان صرف اس قدر ہیں کہ حرام کے ساتھ خانہ کعبہ کا طواف اور صفائے روہ کے درمیان سعی کر لیجائے، بخلاف اس کے حج سال میں صرف ایک ہی مرتبہ مخصوص وقت پر ہو سکتا ہے، اور اس میں علاوہ دوسرے منن استجابت و واجبات کے، حرام کے ساتھ عرفات میں حاضری اور اس کے بعد خانہ کعبہ کا طواف لازمی ہو، امام شافعیؒ کے نزدیک عمرہ بھی حج ہی کی طرح فرض ہے، حنفیہ کے ہاں فرض نہیں، البتہ ایک اہم سنت کا درجہ رکھتا ہے،

جو لوگ حج و عمرہ دونوں ادا کرنا چاہتے ہیں ان کے لئے یہی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ایک ہی احرام سے عمرہ اور حج دونوں ادا کئے جائیں یعنی عمرہ سے قایغ ہو کر احرام اتارنا نہ جائے اور حج اسی احرام سے ادا کیا جائے، دوسری صورت یہ ہے کہ عمرہ سے فراغت کر کے احرام اتار دیا جائے اور جو چیزیں حالت احرام میں منع ہیں وہ جائز ہو جائیں، اور اس کے بعد حج کے لئے از سر نو احرام باندھا جائے، پہلی صورت کو فقہاء قرآن کہتے ہیں، اور دوسری کا اصطلاحی نام تمتع ہے، اور یہ نام غالباً اسی لئے رکھا گیا کہ تمتع کرنے والا احرام عمرہ اور احرام حج کے درمیان ان چیزوں سے جو حالت احرام میں منہوع ہیں، تمتع ہو سکتا ہے، قرآن و تمتع یہ دونوں صورتیں مکتوب ہیں، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ان دونوں میں نسبتاً افضل و اشرف کون سی ہے، امام ابوحنیفہؒ اور جمہور فقہاء حنفیہ کے نزدیک قرآن افضل ہے، اور امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک تمتع کو فضیلت ہے، ہم لوگوں کے لئے قرآن و تمتع





لکھوات اذان و تہجد کی طرح اس عبارت میں بھی کسی قسم کی کمی بیشی جائز نہیں لیکن اکثر علماء نے خفیہ نے اصناف الفاظ کی شخصیت دی ہے اور بعض جلسیل القصد ر صہابہ سے بھی الفاظ کا اضافہ منقول ہے، اب ضروری ہو گیا کہ ہر نماز کے بعد اوپر چڑھتے اور نیچے اترتے وقت ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت، دوسری سواریوں کو آتے جاتے دیکھ کر، برابر انھیں الفاظ میں اپنے مطلوب اور سب کے مطلوب کو پکارا جاتا ہے، مرد کو بلند آواز سے کہنا چاہیے، لیکن نہ اتنی بلند آواز سے کہ شور و غل سے دوسروں کو تکلیف ہو، ہر موقع پر تین بار ہو تو بہتر ہے، کافی صرف ایک مرتبہ بھی ہے،

جگہ بیٹی اور آپ بیٹی میں بڑا فرق ہوتا ہے، اب تک دوسروں کو احرام باندھنے اور احرام باندھے ہوئے دیکھا تھا، خود احرام آج باندھا، مولوی مناظر صاحب نے نماز میں بڑھا رہے ہیں، دعاؤں کے الفاظ تیار رہے ہیں، اور ادھر اپنا دل دھڑکتا جا رہا ہے، زبان سے جو کچھ ادا ہو رہا ہے، اسے سب سن رہے ہیں، لیکن دل کیسا کہہ رہا ہے؟ دل جو کچھ کہ رہا ہے اسے کون سنے؟ اُسے کون سن سکتا ہے؟ ہاں صرف وہی ایک سن سکتا ہے، اور سنتا ہے، جو سب کی سنتا ہے، جو گونگون اور بے زبانوں کی سنتا ہے، جو آواروں ناکاروں کی سنتا ہے، جو کمزوروں اور ناتوانوں کی سنتا ہے، جو سیکھنے اور پڑھنے کی سنتا ہے، جو نااہلوں، اور نادانوں کی سنتا ہے، جو محروموں اور شامست زروں کی سنتا ہے، اور جو انکی سنتا ہے، جنکی کوئی بھی نہیں سنتا ہے سب کی سننے والے تیرے ہاں محرم کا بڑا درجہ اور اونچا مرتبہ ہے، اس خدائی وردی

کو بہنکر اس کے شرائط و آداب کا بجالانا کیونکر ممکن ہو گا؟ گناہوں سے بچنا کیسے ہو سکے گا؟ تو نے حکم دیا ہے، لاسرفت و لاسوق و لاجہد ال فی الحج، ارکان حج تو شروع ہو گئے، پھر اس حکم کی تعمیل پر کیسے قدرت ہو گی؟ آنکھ کی احتیاط اور زبان کی احتیاط کس کے بس کی بات ہے؟ مزاج اور زبان پر کس طرح قابو رکھا جائیگا؟ جس گھر کو تو نے اپنا گھر کہہ کر پکارا ہے، اس کا صحن تو تیرے نام پر آگ میں کود پڑنے والے ابراہیمؑ اور تیری راہ میں اپنے کو ذبح کر ڈالنے والے اسماعیلؑ کے قابل تھا جس گھر کو تو نے پاک قرار دیا ہے اس کے در و دیوار کو اپنے آنکھوں اور ہونٹوں سے لگانے والے تو صرف تیرے پاک پاکیزہ نگہ اور سحرے بندے ہی ہو سکتے ہیں جس گھر کی طرف تیرے حبیبؑ اور تیرے بندوں کے سردار نے، دن کی روشنی اور رات کی تاریکیوں میں بشمار سجدے کئے ہیں، اور بے گنتی اور عیاب اپنے سر کو جھکیا یا ہے، اس کی چار دیواری تو صرف نور کے بنے ہوئے فرشتوں اور رحمت و مقبولیت کے سایے میں ڈھلے ہوئے صدیقین و کاملین کے طواف کے لائق تھی، وہاں آج تو کس کو باریاب کر رہا ہے؟ کس تنگ، خلاق کا دماغ عرش پر پہنچا رہا ہے؟ کس گندہ، اور ہر گندگی سے گندہ، بندہ کی زبان سے لیت لیت کہلا رہا ہے؟ یہ بیداری ہے یا خواب؟ اگر خواب ہے تو ہزاروں بیداریاں اس مبارک خواب پر قربان! اگر بیداری ہے، تو! — کوئی حقیر و ذلیل، ناپاک مشہر، خاک اپنے جذبات کے ظاہر کرنے کے لئے لفظ و عبارت کہان سے لائے!

## باب ۲۰

### جدہ - راہ مکہ

وَتَحْمِلُ اَنْفَاكُمُ الْاِلَىٰ بَلَدٍ لَّعَلَّكُمْ تَوَابُ الْغَيْبِ، اَلَا بَشِقُ الْاَنْفُسِ، سوسہ پھنسل  
 رکوع اول میں پروردگار عالم کے انعامات کے ذیل میں انعام (چوپایون) کا ذکر ہے  
 کہ وہ تمہاری سواریوں کا کام دیتے ہیں، اور تمہارے بوجھ تمہارا سامان و اسباب اس  
 شہر تک لا کر پہونچاتے ہیں، جہاں تم اپنی جانوں کو مشقت میں ڈالے بغیر نہیں پہونچ  
 سکتے، آیت کی تفسیر میں ایک قول سلف سے یہ منقول ہے کہ "بلد شہر" سے مطلق بلد  
 مراد نہیں، بلکہ متین شہر کہ مراد ہے، گو یا ضمناً آیہ لکھ کر یہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مکہ تک  
 پہونچنا دشواریوں اور سختیوں کے بعد ہی ممکن ہے، پہلے کسی زمانہ میں تو آیت کے اسی  
 مفہوم کی واضح تصدیق قدم قدم پر ہوتی رہتی تھی، لیکن اب زمانہ بہت بدل گیا ہے  
 اب ہر طرح کی سہولتیں اور آسانیاں پیدا ہو گئی ہیں، اب نہ بدوؤں کی بند و قوت سے  
 ہلاک ہو جانے کا ڈر ہے، نہ مال کے ضائع ہونے کا، اور نہ سامان راحت کی نایابی ہے  
 پھر بھی "شق الانفس" ہمارے قافلہ کے لئے سرے سے بے معنی نہیں، اوسط معنی کا موہم سفر  
 کی دھوپ، موٹر جیسی صبار رفتار سواری میں بھی ۵۰، ۶۰ گھنٹے کا راستہ، پیاس کی  
 شدت، مدینہ کے سرد پانی کے خوگر ہو جانے کے بعد اس کی نایابی پر حرمت لاریوں کے

انڈیکش اور حقیقت، بجائے شتر بان کے موثر بان (شوہر) اور ان کے نائب (کلنیر) کی  
مجبورانہ ناز برداریاں، یہ سب کچھ اگر "شق الانفس" کی تفسیر نہیں تو اور کیا ہے؟

لیکن دکھ کی پروا کسے؟ اور اذیت کا احساس کس کو؟ کیا کسی کو یہ معلوم نہ تھا کہ چل  
کہاں رہے ہیں؟ اور بخت کا عروج اور نصیب کا اوج کس کو کہاں پہونچا رہا ہے؟ چل  
اس شہر کو رہے ہیں جس کو کسی نادان انسان نے نہیں کسی سیاح جہان گشت نے  
نہیں کسی جغرافیہ نویس اور کسی نقشہ ساز نے نہیں ازمنون اور آسمانوں کے پیدا  
کرنے والے نے لندن پیرس کو چمک دمک اور جگمگاہٹ بخشتے دئے، برکن و  
نیویارک کو نیت سے بہت کرنے والے نے، ام القریٰ، بسبتیوں کی ماں لکھنؤ کا  
ہے، مان وہ ہے جس کے وجود کے بغیر اولاد کا وجود نہیں ہوتا، آج مکہ نہ ہوتا، تو نہ مکہ  
ہوتا نہ بمبئی، نہ لکھنؤ نہ دہلی، نہ لاہور نہ مدراس، اور نہ چین نہ جاپان، نہ مصر نہ ہندوستان  
نہ انگلستان نہ سارا فرنگستان، اشار چین اور مصر میں کہتے ہیں، کہ مکہ رو سے زمین کا مرکز ہے  
نادان فرنگی ہنستا ہے، اور کہتا ہے، کہ زمین کرہ کی شکل میں ہے، اس میں کسی ایک متین  
مقام کو سب وسط میں کیونکر قرار دیا جاسکتا ہے، اس جاہل کو مرکز کے معنی صرف جغرافی  
مرکز کے معلوم ہیں، اور اسکی عقل صرف اسی مرکز جاتی ہے، جو مادی آلات پیمائش کے  
حساب سے سب کے وسط میں ہو، سو اول تو اس کے پاس اس حیثیت سے بھی اس کے  
عقیدے کی کوئی دلیل نہیں، لیکن اس کے علاوہ "ام" کے معنی مرکز جغرافی کے ہیں  
کب؟ مان کا کام تو اولاد کو وجود میں لانا، اور انکی پرورش و تربیت کرنا ہے، پھر اگر آج  
بھی سب کی ایمانی پرورش اور روحانی تربیت مکہ سے نہیں تو اور کہاں سے ہو ہی ہے؟

سارے شہروں اور سارے ملکوں، ساری آبادیوں اور ساری بیٹیوں کے دین و ایمان کا مرجع اور زینت و تزکیہ کا مرکز، اگر کہہ نہیں، تو کیا کوئی اور شہر ہے؟ رحمت کا طر و قدرت مطلقہ نے اپنے آخری پیام رحمت کی بارش کے لئے کیا بجز اس سرزمین کے کسی اور کو چنا؟ اور اس پیام کا پیا مبر، سب سے جامع، سب سے اہم، سب سے اکمل، سب سے آخری پیام لانے والا، کہاں پیدا ہوا؟ کہاں پلا؟ کہاں بڑھا؟ کہاں اُس پر اُس پیام کا نزول شروع ہوا، اور کہاں کی گلیوں اور وادیوں میں وہ ایک دن دو دن نہیں، تیرہ برس تک اُسی پیام کی منادی کرتا رہا!

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حوالہ سے یہ روایت اکثر کتب تفسیر میں منقول ہے کہ جب اللہ کے حبیب و محبوب کو اس شہر سے ہجرت کرنی پڑی، تو گھر سے نکلنے کے بعد اس شہر کی طرف مڑ کر ارشاد ہوا:

انتم احب البلاد اللہ تعالیٰ الی اللہ	تو اللہ تعالیٰ کے تمام شہروں سے بڑھ کر اللہ کو
وانتم احب بلاد اللہ تعالیٰ الی ولو	محبوب ہے، اور تو اللہ تعالیٰ کے تمام شہروں سے
لا ان اهلک اخر جوفی لمر اخرج منک	بڑھ کر مجھے بھی محبوب ہے، اور اگر تیرے لوگوں نے
	مجھے نہ نکالا ہوتا تو میں خود تجھ سے نہ نکلتا،

اس تصریح کے ساتھ اللہ کا محبوب ترین شہر اور اللہ کے رسول کا محبوب ترین شہر، سو اگہ کے، اور کسے کہا گیا ہے؟ حدیث کی روایت کو بھی چھوڑیے، خود کلام پاک میں کیا ارشاد ہوتا ہے۔

انما امرات عبد سب حدیث | مجھے صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ اس شہر کے رب کی

البلد الذی ہم مہکاد لہا کل شیئ  
 (نیل، ع،)  
 عبادت کروں جس نے اسے حرمت والا بنایا، اور  
 ہر شے اسی کے لئے ہے،

اللہ اکبر! مکہ والو! مکہ کے مسافرو! ذرا مکہ کی بڑائی دیکھنا! خود اپنا تعارف مکہ کے ذریعہ  
 سے کرایا جا رہا ہے! اپنے متعلق ارشاد ہوتا ہے، کہ اس شہر (مکہ) کے پروردگار! اور پھر  
 تصریح و تصریح کہ وہ مکہ کا رب ہی نہیں بلکہ وہ جس کے لئے سب کچھ ہے، مکہ کو پاک  
 بھی کر چکا ہے، اسے حرمت والا بھی قرار دیکھا ہے، اللہ نے لا اقصیٰ لهذا البلد میں کس شہر  
 کی عزت افزائی کی ہے! البلد الاہمیت کس شہر کا نام رکھا گیا ہے؟ بلد آمنائے کس  
 شہر کی سسر افزائی مقصود ہے! بلد الحمراز بان نبوت میں کس شہر کے لئے ارثا  
 ہوا ہے؟ ابراہیم خلیل اللہ نے کس شہر کی آبادی کے لئے دعا کی تھی؟ ابراہیم اور اسماعیل  
 اور ہاجرہ نے کس شہر میں اپنی مستقل یادگار بن چھوڑی ہیں؟ ————— موٹر کے  
 پیٹے تیزی کے ساتھ گھوم رہے تھے، اور انکی ہر گردش کے ساتھ اللہ کا شہر اللہ کے  
 حبیب کا شہر، اللہ کے خلیل کا شہر، اللہ کے ذیج کا شہر، بیشمار اولیاء و صدیقین کا شہر  
 قریب تر ہوتا جا رہا تھا،

لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ لَا تَشْرِيَاتُ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمَلْتَ  
 لَبَّيْكَ، ہر تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد، دوسری سواریوں یا پیدل مسافروں کو دیکھ  
 کر، بلند یوں پر چڑھتے وقت، نشیون میں اترتے وقت، منزلوں پر پہنچ کر، نمازوں  
 سے فارغ ہو کر، لبیک لبیک کی صدائیں بلند ہوتی ہیں، ظہر کی نماز ذوالحلیفہ میں بڑھ  
 چکے تھے، عصر، مغرب و عشا کی نماز میں راستہ میں مختلف منزلوں میں ادا ہوئیں، آخر

نصف شب کے برحان پر پہنچے، اور یہیں قیام ہوا، مدینہ جاتے ہوئے بھی شب اسی منزل پر گزاری تھی، اُدھی رات کے بعد تھکے ماندے، خوب خستہ ہو کر سونے لیٹے، فجر کی نماز اکثر دن کی قضا ہوئی، جون تو ن پڑھ کر پھر جلدی سے روانہ ہوئے، آج سفر سارے دن کا ہو، یہ موسم تو خوب لو چلنے کا ہو، لوہندوستان ہی کی کس غضب کی ہوتی ہو، چہ جائیکہ رگستانِ عرب کی لو! اسے بچنے کے لئے کچی پیاز بہت مفید ہو، قافلہ میں سب نے پیاز کی آندیاں ہاتھوں میں لے رکھی تھیں، اور چھ بھی کبھی سونگھتے بھی جاتے تھے، احرام کی حالت میں سر ڈھانپنے کی ممانعت، جسم کا بہت ماحصہ بھی تیز ہوا، میں بلارا وہ بار بار کھل جاتا تھا، ان بے احتیاطیوں کے باوجود بھی حد کے فضل سے سارا قافلہ محفوظ رہا، نہ کسی کے لو لگی، نہ کسی کو بخار آیا، راستہ میں ایک لاری ٹھیک دوپہر کو کھڑی ہوئی، علی معلوم ہوا کہ بگڑ گئی ہو، مصریوں کا قافلہ سوار تھا، اس میں ایک جوان عورت کو لو لگ گئی ہو، بیچارہ می بے حال و بدحواس تھی، اسکا شوہر اسے ہماری لاری پر لے آیا، اور اگلی منزل پر اسے لیکر اتر گیا، خدا معلوم بعد کو کیا گزاری، منزلوں پر طبی انتظام کسی قسم کا بھی نہ تھا، حالانکہ اس ہجوم کے زمانہ میں خصوصاً ایسے سخت موسم میں، راستہ میں دس بارہ چھوٹے شفا خانے قائم کر دینے کچھ مشکل نہ تھے،

مدینہ سے مکہ کو اونٹ جس راستہ سے جاتے ہیں، وہ سیدھا راستہ ہو، اور جدہ نہیں پڑتا، موٹر کار راستہ جدہ ہو کر ہو، اس لئے ہلوگوں کو تو بہر حال یہی راستہ اختیار کرنا تھا، دن بھر کے سفر کے بعد شام کو جدہ کی روشنیان منظر آئی شریع ہوئیں، اور

عشا کے اول وقت شہر میں داخل ہو گئے، موٹر میں سر میں کپنی کی تھین، شو فرنی کپنی کے موٹر خانہ میں موٹر میں لے گئے، اور یہیں وہیں آ کر دیا، رات کا وقت، یہی مقام اپنے وکیل اور ان کے مکان کی اس وقت کہاں تلاش کی جائے؟ اتنی عورتوں کا ساتھ، انہیں کہاں چھوڑا جائے؟ اور پھر اگر وکیل صاحب ہاتھ بھی آگئے تو ایسے نا وقت وقت پر ہم لوگوں سے التفات کیوں فرمائے گئے؟ اس قسم کے سوالات شاید دیر تک دماغ کو پریشان رکھتے، لیکن آخر اسی جدہ میں منشی احسان اللہ صاحب بھی تومع اپنے تمام اختیار و اقتدار کے رہتے ہیں، فوراً وہ یاد پڑ گئے، اور پتہ پوچھتے اُن کے گھر جا پہنچا، گھر پر موجود مل گئے، اور ان کی ملاقات ہر مشکل کا حل تھی، وہی لطف و التفات، وہی توجہ و اخلاق، دس میں منٹ کے اندر وکیل صاحب بھی مل گئے، ہاں بھی سب اتر آیا، اور مردانی و زنانی سواریاں بھی سب سہولت وکیل صاحب کے مکان تک پہنچ گئیں، قافلہ کے اور لوگ صراحہ سیونی کے مکان میں رہے مجھے اور مولانا مناظر کو شیخ نصیف کے پُر فضا چوتہ کی چاٹ پڑ چکی تھی، اور اس وقت کے گرم موسم میں تو اس کی اور زیادہ ہوس تھی، ہم دونوں ان کے ہاں پہنچے، معلوم ہوا شیخ مکہ جا چکے ہیں، مجبوراً صراحہ سیونی کے مکان کے نیچے میدان میں لیٹے، لیکن اس میدان پر اس وقت انسانوں سے زیادہ اونٹنوں کا قبضہ تھا، ساری رات انسانوں اور اونٹنوں کی کنش کشش و جھلپش میں گزری اونٹنوں کا تباہیم عظیم پہلی بار دیکھنے میں آیا،

جدہ اس وقت جاحیوں سے پٹا پڑا ہی، مسجدوں کے اندر، سڑکوں کے اوپر



دوکانوں کے نیچے زمین کا کوئی گوشہ تالی نہیں۔ درختی کچھ ختم ہو چکی، اب حج کے دن  
 ہی کے باقی رہ گئے، ہر شخص عجلت سے بیتاب اور لطف یہ کہ سب کو موٹر ہی سے نہیں  
 جانا ہے، سیکڑوں ہزار دن ہنگامہ خذ ایسے ہیں جو اونٹوں پر جائیں گے، اور کچھ  
 ایسے بھی جو باپا دادہ روانہ ہو گئے، آخر میں ہوان کی ہمتوں پر، یہاں تو موٹر کے باوجود  
 بھی گھبراہٹ سوار ہے کہ دیکھئے ٹھیک وقت سے پہونچنا نصیب بھی ہوتا ہی، یا نہیں؟  
 ہون توں کر کے ہر کی صبح ہوئی، مدینہ کی طرح یہاں بھی مسجد کی اذان ہوتی ہے، خیر  
 آج کی بدحواسی میں اُس وقت اٹھنا تو کیا نصیب ہوتا، البتہ نماز فجر کے لئے جب  
 مسجد جانا ہوا، تو دیکھا کہ مسجد نمازیوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی ہے، سبحان اللہ! آج  
 کے مجمع کا کیا کہنا، ہندی، مصری، مغربی، خدا معلوم کس کس دیس کے حاجی جمع ہیں،  
 وضع الگ، لباس الگ، بولی الگ، قد و قامت الگ، رنگ روپ الگ، البتہ سب کے  
 سب نبی کی امت اور اللہ کے بندے، دن نکلا، اور موٹر دن کا انتظام شروع ہوا  
 آج دن کا کھانا، صبح سویرے ہی پیٹ بھر کر کھالیا گیا، کہ خدا معلوم دوسرے وقت  
 کھانے کا موقع کب اور کہاں آئے، کہ میں چونکہ قیام بہت مختصر کرنا تھا، اس لئے  
 زائد سامان میں وکیل صاحب کی حفاظت میں چھوڑ دیا گیا، اور صرف ضروری  
 سامان ساتھ رکھ کر، ہندوستان کی گھڑیوں کے صاحب، دن کے دس بجے ہمارے  
 موٹر روانہ ہو گئے، جدہ سے جو لوگ سیدھے مدینہ منورہ جاتے ہیں، اور اُن کے  
 موٹر دن کے جو کرایہ پیشگی لئے جاتے ہیں، اُن کرایوں میں جدہ سے مکہ تک کا کرایہ  
 بھی شامل رہتا ہے،

جدہ سے مکہ کا فاصلہ کوئی ۴۰، ۲۰ میل کا ہی، اونٹ دو ڈیڑھ روز میں پہونچے ہیں  
 اچھے موٹر دو ڈھائی گھنٹے میں اور لاریاں تین سارے تین گھنٹے میں، مکہ کا راستہ مدینہ  
 کے راستہ سے نسبت بہت بہتر ہے، کہیں کہیں سڑک کوٹنے والے انجن (اسٹیم رولر) بھی  
 دکھائی دیے، راستہ میں دونوں طرف پانی اور شربت اور چائے کی دوکانیں کپڑے  
 سے موجود، شاید ایک جگہ ٹھکانہ کا خیمہ بھی دکھائی پڑا تھا، چھوٹے چھوٹے پڑاؤں کے  
 درمیان میں ایک بڑی منزل جدہ یا حیرہ کی آتی ہے، نماز ظہر کے وقت یہاں پہونچے  
 خیموں اور شامیانوں کا ایک وسیع سلسلہ سڑک کے دونوں طرف قائم علاوہ چائے  
 کے کھانے کی دوکانیں بھی موجود، چاول، گوشت، ترکاری، تر بوڑا جو چاہئے، نوش  
 فرمائیے، البتہ مدینہ کا سا پانی اب کہاں مل سکتا ہے، اب اس کا خیال ہی چھوڑ دیجئے،  
 گو اسکی یاد ہر مرتبہ حسرت کے ساتھ آگے رہیگی، ایک بڑے قہوہ خانے میں چائے پی، اور  
 یہیں نماز ظہر بڑی جماعت کے ساتھ پڑھی، جدہ سے اونٹوں پر جو قافلے مکہ جا رہے  
 ہیں، ان کے بھی بہت سے حاجی یہاں مل گئے، اور انھیں میں جدہ کے ہمارے بیٹھ  
 جمال الدین فتنی بھی تھے، جھکا ذکر خیر پہلے آچکا ہے، جدہ سے مکہ تک سڑک پر سایہ کا  
 کہیں نام نہیں، خشک چھاڑیاں البتہ جا بجا نظر آتی رہیں، اور مکہ کے قریب کچھ غلستان  
 بھی نظر آئے،

ظہر کا اوسط وقت گزر چکا تھا کہ زمین حرم کے حدود شروع ہو گئے، جدہ سے  
 آتے وقت مکہ سات میل رہتا ہے، کہ حدود حرم شروع ہو جاتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ جب  
 حضرت آدم مکہ میں تشریف لائے، تو اللہ نے شاہین سے آپکی حفاظت کے لئے لاکھ

کو نازل کیا، جنھوں نے کہہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا جو زمین اُس حلقے کے اندر آگئی، وہ حرم کہلاتی ہے، یہ روایت صحیح ہو یا نہ ہو، بہر حال زمین حرم ہے خاصاً ادب و آداب کی سر زمین اور بزرگوں نے اس کے آداب یہ لکھے ہیں، کہ اگر ممکن ہو تو اتنا فاصلہ پایادہ طے کرے، اور قدم اس مسکنت، فروتنی و تذلل کے ساتھ اٹھائے، کہ جیسے کوئی عاجز و بے بس، شہنشاہ کے دربار میں جا رہا ہو، مولانا اور کم ہمتوں اور ناتوانوں کو بھلا ان آداب کی کیون تو فیق ہونے لگی تھی یہاں محض اس لئے ذکر کر دیا گیا کہ ہو سکے تو آئندہ عازمین حج اسے پیش نظر رکھیں، ان حدود میں داخل ہوئے، تو مولانا مناظر کی قیادت میں یہ دعا (یا مثل اس کے کوئی دوسری دعا تھی) بلند آواز سے پڑھی، اللھم انھن اہل ملت و جمہورہم سولت خیرہم لھجی و عظمیٰ و دھبی علی الناس اللھم امنی من عذابک یوم تبعث عبادک و اجعلنی من من اولیائک و اهل طاعتک و تب علی انک انت التواب الرحیم، مناسک حج پر عربی میں صد ہا تصانیف ہیں، فقہ کی ہر کتاب کا ایک لازمی جزو کتاب الحج ہوتا ہے، مولانا مناظر کے پاس ملا علی قاریؒ کی شرح لباب المناسک تھی، اس موضوع پر حقیقہ کیلئے جامع ترین کتاب ہے، اردو خوانوں کے لئے مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا مختصر رسالہ زبدۃ المناسک بڑے کام کا ہے، دیکھنے میں چھوٹا، لیکن مفید و مستند معلومات سے مہرین ہم لوگوں کے ہاتھ میں اسی کے اوراق تھے مولوی شاہ الیاس برنی صاحب کا سفرنامہ صراط الحمید بھی ضروری مسائل و معلومات سے خالی نہیں، گواسکا اصلی لطف اہل دل ہی اٹھا سکتے ہیں، مولوی شاہ سلیمان اشرف صاحب کی کتاب الحج جامع و نافع ہے اور اردو میں سب سے زیادہ مفصل و مبسوط ہدایت نامہ اس باب میں مولوی موزالینؒ

دہلوی کی کتاب الحج والزیارۃ (فتاویٰ عثمانی، جلد ۶) ہے، جو ہر دوسری کتاب سے  
 بے نیاز کر دینے کے لئے کافی ہے، اور اردو میں اپنے موضوع پر ایک بے مثل و نادر  
 جامع تالیف ہے، مولوی ابو الخیر خیر اللہ صاحب وکیل ہنگنڈہ (دکن) نے بھی اپنے  
 چند ورق کے رسالہ خیر الناسک میں حیرت انگیز تفصیلاً کیسا ضروری مسائل اذعیہ  
 و اذکار کو جمع کر دیا ہے، عازمان حج اگر اس قسم کی چیزیں اپنے ہمراہ رکھیں، تو بہت  
 سی لغزشوں اور فروگزاشتوں سے، جن پر بعد کو تاسف و ندامت ہوتی ہوتی ہے،  
 بچ جایا کریں گے،



# باب ۲۱

## سواد مکہ

عن ابن عباس قال قال رسول الله  
صلعم لمكة ما اطيبت من بلد و  
اجبت الى دلوكان ان قوی اخر جوفی  
هناك ما سکننت غیرك  
ترندی

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ  
صلعم نے مکہ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ تجھے  
زیادہ پاکیزہ کوئی شہر نہیں، اور نہ کوئی شہر تجھ سے  
زیادہ مجھے محبوب ہے، اور اگر میری قوم والوں  
نے مجھے نکال نہ دیا ہوتا، تو میں تیرے سوا اور  
کہیں نہ رہتا۔

حاضری اس پاکیزہ ترین شہر اور رسول خدا کے اس محبوب ترین شہر میں  
ہم رہ رہی تھی۔

عن عبد الله بن عدي قال سألت  
رسول الله صلعم واقفا على السلم و  
فقال والله انك لخير ارض الله و  
ارض الله الى الله

عبد اللہ بن عدی نے رسول اللہ صلعم کو  
روزہ آکر میں ایک مقام کا نام ہے، میں کھڑے  
ہوئے دیکھا، اور آپ فرما رہے تھے کہ لے مکہ تو  
اللہ کی بہترین سرزمین ہے، اور اللہ کی نظر میں اللہ

(ترمذی)

کی محبوب ترین زمین ہو،

قدم اس بہترین شہر اور اٹھ کے اس محبوب ترین شہر کی جانب بڑھ رہے تھے

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ

صلعم .... یوم فتح مکة ان هذا

البلد حتی ما للہ یوم خلق السموات

والارض فهو حرام بھی مہ (اللہ

الی یوم الفیضة) انہ لم یجل القتال

فیہ لاحد قبلی ولم یجل لی الا ساعة

من نہاں فهو حرام بھی مہ اللہ الی

یوم الفیضة لا یعضد شوکہ ولا

یفیر صید ولا یلتقط لقطہ ولا

من عم فہا ولا یتغتی خلاھا،

(بخاری، مسلم وغیرہ)

ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فتح مکہ کے دن فرمایا کہ .... اس شہر کو حرم قرار دیا

اللہ نے اسی روز سے کہ جس روز آسمان و زمین کی

آفرینش کی، پس اس کی حرمت واجب ہے روز

قیامت تک، اور ہرگز نہیں جائز ہوا اس کے

اندر قتال مجھ سے قبل کسی کے لئے، اور نہیں

جائز ہوا، خود میرے لئے، بجز ایک رعایت روز

کے، پس واجب ہو اس کی حرمت یوم قیامت

تک نہ کاٹا جائیگا، درخت کا دار اس کے اندر

اور نہ تعرض کیا جائیگا شکار سے اس کے

اندر اور نہ اس کے اندر گری ہوئی چیز اٹھائی

جائیگی، سوا اس صورت کے کہ اسے پہنچوایا جائے

اور نہ کاٹی جائیگی گھاس اٹکے حدود کے اندر

رحمت و فضل کی بخشش اس سرزمین پر لئے جا رہی تھی، جہاں داخلہ کے یہ ادا

اور یہ شرائط ہیں، اور جہاں کے احترام کو ان قیود سے سب پر واضح اور سب پر روشن

کر دیا گیا ہے!

یہ قیود اور یہ آداب تو اند کی طرف سے ہر بندہ کے لئے ہیں، اہل ادب اور اہل دل نے از خود جو آداب ملحوظ رکھے ہیں، اُن کا کیا ذکر کیا جائے، اس تیرہ ماٹریہ سو برس کی مدت میں کتنے ایسے ہیں، جو بغیر کسی رفیق اور بغیر کسی زاد و راجلہ کے اپنے کو محض تقدیر الہی کے سپرد کئے ہوئے اس در پر حاضر ہوئے ہیں، اکتے ایسے ہیں کہ جو آٹھ ماہ سفر میں مسلسل روزے رکھتے ہوئے، اور قدم قدم پر دو گنا نماز ادا کرتے ہوئے اس سرزمین پر پہنچے ہیں، اکتے ایسے ہیں، جو "خانہ" نہیں، صبا جنانہ نہیں، نہیں، رب البیت کے شوق دید میں، جھکتے اور گرتے ہوئے، سر کے بل یہاں پہنچے ہیں! اور فرماتے یہ ہیں، کہ مسلمان حرم کو حرم اس لئے کہتے ہیں، کہ اس کے

اند مقام ابراہیم ہے..... اور ابراہیم علیہ السلام کے دو مقام تھے، ایک ان کے تن کا مقام اور ایک ان کے دل کا مقام، مقام دل کو ظلت کہتے ہیں، اور مقام تن کا نام کہ ہے، پس جو ان کے مقام تن کا قصد کرے، لازم ہے کہ اپنے کو لذتوں اور خواہشوں سے خالی کرے،

حرم را حرم بدان خوانند کہ اندر سے مقام ابراہیم است..... و ابراہیم را دو مقام بودہ است، یکے مقام تن و دیگر مقام دلش، مقام تن کہ مقام دل ظلت، ہر کہ قصد مقام تن سے کند از چہ شہوات و لذات اعراض باید کرد، «کشف المحجوب»

یہاں احرام کی ظاہری پابندیاں ہی آسانی سے کس کے بس کی بات تھیں کہ ان باطنی پاکیزوں کا خیال تک بھی آ سکتا! یہاں زبان اور آنکھ، اور ہاتھ اور پیر کب قابو میں تھے، کہ دل و دماغ، تصور و خیال، خواہش و ارادہ کو قابو میں لانے کا دھیان بھی کیا جاتا! بس محض تن بہ تقدیر چل رہے تھے، اور چل کیا رہے تھے!

بس کسی کا لطف یہ نہایت ادا کر رہے تھے، چلائے جا رہے تھے! کیا شانِ رحمانیت  
ورہیت ہر اہمیت و عظمت والی، یہ عزت و جلالت والی سرزمین، جو شاید صرف  
انبیاء و ملائکہ اور اولیاء و صدیقین کے لائق تھی، اس پر آج کس تنگ خلاق نامہ سیاہ  
کو لایا جا رہا ہے!

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ روایت ہو کر کہ حضرت  
انبیاء و اہل بیتؑ داخل ہوئے تھے تو پیادہ اور  
برہنہ پا، اور خانہ کعبہ کا طواف اور سارے ارکان  
حج پیدل ننگے پاؤں ہی ادا کرتے تھے،

عن عبد اللہ ابن عباسؓ قال کانت  
الانبياء تدخل الحرم من مشاة حفاة و  
ليطوفن بالبيت ويقضون المناسك حفاة  
مشاة (ابن ماجہ، باب دخول الحرم)

اللہ اکبر! یہ ادب و احترام حضراتِ انبیاء علیہم السلام کر رہے ہیں! جو خود اس مرتبہ  
کے ہیں، کہ جن و بشر الگ رہے، فرشتے تک انکی تعظیم کرتے ہیں! ان آنکھوں والوں نے  
کیا کچھ دیکھا ہوگا! ان بصارت و بصیرت والوں کو کیا کچھ نظر آیا ہوگا! اندھے اگر خود کچھ  
نہیں سکتے، تو دیکھنے والوں کی پیروی تو کر سکتے ہیں! سرزمین کی پاکی، اور اللہ کے  
شہر کی کبریائی کا یہ مرتبہ، کہ پاؤں کے پاک اور بڑوں کے بڑے جب داخل ہوتے ہیں  
تو سوار یوں سے اتر کر! اور جوتیوں کو اتار کر! ایک ادب ان بادلوں کا تھا، اور ایک  
ادب ہم بے بادلوں کا ہے، کہ نہ چند منٹ کے لئے بھی سواری سے اترے، اور نہ چند قدم  
کے لئے بھی جوتے اتارے! اترے، یہ مقام تو وہ تھا کہ پیروں سے جوتیاں اتارنا  
تو کیا، اگر تن سے سرتار نے کو بھی کہہ دیا جاتا، تو اہل دل اور اہل درو اس نزدکو  
کسین ملکی اور اس سوئے کو کسین ارزان سمجھتے!



متاع وصل جانان، بس گران ست  
گر این سو و ابجان بوسے، چہ بوسے!

ہندوستان کی گھڑیوں کے حساب سے ساڑھے تین پونے چار کا وقت ہوگا، کہ  
لاریاں اپنے انشیشن پر پہنچ کر رک گئیں، اور سامنے شہر مکہ کی عمارتیں نظر آنے لگیں  
ہمارے معلم عبدالقادر سکندر کو ہمارے پروگرام کی پوری اطلاع تھی چیمٹ کے  
انتظار کے بعد ایک گدھے پر سوار آتے دکھائی دیے، اور ہم لوگ انکی محبت و رہنمائی  
میں روانہ ہوئے، مولوی شہلاطف اللہ صاحب کی پانچ آدمیوں کی جماعت یہاں سے  
علحدہ ہو گئی، اور ہم سولہ مرد و زن چار اعرامیوں پر سوار ہو کر چلے، حرم کا نیر حیدر آباد  
رہاٹوں کا فاصلہ یہاں سے ڈیڑھ دو میل تھا، اور، وسط مئی کی دھوپ بھی خاصی تیز  
تھی، پھر زمانہ قافلہ کا ساتھ سوار سی کر نانا گریز تھا، ٹھہرنے کے لئے مستعد مقامات پیش  
تھے، اور سب سے بڑھکر مولوی محمد سلیم صاحب کا خلوص و محبت سے بھرا ہوا، دعوت نامہ  
مدرسہ مولیتہ سے متعلق موجود تھا، لیکن معلم سے معلوم ہوا کہ مدرسہ کا فاصلہ حرم سے اچھا  
خاصہ ہی، پنجوقتہ حاضری نہ ہو سکے گی، اس لئے طے پایا، کہ پہلے رہاٹ حیدر آباد میں چکر  
قیام کیا جائے، اس کے بعد دیکھا جائیگا، یہ رہاٹ مسلمانین میں واقع ہے، کئی درجن  
کی وسیع عمارت، مگر اس وقت ماٹار اللہ خوب کھپا چھ بھری ہوئی، اس کے  
سہم دار و غصیب اللہ صاحب خوش خلق، مستعد، کار گزار خدمت کر کے خوش  
ہونے والے، حرم سے یہ عمارت کوئی تین فرلانگ کے فاصلہ پر ہنزہ بیدہ کا ایک  
پائپ عین اس کے دروازہ پر، اور یہ مکہ کے لئے ایک خاص نعمت ہی ہندوستان

والوں کو پانی کی اس اہمیت کا اندازہ کمان،

سکندر ذوالقرنینؑ تو حضرت خضرؑ کی رہنمائی کا محتاج تھا، یہ سکندر مطہرؑ خود  
 ہادی و رہنما بنکر ہمارا ہونے لگے، گدھے پر سوار، ہماری اعرابی کے ساتھ ساتھ آیا واپس  
 دعائیں پڑھتے جاتے ہیں، اور ہم لوگ انہیں الفاظ کو دہراتے جاتے ہیں، اب یہ تو  
 خیال نہیں، کہ اس وقت انہوں نے کون سی دعائیں پڑھائی تھیں، البتہ کتابوں  
 میں اس قسم کی دعائیں منقول ہیں، اللھم انت سرّی وانا عبدک جبّت لادّی خیر ارضیت  
 واطلب رحمتک و القس رضاک متبعاً لاسمک رضا بقضائک رسالت مسئلتہ  
 المصططین الیک الشفقتین من عذابک الخالضین من عقابک انت تستقبل الیوم  
 بعفوک و تحفظی برحمتک و تجاودنی بمعفوتک و تعینت علی اداء خیر المصلت  
 اللھم افتح لی ابواب رحمتک و ادخلنی فیھا و اعد فی من الشیطان الرجیم  
 مکہ علاقہ حجاز ہی کا نہیں، سارے ملک عرب کا سب سے بڑا شہر، ہندوستان کے  
 میار سے بھی اسکا شمار بہت چھوٹے شہروں میں نہیں، لوگوں سے سننے میں آیا کہ  
 کوئی ڈیڑھ لاکھ کی مستقل آبادی ہو، اور حج کے موسم میں تو یہ آبادی دو گنی بلکہ ڈھائی  
 گنی ہو جاتی ہو، اونچے اونچے پختہ مکانات، کہیں کہیں عالیشان حویلیاں، بڑے  
 بڑے بازار، ہر قسم کے کپڑے، کھانے، برتن، جوئے، بساط خانہ، صرافہ کی دوکانیں، بکری  
 شب میں بجلی کی روشنی کی جگہ گھاٹ، چائے اور قہوہ کا تو ذکر ہی بے کاہر، ذکر کے  
 قابل برت اور شربت کی دوکانیں ہیں، اطرح طرح کے خوش رنگ شربت قدم قدم  
 پر موجود، اور کہیں کہیں برت بھی، یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ عرب میں ہیں، بس یہی

معلوم ہو رہا ہو، کہ ہندوستان کے کسی مذہب و متمدن شہر میں چل رہے ہیں، البتہ  
 سڑکوں کا کوئی معقول انتظام نہیں، پختہ سڑک کا برے نام وجود عدم کے مساوی  
 ہجوم اور حلقش کا کیا پوچھنا، ایسے ہنگامہ میں اسٹند صاحب کی آواز بھی پوری طرح  
 پہونچی نکلن نہ تھی، پھر بھی ”معلم“ صاحب اپنی تعلیم شروع کر چکے تھے، اور ادھر سے بھی  
 اپنی والی کو نشی ہی تھی، کہ بہت نالایق شاگردوں میں شمار نہ ہو۔

لیکن مکہ کے بازاروں کی یہ رونق اور یہ آبادی ————— آہ اس دردِ دل  
 کو الفاظ کے واسطے سے کیونکر ظاہر کیا جائے ————— مسلمانوں کی ترقی نہیں،  
 انہوں کی ترقی نہیں، مکہ و مدینہ کی ترقی نہیں، حجاز کی ترقی نہیں، حجاز کی نہ سہی ہمسرو  
 شام، عراق و ایران، بخارا و افغانستان کسی اسلامی ملک کی ترقی  
 نہیں، بلکہ تقریباً تمام تر انگلیوں کی ترقی ہو، بیگانوں کی ترقی ہو، امریکہ و جرمنی، انگلستان  
 و اطلی کی ترقی ہو، یہ دوکانوں پر جو لاکھوں روپیے کا سامان منتظر آ رہا ہو، یہ شال و  
 پٹینے، یہ مکمل اور یہ چادریں، یہ موزے اور یہ دستانے، یہ منظر اور یہ کالر، یہ سوٹ اور  
 یہ بنیان، یہ غل اور یہ اطلس، یہ جوتے اور یہ ٹوپیاں، یہ پیپ اور یہ گرگابیان، یہ  
 موٹر دن کے ٹیوب اور لاریوں کے ٹائر، یہ کبلی کے قفے اور گیس کے ہنڈے، یہ  
 یہ تیل کے پیپے، اور یہ عطر کی شیشیاں، یہ سگار اور دیا سلیٹیاں، یہ مریے اور جلیان  
 یہ گلاس اور پٹینیں، یہ رومال اور جانا زین، اور یہ ہر قسم کے خوشنما سامان کا ڈھیر،  
 کاش اس کا کوئی حصہ تو انہوں کا ہوتا، کاش یہ تو نہ ہوتا، کہ انہوں کی حیب سے سارے  
 کا سارا نکل کر باختر اور لنکا، شائر، لیور پول اور گلاسگو، شیفلڈ و برمنگھم، ایسٹرڈم و

اسکا کھام ہوا، ٹنگسن اور شکاگو کی کوٹھیوں اور کارخانوں میں، بینکوں اور خزانوں میں منتقل ہوا چلا جا رہا ہے، یہ ٹھیک ہے کہ بغداد کی عجائبن، اور دہلی کے جوتے بھی موجود ہیں لیکن جہاں ہزاروں اور ہزاروں کے سیکڑوں لاکھوں، اور لاکھوں کی دہائیوں کے نفع بیگانے حاصل کر رہے ہوں، وہاں اگر سیکڑوں کی رقم اپنوں کی حیب میں آئی بھی، تو کیا آئی! کس کو اس پر خوشی ہوگی، اور کون اسکا ذکر فرے کرے گا!

اولم نمکن لہم صما آمتا جیجی الیہ  
 کیا ہم نے ان لوگوں کو امن دے حرم میں جگہ  
 ثمرات کل شیء ہر خامن لدا،  
 نہیں دی، جس کی طرف ہر طرح کے میوے کھینچے  
 (قصص، ۶۷)

تلاوت میں آیہ کہ یہ خدا معلوم کتنی بار نظر سے گزر چکی تھی، لیکن اس کا مفہوم پوری طرح، مکہ معظمہ میں حاضری کے بعد ہی واضح ہوتا ہے، ایک بے آب و گیاہ ملک، ہر طرف ریگ اور ریگستان، پتھر اور خشک چٹانیں، سبزی اور شادابی کا کوئی سون کیا معنی منزلوں پہ نہیں کہنوں کا وجود عقلاً اور جھیل اور تالاب کا تو نام بھی کسی کے قانون میں نہ پڑا ہوگا موسم کی گرمی، لو کی لپٹ، دھوپ کی تیزی اس پر مستزاد، ایک طرف خشکی کے یہ سارے سامان، اور دوسری طرف تازہ پھولوں اور شاداب میوؤں کی وہ کثرت، کہ مٹی کے کرا فرڈو، یا دہلی کی فچوری کی دوکانوں کا دکھ ہونے لگے، ابھیہر لکڑی، سرودہ، کیلا، تر بوڑ، خر بوڑہ، کدو، لوکی، نارنگی، سنگترا، انار، انور، سیب، ناپاتی، کشمش، لیون، چیکو، شفقالو، خدیانی، تروتازہ، آلو بخارا، غرض دنیا بھر آم کے جو ترکاری اور جو پھل چاہئے، اپنی تروتازہ، سرسبز و شاداب شکل میں موجود یہ اگر محض مکہ کی کرامت اور رب مکہ کا کرم نہیں، تو اور کیا ہے؟ اسباب ظاہری کے

لحاظ سے تو اس کا خیال بھی نہیں ہو سکتا تھا، سر ہنر قائم لدا تا یہ ہماری طرف سے بلا  
 تائید اسباب طبی، دلیغیر مساعدتِ تدایر ظاہری، مکہ والوں کے لئے رزق ہی جس  
 پے نے کہا ہی، حزنِ بخت پچ کہا ہی، اور وہی ایک سچا اتنے بڑے دعویٰ کی بے دھڑک  
 ہمت کر بھی سکتا تھا، جس سر زمین میں کچھ بھی نہ پیدا ہوتا ہو، وہاں یہ سب کچھ موجود  
 ہو جاتا، اور دعویٰ کے ساتھ اس حقیقت کا اعلان کر دینا، قرآن مجید کی صداقت کا وہ  
 مستقل مجرہ ہو، جس کا مشاہدہ دینا ساڑھے تیرہ سو برس سے مسلسل کرتی چلی آ رہی ہے، اور  
 خدا جانے آئندہ کب تک کرتی چلی جائے گی!



## باب ۲۲ حرم شریف

مکہ مکرمہ میں حاجیوں کے ٹھہرنے کا عام دستور یہ ہے کہ اپنے اپنے معلم کی معرفت کرایہ کے مکانوں میں اترتے ہیں، مکانات کے کرایہ عموماً تو کچھ ایسے گران نہیں رہتے لیکن اس هجوم کے زمانہ میں ظاہر ہو کہ اپنے جائز حدود کے اندر کیونکر محدود رہ سکتے ہیں، مالکان مکانات کی خاطر خواہ آمدنیوں کا یہی زمانہ ہوتا ہو، منہ مانگے کرایے ملتے ہیں، اور پھر معلم صاحبان اپنے حقوق سے ایسے خداداد موقع پر کیوں دست بردا ہونے لگے، کرایے عموماً روپیوں کے حساب سے نہیں، گنیوں کے حساب سے ہوتے ہیں، ہمارے معلم عبدالقادر سکذرنے جو ہندوستان سے ہمارے ساتھ ہی اسی جہاز پر خود بھی مکہ چلے گئے، ہم سے یہی میں بکمال عنایت فرمایا تھا، کہ وہ ہمارے لئے ایک بہت اداں مکان دس پندرہ گنی میں تلاش فرمادیں گے، لیکن ہکو بھلا اٹھانکی عنایت سے مستفید ہونے کی ضرورت نہیں پڑی، اٹھ کے گھر میں میزبانوں کی کیا کمی، مدرسہ صولیہ، مدرسہ فخریہ عثمانیہ اور حیدرآباد کی رابطین متعدد ٹھکانے ہمارے ٹھہرنے کے تھے اور صلاح یہ قرار پائی کہ سب سے پہلے رباط حیدرآباد کو چل کر دیکھا جائے، چنانچہ وہیں کے لئے ہمارا قافلہ، اعرابوں پر سوار اپنے معلم کی رہنمائی میں چل رہا تھا،

یہ خوب واضح رہنا چاہئے کہ ہر شخص کو ایسی سولتین میسر آجانا ممکن نہیں، عموماً حاجتوں کو اپنے ٹھہرنے کا سارا انتظام اپنے معلم ہی کی معرفت کرنا ہوتا ہے، اور مکہ میں کرایہ مکان کے لئے ایک معقول رقم اپنے پاس رکھنا ضروری ہے۔

آج سے خدا معلوم کے ہزار برس قبل اللہ حکم اللہ کے خلیلؑ کو ملا تھا، کہ  
 وَاذْنِی النَّاسَ بِالْحَجِّ یَا لُکَہُ جَاوِ  
 علیٰ کلی ضامریاتین من کلی فحج عیمق  
 تیری طرف پیدل بھی، اور ہر طرح کی دہلی  
 سوار یوں پر بھی، جو ہر دور و دراز کے راستہ  
 سے آتی ہوں گی۔ (ج، ۴۷)

اب تک آیت کے محض الفاظ کا مطالعہ ہوا تھا، معنی کا مشاہدہ آج شروع ہوا، خدا معلوم اس پاس سے آنے والے گئے یا پادہ، اور دور و دراز سے آنے والے کتنے سوار یوں پر ساتھ ساتھ چل رہے ہیں، آگے چل رہے ہیں، پیچھے چل رہے ہیں، اور برابر امنڈتے ہوئے چلے آ رہے ہیں! دس بیس ہوں ہو چاس ہوں، تو کوئی گنتے کی کوشش بھی کرے، بڑی دل کے شمار کرنے کی ہمت کوئی کہاں سے لائے! عزیمت اور حوصلہ والے یا پادہ ہیں، رخصت اور اجازت والے سوار یوں پر سوار ہیں، اونٹ اور اونٹیاں بھی ہر قسم کی خوش رنگ بھی بد رنگ بھی، بڑی بھی چھوٹی بھی، خوشی بھی، شایستہ بھی، سفید بھی، سیاہ بھی، سرخ بھی، بادامی بھی، مگر سب کی سب فرط شفقت سے چور چور علیٰ کل ضامریات اور آنے والے کہاں کہاں کے؟ کوئی ایک دو ملک ہوں، تو نام گنائے جائیں، بخیر کے ہیں، کے عراق کے،

شام کے، مصر کے، اناطولیہ کے، فلسطین کے، کردستان کے، سوڈان کے، طرابلس کے،  
مراکش کے، الجزائر کے، حبشہ کے، تونس کے، ایران کے، افغانستان کے، بلوچستان کے،  
بھارت کے، ترکستان کے، چین کے، جاوا کے، برصغیر کے، ہندوستان کے، بنگالہ کے، پنجاب کے،  
سندھ کے، گجرات کے، بہار کے، مالابار کے، تبت کے، دکن کے، دہلی کے، لکھنؤ کے، اور  
خدا معلوم دینا کے کن کن گوشوں کے رہنے والے اور روئے زمین کے کن کن حصوں  
کے بسے والے من کی فحشیت کی تفسیر کا مشاہدہ کرانے کو موجود،

بیرون شہر کا حصہ جب تک طے ہوتا رہا، غنیمت رہا، شہر کے اندر داخل ہوتے  
ہی ہجوم کی بھی زیادتی شروع ہوئی، یہاں تک کہ جب اس موڑ پر پہنچے، جہاں  
سے محلہ مسئلہ کے حدود شروع ہوتے ہیں، تو اونٹوں اور انسانوں کی وہ چپقلش  
تھی کہ راستہ ملنا کسی طرح آسان نہ تھا، عصر کا وقت شروع ہو چکا تھا، ادھر یہ عجالت  
کہ منزل پر جلدی سے پہنچنے، اسباب رکھ رکھا، کسی طرح حرم تک جا پہنچیں،  
اور ادھر ہجوم ہی کہ راستہ کو ناقابل گزر بنائے ہوئے ہے، ہمتی کے جانے کا مسنون  
وقت ہر ذی الحجہ کی صبح ہی، اور عرفات تو وری کی دوپہر تک پہنچنا چاہیے، لیکن  
جلد بازوں اور سنت رسولؐ سے بے پروائی برتنے والوں نے سیکڑوں ہزاروں  
کی تعداد میں، آج ۶ ذی الحجہ ہی سے روانہ ہونا شروع کر دیا ہے، اور ان قافلہ  
نے راستہ کی چپقلش اور زیادہ بڑھا رکھی ہے، دو منٹ چار منٹ، دس منٹ بیس  
منٹ، پورے پورے کھڑے ایک مدت گزر گئی، اور سکندرِ عالم جو راستہ کے صاف  
کرنے میں لگے ہوئے تھے، خود بھی کہیں غائب ہو گئے، ایک ایک منٹ بھاری





دو پاخانے، اگر ہم سب مرد ہی مرد ہوتے، تو اتنی گنجائش بہت کافی تھی، لیکن ہم سولہ آدمیوں میں سات عورتیں تھیں، اور وہ بھی سب ایک خاندان کی نہیں کہ سب مردوں کے سامنے آسکیں، بلکہ تین یا چار مختلف خاندانوں کی، پردہ کے اہتمام میں سخت دقتیں، شدید گرمی کا موسم، صحن کا نام نہیں، برآمدہ بھی ہوا دار نہیں، بلکہ دیواروں سے گھرا ہوا، چھپقش ناگزیر تھی، لیکن انسان کے اختیار میں آرام و آسائش کا جو درجہ ممکن تھا، اس کے ہم ہو چنانے میں داروغہ حبیب اللہ نے کوئی بات اٹھا نہیں رکھی، انھیں سیکڑوں ہمانوں کو سنبھالنا تھا، لیکن، بیچارے ہنسی خوشی سب کی خدمت میں لگے رہتے، متعدد موقعے ایسے بھی آئے کہ ان کا ناخوش ہو جانا بالکل واجبی تھا، لیکن کبھی ان کے جبین تحمل پر شکن پڑتے نہیں دیکھی گئی

اباب رکھتے رکھاتے چھر کا اول وقت گذر کر اوسط وقت شروع ہو گیا جلدی جلدی تازہ وضو کر کر، جامنہ احرام میں ملبوس، اپنے معلم کی رہنمائی میں حرم کو روانہ ہوئے، ناہلہ کچھ بہت زائد نہیں، کوئی تین فلانگ ہو گا، چنڈنٹ میں پہنچ گئے ہونگے، مگر نہ پوچھے، کہ یہ چنڈنٹ اس وقت کے گھنٹے معلوم ہوئے ارباب پر لیبیک لیبیک ہی، معلم صاحب شاید کچھ اور دعائیں بھی پڑھاتے جا رہے ہیں، لیکن دل کیا کہ رہا ہو؟ کون سی تنہا ہو، جو اس وقت دل میں نہیں؟ تنہاؤں کا ہجوم، آرزوؤں کی کشمکش، اور پھر ہیبت و دہشت، کہ کس دربار میں حاضری ہو رہی ہو! دل ہو کہ ہر لحظہ اس کی دہشت بڑھتی جا رہی ہو، اور قدم ہیں کہ ہر قدم پر بھاری ہوتے جا رہے ہیں، کہاں کسی سیدہ کار کی حسین، اور کہاں کسی بے مکان و بے نشان

کا سنگ آستانہ یہ ناپاک قدم کس پاک سرزمین کو روند رہے ہیں؟  
 آہ یہ گلیاں تو تیرے اس خلیل کے قدموں کے لائق تھیں، جو تیرے نام پر روکتی ہوئی  
 آگ میں کودا تھا، اور جو محض تیرا اشارہ پا کر اپنے پلے پلائے نورِ نظر کے حلقوم پر چربی  
 پھیر چکا تھا، اس کم سن لڑکے کے لائق تھیں، جو محض تیری رضا کے لئے بے خطا و  
 بے قصور اپنے ذبح کرنے کو حلق سامنے کر کے منہی خوشی لیٹ گیا تھا، تیرے اس  
 حبیب اور محبوب بندہ کے لائق تھیں، جو تیرے نام اور تیرے پیغام کی منادی کرنے  
 کے جرم میں، انھیں گلیوں میں سالہا سال ہر طرح کی ایذائیں سہتا اور اذیتیں دے  
 کرتا رہا تھا!

سننے چلے آئے تھے، اور کتابوں میں بھی بار بار پڑھا تھا، کہ کعبہ تجلی گاہِ جلال ہے  
 یہاں تجلیاتِ قہری کا زور ہے، روایتوں کا اثر دل میں بیٹھا ہوا تھا، ہیبت و وحشت  
 کا غلبہ تھا، ہمت بار بار جواب دیر ہی تھی، اور دل یہ کہہ رہا تھا، کہ سامنا کیونکر کیا  
 جائیگا، "و زمین کی زبان سے یہ مصرعہ بار بار سنا تھا کہ

تو مرا خراب کر دی بلین سجدہ ریاں!

دل کھٹک رہا ہے، اذراکان لگا کر سننا کہیں یہ ندا اس وقت اسی مسجدِ حرم کی سرزمین  
 سے تو نہیں آرہی ہے؟ شاعری کی دنیا میں بارہا یہ آواز کا نون میں پڑھ چکی تھی،

چو بطون کعبہ رقم بحر م رہم ندا وند،

تو بروں درجہ کر دی کہ درونِ خانہ آئی!

کیا آج اور اس وقت یہ شاعری حقیقت بن کر رہے گی؟ یا اللہ اس پاک زمین

پر اپنی ناپاک پیشانی کو کیونکر رگڑا جائیگا؟ اس عظمت و جلالت والے مکان کے طوائف  
پر کیسے قدرت ہوگی؟ جن گلیوں میں باجرہ صدیقہ دوڑی تھیں، انہی کی مان اور بنی  
کی بیوی دوڑی تھیں، وہاں اس تنگ امت سے سنی کیونکر بن پڑے گی،

لیجئے مسجد حرام کی چار دیواری شروع ہو گئی، کئی دروازے چھوڑتے ہوئے  
ہم لوگ باب السلام سے اندر داخل ہوئے، (داخلہ کے لئے یہی دروازہ سب سے  
بہتر مانا گیا ہے) کس کے اندر داخل ہوئے؟ اس ارض پاک کے اندر اس بقیعہ مقدس  
کے اندر جہان کی ایک نماز، ایک لاکھ، یا کم از کم ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے،  
اندر داخل ہوتے ہی نگاہ اس سیاہ غلاف والی عمارت پر پڑی، جسے خشکی اور تری  
میں نہ سما سکنے والے نے زمین و آسمان، عرش و کرسی کی سمائی میں نہ آنے والے نے،  
وہم و خیال کی وسعت میں نہ گھرنے والے نے، اپنا گھر، کھڑکے بکرا، اور نگاہ پڑتے ہی  
جہان پڑی تھی، وہیں جم کر رہ گئی! اس گھڑی کی کیفیت کیا، اور کن لفظوں میں بیان  
ہو، اکتے ہیں، کہ موسیٰ حکیمؑ کے ہوش و حواس کسی کی ایک تجلی کی تاب نہ لاسکے تھے، جب  
تجلی بیت کا یہ حال ہے، کہ ہوش و حواس قائم رکھنے دشوار، تو "رب البیت" کی تجلی نے  
خدا معلوم کیا غضب ڈھایا ہوگا، جب گھر کی برق پاشیوں کا یہ عالم ہے، تو گھر والے کے  
انوار و تجلیات کی تاب کون بشری آنکھ اور انسانی بصارت لاسکتی ہے؟ اللہ اعلم  
کیا حسن و جمال، کیا رعنائی و زیبائی، کیا خوبی و محبوبی، کیا دلکشی و دلبری ہی جن لوگوں  
نے قمر و جلال کی تجلی گاہ بتایا ہے، خدا معلوم انھوں نے کیا، اور کس عالم میں دیکھا،  
وینا تو یہ حال تھا، کہ سر تا پا مروجہ جمال ہی ٹپکتا نظر آتا تھا، اور ہر چار طرف سے رفیع و

شفقت و رحمت کے کھلے ہوئے پھولوں کی خوشبوئیں لپکی اور دوڑی چلی آ رہی تھیں !  
 ابراہیم کی غلت اہلعلیٰ کی فداکاری، ہاجرہ کی مسکینیت، ابراہیمؑ کی تینوں اکٹھا ہونے  
 انوارِ ہمد و جمال کی تجلیات اس ٹھکانے سے بڑھ کر اور کہاں ہونگی ! اب نہ قلب  
 کو اضطراب ہو، نہ طبیعت میں انتشار، نہ خون نہ دہشت، نہ رعب نہ ہیبت، سر تا سر کو  
 ہے، اور انبساط، سرور ہو اور نشاط ! من دخلہ کان امنًا کی تفسیر میں بہت سی پڑھی تھیں  
 لیکن جو تفسیر اس گڑھی بغیر کسی کتاب و عبارت کے توسط کے، لوحِ قلب پر اتر گئی  
 تھی، وہ سبے الگ، سبے زالی، سبے عجیب تھی، اور اگر فاش گوئی کی اجازت دیا  
 تو اپنے حق میں سب منقول و مکتوب تفسیروں سے بڑھ کر صحیح بھی تھی، آہ،

در مصحفِ رومے اول نظر کن

خستہ و غزل و کتاب تاکے ؟

غزائی، اچھا، العلوم میں لکھتے ہیں کہ قیامت کے دن کعبہ کا حشر بناؤ منگاری کی ہوئی  
 نئی دوطن کی شکل میں ہوگا، لیکن یہ قید اس روز کے لئے کیوں، اور اس کے مشاہدہ  
 کے لئے قیامت کے انتظار کی کیا ضرورت ہو؟ قسم ہے خاکِ کعبہ کے رب کی، کہ کعبہ کج  
 بھی نئی دھنوں ہی کی طرح حسن و جمال، ارعائی و زیبائی، دلکشی و دلبری کے پورے  
 سہارو سامان سے آراستہ ہو، اور اپنی خوبی و محبوبی میں بجز ندینہ کی مسجد نبوی کے نہ  
 کوئی شریک رکھتا ہو، نہ سہم، اسے خوبیت کے جامہ میں، حسن و جمال کی جملہ اداؤں  
 کے ساتھ اسی عالمِ ناسوت میں کس نے نہیں دیکھا، ہمیر وں نے دیکھا، صدیقوں نے  
 دیکھا، کمالوں نے دیکھا، عارفوں نے دیکھا، آنکھیں رکھنے والوں نے دیکھا، اور اتنا یہ

ہے کہ جو بصیرت سے محروم، اور بصارت کا ضعیف ہے، اس تک نے دیکھا شاید امام بخاری  
 ہی نے یا کسی اور بزرگ نے فرمایا ہو کہ آج جن آنکھوں نے خانہ کعبہ کی زیارت کی  
 ہو، کل اُن میں اتنی قوت و استعداد پیدا کر دیجائیگی کہ وہ رب کعبہ کا بھی دیدار کر سکیں  
 اس مرتبہ اور اس اگر ام کا کیا کہنا، لیکن اس مرتبے کی توقع تو وہ کرے جو خود ذمیر  
 میں ہم جیسے در ماندون اور زبون ہمتوں کے لئے مکیں کو چھوڑ کر مکان ہی کا دیدار  
 بجائے خود کیا کم ہو۔ روایات میں آتا ہے کہ خانہ کعبہ پر نظر کرنا ایک مستقل عبادت ہو، او  
 شاید کسی حدیث میں یہ تصریح بھی آئی ہو، کہ کعبہ پر روزانہ ایک سو میں رحمتوں کا نزول  
 ہوتا رہتا ہے، جن میں سے ساٹھ اُن کے لئے ہیں، جو اس کے اندر نماز پڑھتے ہیں، اور چالیس  
 ان کے لئے جو اس کا طواف کرتے ہیں، اور بیس اُن کے لئے جو اسکی طرف دیکھتے رہتے  
 ہیں، لیکن اگر عبادت سے قطع نظر کر کے اپنے ذوق و شوق اور ولولہ کے لحاظ سے  
 کون دل ایسا ہو، جو ہوس دیدار سے خالی اور حرصِ نظارہ سے کوہا ہوگا؟ جی تیار کہ کچھ  
 اوپر دیکھے، دس بار دیکھے، سو بار دیکھے، ہزار بار دیکھے، دیکھتے رہتے، اور دیکھے جاوے،  
 اور دیکھنے سے کبھی نہ تھکے! رض

نظارہ ز جہنم مرگان گلہ دارو!

## باب ۳۳

### بحریم قدس

کلام پاک میں ایک جگہ بہان جنت سے ایلیس کے نکالے جانے کا قصہ مذکور ہے  
ایلیس کی زبان سے یہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں کہ لا تعذب لہم صبر و ظلم (المستقیم یعنی  
میں تیرے بندوں کی راہ مارنے کے لئے، تیری سیدھی راہ میں بیٹھوں گا، ظاہر ہے  
کہ صراط مستقیم یہاں اپنے عام و وسیع معنی میں آیا ہے، یعنی ہر نیک کام، ہر خدائی راہ،  
اور مفسرین نے یہی معنی لئے ہیں، لیکن ابن جریر، ابن کثیر، خازن وغیرہ میں ایک قول  
یہ بھی نقل ہوا ہے کہ اس صراط مستقیم (سیدھی راہ) سے مراد مکہ اور حج بیت اللہ  
کی راہ ہے، تابعین میں عون بن عبد اللہ اسی کے قائل ہوئے ہیں، اور امام غزالی  
نے احیاء العلوم میں بھی یہ قول نقل کیا ہے، یہ ہے بیت اللہ کی اہمیت، شیطان تک  
نے اللہ کی اصلی راہ اور حقیقی صراط مستقیم اسی کو سمجھا، اور اللہ کی راہ سے روکنے  
کے لئے جب بیٹھا تو بیت اللہ ہی کے مسافروں کی راہ میں بیٹھا، شیطان سے بڑھ کر  
راز شناس اور کون ہی خود مردود ہے، لیکن یہ تو خوب جانے اور پہچانے ہوئے ہے  
کہ مقبولیت کا راستہ کیا ہے، اور مقبولوں کی راہ کون سی ہے؟

تنہا حجاز کا نہیں، محض ملک عرب کا نہیں، صرف مسلمانوں ہی کا نہیں ساری

دنیا کا نظم و نظام، امن و امان، اسی ایک پیاری عمارت سے وابستہ، قیاماً للناس  
 اسی کی شان میں وارد، دنیا اس دم تک قائم، جب تک یہ شرف و عزت والا گھر  
 اور اس کا طواف قائم ہو، اور جس وقت یہ دھوا یا گیا، اس کے بعد نہ کوئی مکان  
 باقی رہیگا، نہ مکین، ولا تقوم الساعة حتی لا یحج (البیت،

رفت مرتبہ و جلالت قدر کا یہ حال، لیکن اسے چھوڑیے، کہ یہ تو سب کو مسلم  
 ہے، اور اس میں کسی کو کلام ہی نہیں، یہاں ذکر کمال کا نہیں بجالا کا تھا، اور گفتگو  
 بیت غلیل و بیت رب طیل کی عظمت و بزرگی کے باب میں نہیں، بلکہ اس کی  
 دلاویزی و محبوبی کے باب میں ہو رہی تھی، شیخ فرید الدین عطارؒ اپنے تذکرۃ الاولیاء  
 میں حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی زبان سے یہ روایت نقل کرتے ہیں، کہ ایک مرتبہ  
 میں کہہ میں تھا دیکھا کہ ایک حسین نوجوان خانہ کعبہ تک پہنچنا چاہتا ہو، اسے نہیں پتہ  
 ہو کہ گر پڑا، میں اُس کے پاس پلک کر پہنچا، دیکھا کہ وہ کلمہ شہادت پڑھ رہا ہو،  
 میں نے ماجرہ اچھا، تو کہا کہ میں نصرانی ہوں، چاہتا تھا کہ کعبہ کے حسن و جمال کا  
 چل کر مشاہدہ کروں، جون ہی یہاں پہنچا، غیب سے کان میں آواز آئی خلیل  
 بیت الحبیب و فی قلبک معادات الحبیب دوست کے گھر میں قدم رکھ رہا ہو  
 اور دل میں دوست کی دشمنی لئے ہوئے ہے؟ اللہ اللہ! حسن و جمال کی یہ کشش!  
 منکر و نیک کو یہ شوق دید! وہ جو کمال کے منکر ہیں، جمال کا انکار اُن سے نہ  
 ہوا پڑا! — عبداللہ بن مبارکؒ کی روایت چھوڑیے، اسے سیکرٹون  
 برس کا زمانہ ہو چکا، اپنے زمانہ کو دیکھیے! آج اس بیویں صدی میں اس روشنی



اور روشنیابی کے زمانہ میں کیا حال ہو؟ کتنے امریکی اور کتنے افریقی، کتنے برطانوی اور کتنے اطالوی، کتنے جرمن اور کتنے فریچ، اس تنا اور اس آرزو میں رہتے ہیں اور کس کس طرح بھیس بدل بدل کر، وضع و قطع، نام و قومیت تبدیل کر کر کے، جھوٹے مسلمان، اور حلی عرب بن کر اس گھر کے دیدار کو آتے رہتے ہیں!

اور اس محبت پر اس مجبوت پر حیرت کیوں کیجئے! آخر یہ دعا کس مقبول و برگزیدہ، کس چہیتے اور محبوب بندہ کی زبان سے نکلی تھی، سر اب جعل هذا البلد آمناً وجنتی وغنی ان تعبدوا کل ائمانہ..... سنا (انی اسکت من ذہبتی) بواچہ غیر ذی نہرہ عند بیتک الحمد سر بنا لیتقیوا الصلوۃ فاجعل امثلاً منہ الناس تھوی (اللھم واسرہ قہم من القہرات لعلہم یشکرون، ساری دنیا کو چھوڑ دینے، صرف اتنے گھر کے کو لیجئے فاجعل امثلاً من الناس تھوی (اللھم لوگوں کے دلوں میں اس وادی ذی زرع میں بننے والوں کی طرف، اس بے آب و گیاہ سرزمین میں ڈیرے جانے والوں کی طرف، اپنے اس پاک و پاکیزہ گھر کے جوار میں وطن بنانے والوں کی طرف رغبت و کشش پیدا کرے) دعا کس نے کرائی تھی؟ دعا کے الفاظ کس نے تعلیم کئے ہوئے تھے؟ دعا کے لفظ خلیل اللہ کی زبان سے ادا ہوئے لیکن دعا کا الفا کمان سے ہوا تھا؟ جس نے دعا سکھائی، اسی نے دعا قبول بھی کی اور جو سب کے دلوں کا مالک اور حاکم ہو، اسی نے دلوں میں رغبت اور کشش پیدا کر دی اور پھر مکین کی نظر میں اپنے مکان کی عظمت فرادیکھنا، دعا میں یہ نہیں کہلا یا جاتا کہ اس گھر کی طرف کشش ہو، بلکہ صرف یہ کہ اس گھر کے آس پاس بننے والوں کی

طرف کشش ہو جس گھر کے جوار میں یہ محبوبیت، یہ محبوسیت، یہ کشش ہو، تو خود اس گھر کی کشش اور محبوسیت کو کن لفظوں میں ادا کیا جائے، دعا کے لئے اجابت خود استقبال کو آئی، دعا قبول ہوئی، اور ایسی قبول ہوئی کہ ابراہیم والے لاؤ، اسماعیل والے محمد والے، اور رب محمد والے تو الگ رہے، کلکتہ اور بمبئی والے دہلی والے اور شملہ والے کشمیر اور سرسوی والے، نئی تال اور دارجلنگ والے، آکسفورڈ اور کیمبرج والے، لندن اور پیرس والے، آج دنگ و حیران ہیں، اور شمال اور جنوب سے شرق سے اور غرب سے خشکی اور تری سے، ایل سے اور بہار سے، موٹے سے اور اونٹ سے، ہزاروں اور لاکھوں مرد و عورت، بوڑھے اور جوان، ادھیڑ اور پچے ہیں، کہ ٹڈی دل کی طرح امنڈتے چلے آتے ہیں!

جس گھر کی محبوسیت اور جاذبیت، گھر کے نافرمانوں اور باغیوں تک کی نظر میں ہو، تو گھر کے مالک کے غلاموں اور حلقہ بگوشوں کے دلوں کی کیفیت اس کے متعلق کیا ہوگی، حرم کے اندر داخل ہوتے ہی اور کچھ مہل پر نظر پڑے ہی، نہ پوچھے، کہ دل کی کیا کیفیت ہوئی، معلوم نے اس وقت کیا دعا پڑھائی، یہ تو یاد نہیں، اور کوئی دعا پڑھائی بھی تھی یا نہیں، یہ بھی اب پوری طرح حافظہ میں نہیں۔ اس وقت اتنا ہوش اور اتنا دماغ کسے تھا،۔۔۔۔۔ البتہ یہ خوب یاد ہے کہ اس حال مجسم پر نظر پڑتے ہی بے اختیاری کے عالم میں بیباختگی کے ساتھ جو دعا زبان پر آئی، وہ بے حساب و کتاب اپنی آمرزش و مغفرت کی دعا تھی، خود غرضی کا یہ عالم، کہ معاً اس وقت کوئی دوسرا یاد نہیں پڑا، میرا دل حشر کی طرح صرف نفسی نفسی زبان پر تھا، اور سب سے پہلے صرف اپنے ہی حق میں دعا نکلی، مگر چند ہی لمحوں کے بعد اپنے والے بھی یاد پڑے

اور عزیزوں، دوستوں، اور امت اسلامیہ میں جو جایاں پڑتے گئے، سب کے حق میں دعا پڑھتی رہیں، یہ تو آپ جتنی بھی ممکن کتابوں میں عموماً یہ لکھا ہوا ہے، کہ خانہ کعبہ پر اول نظر پڑتے ہی یہ دعا پڑھے، اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے (بہ تغیر بعض الفاظ) اللہم من ذبک هذا تعظیماً وتشویفاً ومہابةً ومن ذم تعظیماً وتشویفاً من حجة ویملاً تعظیماً وتشویفاً ومہابةً، ایک روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کے یہ الفاظ بھی منقول ہیں، اعوذ برب البیت من الذین والفقه ومن ضیق الصدس، دعا اب (لقبر) حضرت عمرؓ کی بابت منقول ہے، کہ وہ جب خانہ کعبہ کو دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے، اللہم انت السلام ومننت السلام فحینا سربنا بالسلام اور فقہاء حنفیہ نے عموماً یہ لکھا ہے، کہ سب سے پہلے تین بار اللہ اکبر کہے اور کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھے، اور اس کے بعد جو دعا چاہے مانگے اس پر سب کا اتفاق ہے، کہ فان الدعاء مستجاب عند ساریۃ البیت) روایت کعبہ کے وقت جو دعا کیجاتی ہے، مقبول ہوتی ہے، مقبولیت دعا کا یہ خاص اور اہم وقت ہوتا ہے، آئندہ کے لئے تمام عازمین حج و عمرہ اس وقت کی اہمیت کو یاد رکھیں، اور اس وقت عزیز کو ہرگز اپنی غفلت و تساہل سے ضائع و برباد نہ ہونے دیں،

ہوش و حواس ذرا بجاں ہونے، تو پہلا کام یہ کیا، کہ حرم میں نماز عصر پڑھی حرم کی کیفیت کیا بیان ہو، مسکنین یہ مسجد الحرام، مسجد نبویؐ سے کہیں بڑھی ہوئی ہے، گو دکش میں اس کی ٹکر کی نہیں، لوگوں کا بیان سننے میں آیا، کہ اس کے اندر ایک لاکھ انسان تک نماز پڑھ سکتے ہیں، صرف صحن کا طول بارہ سو فٹ اور عرض نو سو فٹ

سے زائد بیان کیا جاتا ہو، چاروں طرف بڑے بڑے وسیع فرائخ و عالیشان دالان اس کے علاوہ ہیں، دروازے متعدد ہیں، زبانی تو وہاں اکتالیس دروازے سننے میں آئے تھے، مگر کتابوں میں نام صرف سترہ کے نظر پڑے، منارے چھ ہیں، اور چھوٹے بڑے گنبدوں کی تعداد غالباً ڈیڑھ سو سے متجاوز ہو، دالانوں سے خانہ کعبہ تک پہنچنے کے لئے صحن میں متعدد روشن یا سڑکین تھیں، چھ چھ ساڑھے چھ چھ فٹ چوڑی بنی ہوئی ہیں، ان کی تعداد بھی دس بارہ سے کیا کم ہوگی، صحن میں عموماً چھوٹی لنگریاں بھی ہوئی ہیں، اس لئے خانہ کعبہ تک پہنچنے کے لئے ان سڑکوں سے کام لینا ہوتا ہے، وہو کے وقت یہ پتھر کی روشن خوب جل اٹھتی ہیں، پیرون کو اس تکلیف سے محفوظ رکھنے کے لئے سفید پتلی سلیپرین، جو پتلی میں بھی اور مکہ میں بھی خاص اسی غرض کے لئے ملتی ہیں، لے لینا مناسب ہوتا ہے، اپنے گھر سے حرم تک اپنا معمولی جوتا پہنے ہوئے آئے، اور حرم کے اندر اگر اس مخصوص سلیپر کو پہن لیا جائے، تو پیر تکلیف سے بالکل محفوظ ہو جائیں گے، بجلی کی روشنی سارے حرم کے اندر ہوتی ہے، صحن میں جا بجا بجلی کے قہقہے ستونوں میں لگے ہوئے، یہ وہی مسجد ہے، کعبان کی ایک رکعت نماز کہیں اور کی ایک لاکھ رکعتوں کے برابر احرر رکھتی ہے، اس وسعت کرم و رحمت کا کچھ ٹھکانا ہے، یہ مسجد گویا اصل ہے، اور ساری دنیا کی مسجدیں گویا اسی کی منتقل، یہاں کی نمازوں، اور یہاں کے نمازیوں کا کیا پوچھنا، جدھر نظر اٹھائے ہر طرف نماز ہی نماز ہے، اور نمازی ہی نمازی، صحن میں چار چھوٹی چھوٹی عمارتیں، مصلیٰ حنفی، مصلیٰ شافعی، مصلیٰ مالکی، مصلیٰ حنبلی کے نام سے بنی ہوئی ہیں، لیکن یہ کچھ ضرور نہیں، کہ مصلیٰ پر خاص اسی فرقہ کے لوگ نماز پڑھیں، جس کا جہان جی چاہے، آزادی کے ساتھ نماز پڑھتا رہتا ہے، جا بجا لوگ کلام

کی تلاوت کر رہے ہیں،

نماز سے فارغ ہوتے ہی خانہ کعبہ کے طواف کے لئے بڑھے، خانہ کعبہ وسط  
 صحن میں واقع ہے، ایک سیاہ رنگ کا، سیاہ غلات کے اندر عظیم الشان کمرہ طول تقریباً  
 ۵۰ فٹ، عرض ۲۰ فٹ، اور بلندی ۱۰، ۱۱ فٹ، اس کے چاروں طرف چکر لگانے  
 کو ایک گول راستہ بنا ہوا، اسی حلقہ کو مطاف کہتے ہیں، اور کسی کے گھر کے شیدائی  
 گھر والے کی زیارت کے مت دیوانے، اسی پر گھوم گھوم کر اپنے دل کے ارمان  
 پورے کرتے رہتے ہیں، ہر چکر کو ایک شوط کہتے ہیں، اور ہر طواف میں سات شوط  
 ہونا چاہئیں، ہر چکر حجر اسود کے سامنے سے شروع ہوتا ہے، اور یہیں ختم ہوتا ہے، حجر  
 وہ مشہور پتھر ہے جو خانہ کعبہ کی اس دیوار میں جدھر دروازہ ہے، زمین سے چار فٹ کی  
 بلندی پر لگا ہوا ہے، طواف کا طریقہ یہ ہے کہ حجر اسود کے محاذ میں کھڑا ہو کر، نماز کی  
 تکبیر تحریمہ کی طرح، دونوں ہاتھ اٹھا کر کان تک لیجائے، اور تکبیر و تہلیل کے بعد ہاتھ  
 چھوڑ دے، اور دل سے طواف بیت کی نیت کر کے مطاف پر اس طرح چلتا شروع  
 کرے کہ خانہ کعبہ ہمیشہ بائیں ہاتھ کی طرف رہے، فقہ حنفی میں سات شوطوں میں سے  
 چار فرض ہیں، باقی واجب، طواف با وضو کرنا چاہئے، حالت طواف میں اگر نماز  
 شروع ہو جائے، تو چاہئے کہ طواف چھوڑ کر جماعت میں شریک ہو جائے، اور بقیہ طواف  
 بعد نماز پورا کرے، طواف کے ساتھ چکروں میں سے پہلے تین چکروں میں مردوں  
 کے لئے اضطباع اور رمل کا حکم ہے، اضطباع کا مفہوم یہ ہے کہ داہنا شانہ کھول کر  
 احرام کی چادر کو داہنی بٹنل کے نیچے سے لاکر بائیں شانہ پر ڈال لے، اور رمل کے

معنی یہ ہیں کہ دونوں شافون کو ہلاتے ہوئے اور میدان جنگ میں سپاہیوں کی طرح  
اگر ٹپا ہوا جلدی جلدی چلا جائے، یہ سارے طریقے اور حالت طواف میں پڑھنے کی  
دعاؤں میں معلم خود بتاتے جاتے ہیں، سب زبانی یاد کس کورہ سکتی ہیں، تاہم بہتر یہ ہوگا کہ  
تمام تر معلم ہی پر بھروسہ نہ کر لیا جائے، بلکہ ارکان و مناسک حج کی کوئی معتبر کتاب  
خود اپنے پاس بھی رہے،

حجرا سود کو بوسہ دینا سنت ہے اور اسکی بڑی فضیلت ہے، لیکن ہجوم میں گھس کر خود  
تکلیف اٹھانا، اور دوسروں کو دھکے دینا ہرگز صحیح نہیں، ایسی صورت میں حکم یہ ہے  
کہ چھڑی سے اسے چھو کر چھڑی کو بوسہ دے، لیکن اگر یہ بھی دشوار ہو (اور علی العوم حج  
کے موقع پر یہ دشوار رہتا ہے) تو بس دور سے حجرا سود کی طرف توجہ کرنا یعنی اپنے ہاتھ  
ہتھیلیوں کی طرف سے دکھانا، اور بھین بوسہ دے لینا اور اللہ اکبر لا الہ الا اللہ رکھ  
لے کر آگے اور دور وپر ٹھٹھانا بالکل کافی ہے، طواف کی نیت کے لئے یہ الفاظ منقول واثور  
ہیں، اللھم اید طواف بیتک المحرم فیسویہ لی و قبلہ منی اور اس کے بعد عام معمول  
ان دعائوں کا ہے، بسم اللہ والحمد للہ واللہ اکبر والصلوۃ والسلام علی سولہ  
اللھم ھذا البیت بیتک وھذا الحرم مہم مکت وھذا الا من امنک وھذا مقام  
العاذین بات من الناس اعوذ بک من الناس فاعذنی صلی اللھم انی اعوذ بک من  
الشوک والشت والنفاق والفتاق وسوء الاخلاق وسوء المنقلب فی المال  
والاھل والولد اللھم اجعلہ حجا مبرورا و سنیامشکورا و ذنباً مغفورا و یقیناً  
لن تبوسیا عن ینزیا غفورا اللھم انی اعوذ بک من الکفر واعوذ بک من الفقر

ومن عذاب القبر ومن قنطرة الجحيم والمعات واعوذ بك من الخزي في الدنيا  
والآخرة، سربنا اتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقاعد اب الناس،  
ایک دو کو نہیں، سیکڑوں ہزاروں کو دیکھ لیا کہ حجر اسود تک پہنچنے کے لئے دوسروں  
کو ڈھکیل دیتے ہیں اور خود بھی برابر دھکے کھا رہے ہیں، اور جب اتنی مشقتوں کے  
بعد کسی طرح وہاں تک پہنچ جاتے ہیں، تو واپس ہو کر ایک فاتحانہ انداز سے ادھر  
اُدھر دیکھتے ہیں گویا بہت بڑا ثواب کمائے، یہ سرتاسر نادانی ہر شمس اللہ امام خرمی  
نے صاف صاف لکھ دیا ہے کہ

طواف کی ابتدا حجر اسود سے کرو، اور اسے

بوسہ دو بشرطیکہ ایسا کرنا کسی مسلمان کے تکلیف

پہنچائے بغیر ممکن ہو، اس لئے کہ حجر اسود کا

بوسہ سنت ہے، اور ایذا از مسلم سے احتراز واجب ہے

اور درست نہیں کہ اولے سنت کے لئے کسی

مسلمان کو ایذا پہنچائی جائے،

ثم ابدأ بالجمح الاسود فاستلمه ....

ان استطعت من غير ان تؤذي مسلماً ....

لان استلام الجمح سنة والتعميم من

ادعى المستلح واجب فلا ينبغي له ان

يؤذي مسلماً الا فاستلمه السنة

(مبسوط)

اور اسی کے قریب قریب تمام فقہار کے ہاں تصریحات ملتی ہیں، ثمر استقبال الجمح مکمل ہے

مسلماً مستلماً بلا ایذا (کنز) لان استلام سنة ولا تكلت عن الايذاء (جب

بحر الرائق) وقيل ان الجمح ان استطاع من غير ان يؤذي احد ..... وان

لم يستطع استلام الجمح من غير ان يؤذي احد الا يستلمه (قاضي خان) وغیرہ

کم علم معقولوں نے اپنی سہولت و آسانی کے لئے چند گنی چنی دعاؤں کا دستور

باندھ لیا ہو، اور بیچارے حاجیوں کو یہ سمجھا اور ڈرا رکھا ہو، کہ طواف کے وقت صرف  
 وہی مخصوص دعائیں پڑھی جاسکتی ہیں، حالانکہ یہ بالکل بے اصل ہے، شریعت نے  
 اس موقع پر بڑی وسعت دے رکھی ہو، البتہ ظاہر ہے، کہ جو دعائیں ماثور ہیں، ان کے  
 الفاظ کی برکت بہت زیادہ ہو، مطاف حج کے موسم میں، دن اور رات کے کسی گھنٹہ  
 میں بھی خالی نہیں رہتا، ہر وقت اور ہر آن ایک سلسل چکر ہو کہ جاری ہو، صبح اور شام  
 کے ٹھنڈے وقتوں کو چھوڑیے، رات کے ایک اور دو بجے اگر دیکھئے تو، اور  
 ٹھیک دوپہر کی تیز گرمی کے وقت اگر دیکھئے تو، ایک دو نہیں، سیکڑوں اور  
 ہزاروں دیوانے بس برابر چکر کاٹتے ہوئے ہی ملیں گے، اور ان دیوانوں  
 میں کیسے کیسے ہوشیار اور فرزانے بھی ہیں! مرد بھی، اور عورتیں بھی،  
 کمزور بھی، اور پہلوان بھی، لاٹھی ٹیک کر چلنے والے بوڑھے بھی اور انگلی  
 پکڑ کر چلنے والے بچے بھی، عالم بھی اور عامی بھی، زاہد بھی اور فاسق بھی،  
 گداے مینوا بھی اور مہربانی کے لکھتی سیٹھ جی بھی، صحرائے عرب کا بدو  
 بھی اور مصر کا فیشن مآب شہری بھی، بھوکے بنگالی بھی اور دکن کے عیش و  
 نواب و رؤسا بھی، سب کے سب ایک رب کے پرستار، ایک اللہ کے  
 بندے، ایک رسول کے امتی، ایک ہی آقا کے حلقہ بگوش، ایک دھن  
 میں مست، برابر ایک گھر کا چکر کاٹ رہے ہیں! ان میں کتنے قطب  
 ہوں گے، کتنے ابدال ہوں گے، کتنے اللہ کے اولیائے کاملین میں سے  
 ہوں گے! انھیں کون پہچانے؟ شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ نے اسی  
 مطاف میں کس کس کی زیارت نہیں کی ہے، کیسے کیسے مکاشفات نہیں



نصیب میں نہیں آئے ہیں، کون کون سے اسرارِ مہین حل نہیں کئے ہیں  
 لیکن آج کوئی آنکھ بھی محی الدین ابن عربی کی رکھتا ہو؟ طور اب بھی وہی  
 ہے، تجلیات اب بھی وہی ہیں، جواب میں لن ترانی کہنے والا اب بھی جون کا  
 تون ہے، لیکن رب ارنی پکارنے والا بھی کوئی ہے؟



## باب ۲۴

### کعبہ مقصود

ان اول بیت وضع للناس للذی فی  
 یکتہ مباس کا وعدہ فی العالمین  
 (آل عمران رکوع ۱۰)

یقیناً پہلا گھر جو انسانوں (کی عبادت) کیلئے  
 مقرر کیا گیا، وہ وہی ہو جو کعبہ (مکہ) میں ہے،  
 برکت دیا گیا اور جو انسانوں کے لئے ہدایت!

اللہ اکبر! یہ کون سا گھر سامنے ہے؟ نگاہیں کس گھر کی دیوارِ دن کی بلاتین رہے  
 رہی ہیں؟ یہی تو وہ گھر ہے جس کی بابت کہا گیا ہے: "دنیا کے بندہ میں پہلا وہ گھر خدا کا"  
 روئے زمین پر سب پہلا عبادت خانہ: صدی و صدی کی تعمیر نہیں، دو ہزار چار ہزار  
 برس کی عمارت نہیں، دنیا کا سب سے پہلا عبادت خانہ! کون تاریخ اس وقت کا پتہ  
 بتا سکتی ہے؟ کسی نسل انسانی کا حافظہ وہ زمانہ یاد رکھ سکتا ہے؟ جس گھر کی بنیاد میں،  
 خود آدمؑ نے اپنے ہاتھ سے رکھی ہوں، بنی آدم میں سے کون اس وقت کی یاد اپنے حلقہ  
 میں محفوظ رکھ سکتا ہے؟ اللہ اللہ! اس طویل اور سیلاب مدت میں اس ناقابلِ شبہ  
 عرصہ میں، کتنے عبادت خانے بنے اور گر گئے، کتنے مندر تعمیر ہوئے، اور کھدے کئے  
 گریج آباد ہوئے اور اجر گئے، کیسے کیسے انقلابات زمین نے دیکھے، اور آسمان نے  
 دکھائے، بلندیان پست ہوئیں اور پستیان بلند ہوئیں، یونان مٹا، مصر مٹا، چین مٹا

ہندوستان، ایران، اور وسطیٰ ایشیاء، یابل، کلدانیہ، مٹا، خدا معلوم کتنے ابھریے اور  
 ابھر کر گئے، کتنے بڑھے اور بڑھکر گئے، پر ایک عرب کے ریگستان میں خاک اور ریت  
 کے سمندر میں، چٹانوں اور پہاڑیوں کے وسط میں، وادیوں اور گھاٹیوں کے درمیان  
 یہ سیاہ چوکور گھر، جسے نہ کسی انجینئر نے بنایا نہ کسی مہندس نے، جو ان کا تو بن کھڑا ہوا  
 ہے، ہندو طوفان، ہزار ہا انقلابات، ہتھیار زلزلے، آئے اور گزر گئے، اور اس پاک  
 اور پیاسے گھر کو نہ کوئی ابرہہ مٹا سکا، نہ کوئی زار نکوس، اور نہ کوئی گلیڈ اسٹن، جو اسے  
 مٹانے کو اٹھا، وہ خود مٹ گیا، اور اللہ کے گھر میں اللہ کی جو عبادت آدم اور حوا  
 کی تھی، وہی آج آدم کے فرزند اور حوا کی بیٹیاں کر رہی ہیں، "مبارک" کی تفسیر میں  
 بہت سے اقوال لائے گئے ہیں، لیکن اس کھلی ہوئی برکت، اس مشاہدہ محسوس برکت  
 کے بعد کسی اور تفسیر کی ضرورت باقی بھی رہتی ہو؟

اللہ اول بیت سب پہلے عبادت خانہ رومی مورخ نے اعتراف کیا، کہ اس سے  
 قدیم ترکوئی معبد نہیں ملتا، ڈوڑی نے بھی یہی کہا، انسانیکا و پیڈیا برٹانیکا والوں نے  
 اسکی قدامت تسلیم کی، میوزیم کے لئے اٹھا، لیکن رومی مورخ کی تائید کے  
 سوا اور کچھ نہ کہہ سکا، مارگولس اسلام کی عداوت کے فتنہ میں سرشار، لڑکھڑاتا  
 ہوا آگے بڑھا، لیکن اس کی ہزبان سرائی خود اسی کے پیشہ والوں اور قبیلہ والوں  
 سے داد نہ حاصل کر سکی، اور حق کا کلمہ جہان تھا، وہیں قائم رہا، مومنوں کے ایک سردار  
 علی رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کہا تھا (عن علیؑ، قال کانت البیوت قبلہ و لکنتہ اول بیت  
 وضع لعبادۃ اللہ) سدا ابن حاتم، منکر و ان اور دشمنوں کو بھی دم ہی کتا پڑا،





باطن کی پاکیزگی اور ظاہر کی آرائشی کا سرچشمہ اسی مکان سے پھوٹ پھوٹ کر ابل ہاتا  
اور قیامت شروع ہو جانے تک برابر ابلتا رہے گا!

مکانات لاکھون کے خرچ سے، دنیا میں کتنے بن چکے، بادشاہوں کے محل  
بھی اور وزیروں کی کوٹھیاں بھی، رئیسوں کی حویلیاں بھی اور نوابوں کے دیوانے  
بھی سب مٹ گئے، خاک سے بلند ہوئے تھے اور خاک میں مل گئے، ساسانیوں کی  
عشرت گاہیں اور رمیون کے حمام کھین باقی ہیں؟ پر تھی راج کے محل اور تیمور  
کے قصر و ایوان آج کیوں نظروں سے غائب ہو گئے؟ کہو گے، کہ یہ کچھ نہ سہی، لیکن  
آخر اگر وہین تاج محل، اور فرانس میں انفیل ٹاور تو موجود ہے، بیشک موجود ہے،  
لیکن اسی حیثیت سے جس سے کہ لڑکوں کے کھلونے اور لڑکیوں کے گھروندے  
موجود رہتے ہیں، بجز ایک سیر تماشہ اور دل بہلاؤ کے، ان کی کوئی اور حیثیت ہے؟  
تاج محل اور انفیل ٹاور کی عزت، احترام، تقدیس، کسی کے دل میں ہے؟ ایک  
طرف وہ لاکھون روپیہ کا اینٹ اور چونہ کھائے ہوئے، لقمہ و دق کھڑ رہیں، اور  
دوسری طرف یہ ہر تکلف و تصنع سے معری، سادہ اور سحرانہ کا گھر ہے، متاجہ  
لناس (منہا) بے انداز مدت سے قائم، اور بنیاد عقیدتوں و نظمیوں کا مرکز، لاکھون  
ہر سال آتے ہیں، بچے اور لاکھون سے لگانے، طواف کرنے اور سجدہ کرنے، رونے  
اور گر گڑ گڑانے، جھکنے اور گرنے، لاکھون آتے ہیں، اور ہر سال آتے رہتے ہیں! کچھ باؤ  
کہ آدم علیہ السلام کے زمانہ کے بعد، اس تعمیر کی تجدید اولاد آدم میں سے کس نے کی ہے؟  
اپنے ہاتھوں میں پتھر اور گارے لیکر کس نے اس کی دیواریں بلند کی ہیں؟ اللہ کے

اس گھر کا شمار کون تھا؟ بادشاہوں کے محل تعمیر ہوتے ہیں، تو بڑی بڑے کاریگر اور مہندس بلائے جاتے ہیں، واپس لے کی کوٹھی تیار ہونے لگتی ہے، تو نامور انجینئر کی قیمت جاگ جاتی ہے، اللہ کے گھر کی ہماری کس نے کی؟ اللہ کے گھر کا مزدور کون تھا؟ اللہ کے گھر کی تیاری کے لئے اپنے سر پر بھاری بھاری پتھر کس نے لاوئے؟ اپنے ہاتھ چوئے اور مٹی کے گارے میں کس نے سائے؟ عرب کی جھلپاتی ہوئی دوہڑ میں، ریگستانوں کی لوکی پٹیوں میں، بغیر روپیہ اور پیسہ کی مزدوری کے لاپے کے، کس مزدور نے اپنے گوشت پوست کو جلایا، تپایا، جھلایا؟ کون بندہ جواب دے؟ بندوں کا خالق، اُس گھر کا مالک، خود اپنی زبان سے اپنے گھر کے مزدور اور اُس مزدور کے فوراً نظر کا نام لیتا ہے،

وَذَرِيعَهُ اِبْرٰهِيْمَ الْقَوْدُ عَدْنُ الْبَيْتِ  
اور جب ابراہیمؑ اس گھر کی بنیاد بن اٹھا ہے  
تھے اور اسمعیلؑ بھی!

مزدور جب کام کرتے ہیں، تو کچھ گن گناتے بھی جاتے ہیں، اللہ کے مزدور بھی جس وقت کام کر رہے تھے، تو اپنی زبانوں پر ہرین ہنیں لگائی تھیں، جس کا گھر بنا رہے تھے، اسی سے کچھ مانگتے بھی جاتے تھے، ہاتھ اگر تعمیریت میں مشغول تھے، تو دل رب البیت میں! دل میں کسی کی یاد تھی، تو زبان پر کسی کا نام! عاجزی تھی اور خوشامد، مسکنت تھی اور تذلل، پتھر پر پتھر جوڑتے جاتے تھے، اور دل کے سوز و گداز کے ساتھ چشم بستگیاں کے ساتھ، زبانیں اسی ذکر میں مشغول تھیں!

سَرَبْنَا قَبْلَ صَالَاتِ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ  
اے ہمارے رب ہم سے قبول فرما! بیشک  
تو سب کچھ سننے والا! سب کچھ جاننے والا ہے!

الحظۃ للہ! اللہ پر قربان ہونے والوں کی، اللہ کے خلیل کھلانے والوں کی یہ نشان ہوتی ہے! اپنے کو مٹا چکے ہیں، مٹا رہے ہیں، پھر بھی دھڑکا یہی لگا ہوا ہے کہ یہ اپنے کو مٹانا بھی قبول ہوتا ہے یا نہیں!

آپ کہتے ہیں، آپ مانتے ہیں، کہ اس گھر کا سا کوئی دوسرا گھر دنیا میں نہیں لیکن خدا را یہ تو بتائیے کہ اس گھر کے سے مزدور بھی دنیا کے کسی گھر کو ملے؟ قربان اس گھر کے مالک کے، قربان اس گھر کے مزدوروں کے، بیت المقدس کو سلیمان علیہ السلام نے بنوایا، اور جنوں سے بنوایا، لیکن اس مقدس گھر کو دیکھنا اس کے مزدور سلیمان علیہ السلام کے تابع و محکوم جنات نہ تھے، وہ تھے جو بنو سلیمان علیہ السلام کے بزرگوں کے بزرگ اور اجداد کے جد تھے! دنیا کے کس مزدور نے وہ مزدوری مانگی جو بیت اللہ کے مزدوروں نے مانگی؟ اور کس کو وہ مزدوری ملی، جو بیت اللہ کے مزدوروں کے حصہ میں آئی؟ مزدوری کی طلب تنہا اپنے لئے نہ تھی، ہمارے لئے تھی آپ کے لئے تھی، ان سب کے لئے تھی، جو آج اپنی کوئی ناز اللہ کے مقدس گھر کے اس مقدس مزدور پر درود بھیجے بغیر تمام نہیں کرتے، اور نہیں کر سکتے۔

اے ہمارے رب، ہم دونوں کو اپنا فرمان بھلا بنا اور ہماری اولاد سے ایک امت اپنی زبان بولا بنا اور ہمیں ہمارے گھر کے اعمالی بنا، اور ہم پر رحمت سے تو جہ فرما، اور تو بیش رحمت سے بڑا تو جہ کر سنے والا اور مہربان ہے،

سر بنا و اجعلنا مسلمینا للث و مت  
ذرنا ایما مسلمۃ للث و امرنا  
منا سکنا و تب علینا انک انت الحق  
الرحیم



ابراہیم کی دعا خالی نہیں جاسکتی تھی، گھر کے بنانے والوں کو تو جو کچھ مزدوری ملی اسے  
یا تو وہ خود جمانے یا مزدوری کا دینے والا، لیکن اس گھر کی زیارت کرنے والوں کو  
اس گھر کا طواف کرنے والوں کو، اس گھر کی طرف سفر کرنے والوں کو، اس گھر سے  
تعلق رکھنے والوں کو اس گھر کی محبت و عظمت کو دل میں جگہ دینے والوں کو کیا  
کچھ نہیں مل سکتا؟ کیا کچھ نہیں مل جاتا؟ کیا کچھ نہیں ملا؟

جس گھر کے یہ سمار ہوں، یہ مزدور ہوں، اس گھر کی بے حساب تقدیس اور بے انداز  
عزت پر کسی کو حیرت ہونی چاہئے؟ یہ سب دیکھتے ہیں، کہ گھر، برکتوں اور عزتوں  
کا گھر ہے، مگر یہ بھول جاتے ہیں کہ گھر کے سمار اور مزدور کیسے برکت والے، کیسے عزت  
والے، کیسے تقویٰ اور تقدیس والے تھے، روم کا عارف کہتا ہے،

کعبہ راکش ہر دے عزت فرود      آن ز اخلاصات ابراہیم بود

فضل آن مسجد ز خاک و سنگ نیست      لیک در بنائش حرص و جنگ نیست

اور بالکل سچ کہتا ہے کہ کعبہ کی عزتوں اور فضیلتوں میں تم ہر لحظہ جو ترقی و برتری دیکھتے

ہو، یہ ابراہیمؑ کے خلوص و صدقِ نیت کا ثمرہ ہو، وہی پتھر اور وہی مٹی جس سے ہر مسجد اور

ہر عمارت کی تعمیر ہوتی ہے، اس مسجد میں بھی لگے ہوئے ہیں، ان کے علاوہ اس میں کوئی

نئی چیز نہیں، نئی چیز جو ہے، وہ یہی ہے کہ اس کا بنانے والا کوئی انجینئر نہ تھا، کوئی ماہر فن

مهندس نہ تھا، کوئی بادشاہ و وزیر نہ تھا، وہ تھا جو اپنے نفس کو پاک کر چکا تھا، اپنی خوبی

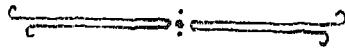
کو مٹا چکا تھا، اپنے کو خدا سے ملا چکا تھا، روایات میں آتا ہے، کہ آسمان پر جو فرشتوں کا

کا قلم ہے، بیت المعمور اور جس کے گرد اگر دہر وقت ستر ہزار ایسے فرشتے جو ایک

دن کے بعد دوبارہ نہیں آتے بلکہ ان کے بجائے اسی تعداد میں نئے آجاتے ہیں طوائف کرتے رہتے ہیں یہ زمینی خانہ کعبہ ٹھیک اُسی کے مخازین اور بالکل اُس کے نیچے ہے ان تجلیات رحمت و مرحمت کا کون اندازہ کر سکتا ہے جو ہر لحظہ اور ہر آن بہت الملو سے خانہ کعبہ پر پڑتی رہتی ہوں گی! یہ اللہ کے خلیلؑ ہی کی آنکھ تھی جس نے اُن تجلیات اور اُن انوار کا مشاہدہ کیا، اور ٹھیک اُسی مقام پر آدم علیہ السلام کے بعد اسرفوار اللہ کا گھر بنا کر اس بارش رحمت و کرم میں سب کو شریک کر دیا! اللھم صلی وبارک علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت وبارکت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم انک حمید مجید

یہی بیت تھا جس کا طواف شروع ہوا احکم عبدالقادر سکندر اپنے ہمراہ مطاف کے اندر لائے، اور سارے قافلہ کو اپنی رہنمائی میں طواف کرا نا شروع کیا، ہجوم اچھا خاصہ تھا، لیکن مطاف بھی ماشار اللہ خوب وسیع ہو، زیادہ کنگش نہیں ہونے پاتی، اور اگر بند و بدوی حجاج اپنے کو ذرا قابو میں رکھیں، تو اتنی بھی کنگش نہ ہونے پائے، خود میں بھی جی بے احتیاطی کرتے رہتے ہیں، اور لوگوں کو ڈھکیلے اور دھکے دیتے ہوئے اُسکے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں اس ایک شے کے علاوہ مطاف اور ہر طرح پر بڑے امن اور دلچسپی کی جگہ ہے، بوڑھے جوان بچے عورتیں، تندرست و توانا، کمزور و لاغر، سبھی طرح کی خلقت ہے، سب اپنے اپنے چکر میں مصروف جو بوڑھے اور ناتوان اپنے پیروں سے طواف نہیں کر سکتے ان کے لئے اجازت ہے کہ شہری پر طواف کریں، یہ ایک طرح کا کھٹولا ہوتا ہے جسے جوان مزدور اپنے سروں پر اٹھالے رہتے ہیں، بہت سے بیماروں کو اس طرح لیٹے لیٹے طواف

کرتے دیکھا، ناواقف حایوں کو تو سلم کے بغیر چارہ ہی نہیں، اچھے خاصے لکھے پڑھے بھی  
 پہلی دفعہ چکر میں آجاتے ہیں، البتہ ایک مرتبہ واقف ہو جانے کے بعد پھر زیادہ وقت  
 نہیں رہتی بہتر یہ ہوگا کہ مناسب کی کتابیں پہلے سے دیکھ ضرور رکھی جائیں، ہم لوگ  
 تو بالکل سلم کے ہاتھ میں تھے، یہاں سے انھوں نے شروع کرایا شروع کیا اور جہاں پر انھوں  
 نے ختم کرایا ختم کیا، رکن، اعتدال، رخ، وغیرہ سب انھیں کی ہدایت کے مطابق کرتے تھے  
 ایک چکر دو چکر تین چکر ایسے اودھ گھٹنے کے اندر پورے ساتوں چکر ختم ہو گئے اور ہم کو  
 طواف ختم کر کے داغون و امن مقام (براہیم مصطفیٰ پڑھتے ہوئے مقام ابراہیم کی  
 طرف بڑھے،



## باب ۲۵

### دیوارِ خلیل

مقامِ ابراہیم کا نام کلامِ مجید میں ودجگہ آیا ہے، لیکن بغیر حاجی ہونے یہ سمجھنا مشکل ہے کہ مقامِ ابراہیم ہے کیا چیز، مقامِ ابراہیم کے لفظی معنی ہیں ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ، روایات میں آتا ہے کہ خلیل اللہ کی تعمیر کے وقت جب خانہ کعبہ کی دیواریں اونچی ہونے لگیں، تو قدرۃ پاڑ باندھنے کی ضرورت محسوس ہوئی، اُس وقت حضرت جبرائیل نے ایک پتھر لاکر ربِ خلیل کے خلیل کی خدمت میں پیش کیا، اس پر کھڑے ہو کر اللہ کے گھر کے اُس منار نے کعبہ کی دیواریں بلند کرنی شروع کر دیں، جب نیچے سے پتھر گارا وغیرہ اٹھانے کی ضرورت ہوتی تھی، تو یہ پتھر خود بخود بچک کر نیا ہو جاتا تھا، اور جو بچون دیوار بلند ہوتی جاتی تھی، اور اونچے تک ہاتھ پہنچانے کی ضرورت ہوتی تھی، یہ پتھر بھی از خود بلند ہوتا جاتا تھا، یہ پتھر حجرِ اسود کی طرح آج تک محفوظ چلا آتا ہے، اور بعض روایات میں آیا ہے کہ اس پر اللہ کے خلیل کے قدم مبارک اور انگلیوں کے نشان تک بنے ہوئے ہیں۔ ————— پتھر کے متعلق تو خیر یہ مشہور ہے کہ وہ اس دنیا کا نہیں، جنت سے لایا گیا تھا، اس کے محفوظ رہ جانے پر اتنی حیرت نہ کیجئے، لیکن ابراہیم تو اسی مادی دنیا کے، اسی عالمِ ناسوت کے اسی عالمِ بگل کے تھے، اُن کی



کا موتے لچاتا ہو، حفاظت کے کنارے مشرقی جانب ایک خوبصورت حراب پتھر کی کھڑی  
 ہوئی ہے، یہ حراب الہی کھلاتی ہے، اس لئے کہ حضور اکثر اسی راستہ سے تشریف لاتے تھے  
 اسی حراب کے قریب سمت جنوب میں وہ نفیس و خوش ناقہ ہے جس کے نیچے وہ مبارک تبرک  
 پتھر کو ٹھہری میں بند رہتا ہے اور اب مجازاً خود اسی کو ٹھہری کو مقام ابراہیم کہنے لگے ہیں  
 سنئے میں آیا کہ حجر اسود اور اس مقام کے درمیان ۲۰ گز کا فاصلہ ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ  
 پتھر تین بالشت اونچا اور دو بالشت چوڑا ہے، اور اس پر چاندی کا پتھر چڑھادیا گیا ہے، ضر  
 اتنی جگہ جہاں قدم مبارک کا نقش ہے، اپنی اصلی حالت پر چھوٹی ہوئی ہے، ہزار ہا زائرین  
 اس شوق و اشتیاق میں آتے ہیں کہ اللہ کے خلیل کا قدم مبارک نہ سہی، اس قدم کے  
 نقش ہی کو اپنی آنکھوں اور ہونٹوں سے لگائیں، لیکن وہ سعودی میں یہ کسان  
 ممکن؟ سپاہی بید لے ہوئے پہرہ پر کھڑے ہوئے ہیں، اور کوٹھری کے اندر رسائی ہونا  
 الگ رہا، جو زائرین اپنے جذبہ شوق کی تسکین کے لئے کوٹھری کے دروازہ کی زنجیر کو س  
 کرنے اور بوسہ دینے کے لئے بڑھتے ہیں، مٹا ان کے جسم پر نجدی سپاہی کے بید کی ضربیں  
 پڑتی نظر آتی ہیں!

یہ ہے وہ مقام ابراہیم جس کا تذکرہ مقدس کلام میں کسی مقدس موقع پر آتا ہے  
 فیہ آیات بنیاد مقام ابراہیم، اوپر ذکر کیا کہ (کہ) مبارک کا ہو رہا ہے، اور اس مبارک  
 شہر کے بیت مبارک کا ذکر کیا گیا، اور مبارک شہر کے مبارک گھر میں اپنی سب سے بڑی  
 اور کھلی ہوئی نشانی اسی مقام ابراہیم کو فرمایا گیا اور پھر محض اس تذکرہ ہی پر اکتفا نہیں  
 دوسری جگہ حکم کی صورت میں ارشاد ہوتا ہے، وَمَنْ حَفِظْهُ مِنْ مَقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی (ابراہیم)

کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا ٹھکانا بناؤ نماز پڑھنے کے لئے تو سارا خانہ کعبہ ہی سارا  
صحنِ حرم ہی جیٹیم ہی، لیکن ایمان والوں کو اللہ کے فرمان بردار بندوں کو بچہ کنے  
پیشانی زمین پر گر گرنے کا حکم صراحت کے ساتھ ملتا ہے، تو اس زمین کے واسطے جو ابراہیم  
کے خاکِ پائے پاک و مشرف ہو چکی ہے! اللہ اللہ! اپنے چاہنے والوں کی کیا کیا دلوں کی  
ہیں کیسی کیسی سرفرازیان ہیں! (اِنِّیْ جَاعِلٌ لِّلنَّاسِ اِمَامًا، سارے جہان کی امامت  
و پیشوائی کا وعدہ آخر اخصین ابراہیم ہی سے تو کیا گیا تھا؟ پھر آخر کیا اسکا ایفاء نہ ہوتا؟  
اور امام کے جہان پیر ہوتے ہیں، وہیں تو سارے نمازیوں کے سر اگر زمین سے لگتے  
ہیں! ————— ”کل“ سب دکھیں گے، اور آنکھوں والے آج بھی دیکھ رہے  
ہیں، اور ہزار ہا برس سے دیکھتے چلے آ رہے ہیں، کہ جو سب اپنے دل کے بند ہیں توڑ  
صرف ایک اور اکیلے سے اپنا رشتہ ہوڑ چکا تھا، (اِنِّیْ دَجَّهْتُ وَجْهَیْ لِلَّذِیْ فَطَنَ فَتَوَّابًا  
وَ اِلَاسَیْءَیْ حَنِیْفاً وَ مَا اَنَا مِنَ الْمُنْشَرِّکِیْنَ) اور جو اپنے وقت و زمانہ کی ساری تہذیب  
و تمدن اور اپنی قوم و ملت کی شان و شوکت پر لعنت بھیج چکا تھا، (وَ عَتَا لَکُمْ دِمَآءُ  
قَبْلِ دَنِّ دَنِّ دَنِّ اللّٰہِ) اُس کے لئے کیا کیا انعام و اکرام ہیں، کیسے کیسے صلے اور  
رتبے ہیں! ”آج“ دینا جہان کے لئے اس کی امامت اور ”کل“ سب سے پہلا حلالہ بہشتی بھی  
اللہ کے گھر کے اسی منہار کے لئے ”آج“ کی نعمتون کا توڑا پھوٹا تصور ہو گیا جاتا ہے، ”کل“  
کی نعمتون کا اندازہ اور تصور کس انسانی دماغ کے بس کی بات ہے!

فقہ حنفیہ میں حکم ہے، کہ طواف سے فارغ ہو کر اسی مقام ابراہیم میں آکر دو رکعت  
نماز پڑھے، پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ کافرون اور دوسری میں سورہ

اضلاع ہو تو بہتر ہے، اتنے نصیب کہاں تھے کہ عین مقام ابراہیم تک پہنچتے، اس  
برآمدہ میں بھی کثرتِ ہجوم سے نماز پڑھنے کی جگہ نہ ملی، مجبوراً مقام ابراہیم کے متصل جو جگہ  
اس کے اور خرابا لینی کے درمیان ہے، وہاں نماز پڑھی، یہ نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر طواف  
کے غائتہ لینی اس کے ساتھ چکروں کے پورے ہونے پر پڑھتے تھے، اور اسی لئے امام  
ابو صفیہؒ کے نزدیک یہ نماز واجب ہے، گو امام شافعیؒ کے ہاں محض سنت کے درجہ میں  
نماز کے بعد مکہ نے جو دعا پڑھائی وہ غالباً یہ تھی:-

اللهم انزل تعلم سؤی وعلانی  
فاقبل معذرتی و تعلم حاجتی فاعطانی  
سوالی و تعلم ما فی نفسي  
فاغفر لی ذلونی، اللهم انی  
(سئلت الیما نأیا شوقی قلبی  
یقیناً صادقاً حقاً) علم انہ  
لا یصیبنی الا ما کتبت لی  
وہرضی بہا قسمت لی یا  
اسمہد الم (حمین،

اے اللہ جو جاتا ہے میرا وطن اور میرا ظاہر پس  
میرا عذر قبول کر، اور تو میری حاجت سے واقف  
ہے، پس میں جو طلب کرتا ہوں مجھے عطا کر، اور  
جاتا ہے جو کچھ میرے دل میں ہے، پس میرے  
گناہوں کو معاف کر دے، اے اللہ میں تجھ سے  
مانگتا ہوں ایمان جو میرے دل میں جگہ رکھے، او  
ایسا یقین جس سے میں جان جاؤں کہ مجھے  
بس وہی ملے گا جو کچھ تو نے میرے لئے لکھ رکھا ہے  
اور اے سب رحیموں سے بڑھ کر رحیم، میں مانگتا ہوں  
تجھ سے اس چیز پر رضامندی جو تو نے میری قسمت  
میں لکھ رکھی ہے،

روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے یہی دعا مانگی تھی، اس کے  
الفاظ کی جامعیت و ہمہ گیری ظاہر ہے، لیکن اختیار ہے کہ اس کے بنیانی دینی و دنیاوی



جاہتوں کے لئے اور جو دعائیں مانگنا چاہتے مانگے،

بہت سے لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں، کہ بعد طواف، یہ دو گانہ، خاص اسی جگہ  
یعنی مقام ابراہیم ہی پر ادا کرنا چاہئے، صحیح نہیں، امام محمدؒ کے الفاظ یا لکل صراط و  
و واضح ہیں :-

ثم ایت المقام فصل عند کعبتین  
او حیث تیسو علیہ من (المسجد)  
مقام ابراہیم پر اگر دو رکعتیں پڑھو یا مسجد میں  
جہاں کعبین آسانی سے جگہ مل جائے،  
شرحی اس کی شرح میں لکھتے ہیں :-

وصاراد ان الزحام لیکثر عند المقام  
فلا یبغی ان یجعل المسفحة لذات لکن  
المسجد کلمہ موضع للصلاة فیصلی  
حیث تیسو علیہ،  
(مبدط، جلد ۱، ص ۱۲، مصری)  
مطلب یہ ہے کہ مقام ابراہیم پر سخت ہجوم  
رہا کرتا ہے، ایسی صورت میں یہ درست نہیں  
کہ خواہ غواہ اس کے لئے مسفحت اٹھائی جائے  
بلکہ نازکی جگہ ساری مسجد میں ہی پس جہاں  
کعبین آسانی سے جگہ مل جائے ناز پڑھو لیجائے،

اسی طرح کی تصریحات دوسرے فقہائے ہاں بھی ہیں، دیگر کعبتین فی المقام  
او حیث تیسو من المسجد (کنز، شریاتی) المقام فیصلی عند کعبتین او حیث تیسو  
من المسجد (رد اایہ) فی ای موضع تیسو علیہ من المسجد (الحامد) اور خیرہ و  
ان صلی فی مقام ابراہیم فهو افضل (سراجیہ) یصلی بعد الطواف سرکعتین عند المقام  
او حیث تیسو من المسجد و ان صلی فی غیر المسجد جائز (قاصینخان)  
جگہ کے موقع پر جتنے عمال ہیں، سب میں یہ قدم قدم پر ملحوظ رکھا گیا ہے،

کہ اللہ کی عبادت کرنے میں بندوں کے حقوق کی ادائیگی میں غفلت نہ ہونے پائے، اور حتیٰ الامکان کسی دوسرے مسلمان کو کسی نوع اور درجہ کی ایذا نہ پہونچنے پائے، حج کا سفر، قلب کی تنگسگی، بعدیت، و انابت کا ایک مدرسہ ہو، اپنی کسی سہولت اور آسائش کے لئے یا کسی سنت کے ادا کرنے میں دوسروں کی راحت و آسائش کی طرف سے بے پروائی کی کوئی گنجائش اس پاک سفر میں نہیں،

خیر بیان سے چند منٹ میں فارغ ہو گئے، اور اب چاہ زمزم کی طرف بڑھے، اب زمزم اور چاہ زمزم کا نام ہر مسلمان کے کان میں پڑا ہوا ہے، زمزم اب ایک کنوین کی شکل میں ہے، لیکن اصل میں چشمہ کا نام ہے، صحیح و مستند روایات میں اسکا جو کچھ تذکرہ آتا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے، کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام شام سے آکر اپنی بیوی حضرت ہاجرہ اور شیر خواہ جزوہ حضرت اسمعیلؑ کو جب مکہ میں چھوڑ کر واپس جانے لگے، تو ایک مشک پانی اور کچھ بھویریں ان کے پاس رکھ گئے تھے، ایک مشک کب تک کام دیتی پانی ختم ہوا، اور ماں اور بچہ پر پیاس کا غلبہ، قریب میں صفا و مروہ، دو پہاڑیاں تھیں، مائی ہاجرہ امتا سے بے قرار ہو کر ان پہاڑیوں کی طرف پانی کی تلاش میں بار بار دوڑتی تھیں، ادھر شیر خواہ پیر زادہ نے جو تڑپ تڑپ کر پیر زمین پر بیٹھے، تو ایڑیوں کے نیچے زمین سے پانی کا ایک چشمہ جاری ہو گیا، حضرت ہاجرہ جب سات پھیروں کے بعد مایوس واپس آئیں تو دیکھا، صااحبزادہ کے قدموں کے نیچے ایک چشمہ جاری ہے! — آگے چل کر اور جوان ہو کر جس کے قدموں کے نیچے سارے عالم کی روحانی پیاس کی تسکین کے لئے فیض و ہدایت کا چشمہ جاری ہونے لگا

اگر بچپن میں مادی سیرابی کے سامان کا ظہور اس کے قدموں کے برکت سے ہو گیا ہو، تو کوئی عقل و قیاس اسے اپنے اوپر بار کیوں محسوس کرے؟  
 بہر حال حضرت ہاجرہؑ نے جو یہ ماجرا دیکھا تو باغ باغ ہو گئیں، اور مٹی سے گھیر کر پانی کے لئے ایک کنوین کی سی شکل قائم کر دی، اسی حالت میں زبان سے نکلا تھا "زم زم" جس کے معنی ہیں، ٹھنڈا ٹھنڈا، اسی وقت سے اس کا نام زم زم پڑ گیا، مگر کی آبادی، اسی وقت سے قائم ہوئی، اس وقت تک شہر کے بجائے چنیل میدان پڑا ہوا تھا، کچھ دنوں کے بعد کنواں پٹ گیا، اور رفتہ رفتہ اہل مکہ اسے بھول بھی گئے، جب سرورِ عالم کی ولادت با سعادت کا زمانہ قریب آیا، تو عبدالمطلب کو خواب میں اس کنوین کا پتہ بتایا گیا، اُس وقت سے زم زم از سر نو دنیا کو سیراب کرنے لگا۔

دنت من  
 کہیں میدان  
 بنیں  
 اوپر

موجودہ حالت میں چاہ زم زم مہولی کھلے ہوئے کنوین کی طرح نہیں بلکہ باہر سے ایک مکہ معلوم ہوتا ہے، دیوارِ کعبہ سے ۳۲، ۳۳ گز کا فاصلہ ہوگا، مکہ کی عمارت دو منزلہ ہے، نیچے والے مکہ کے دو حصے ہیں، ایک حصہ میں کنواں ہے، دوسرے میں آبدار خانہ، کنواں اندر اور باہر دونوں طرف سے سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے، پانی کی سطح کچھ کم ستر گز کی گہرائی کے بعد ہے، کنوین کا منہ اچھا خاصا بڑا ہے، جیسا ہمارے ہاں انداز سے کنوین کا ہوتا ہے، منہ کا چوڑا ان کوئی چار گز کا ہوگا، اور گھیر بارہ گز سے اوپر، چار گھر بنان (جروخیان) لگی ہوئی ہیں، چاروں طرف سے پانی کھینچا جاسکتا ہے، مکہ کی چھت میں بھی پانی بھرنے کی جگہ رکھی گئی ہے، کوئی چاہ ہے

تو اوپر کے درجہ سے بھی پانی کا ڈول نکال سکتا ہے، دیوار میں زیادہ تر سنگ اسوم  
 کی ہیں، اوپر کے درجہ میں خانہ کعبہ کے رخ پر ایک چوٹی پر آمدہ ہے، جگت خاصی اونچی  
 ہے، کوئی قد آدم، پانی کی سطح سے ذرا نیچے ایک مضبوط جالی لگا دی گئی ہے، تاکہ  
 حایوں کے هجوم و کنکاش میں اگر اتفاق سے کسی کی کوئی چیز کنوین میں گر پڑے، تو  
 فوراً نکالی جاسکے، تاکہ نہ ہونچنے پائے، نالیان متعدد دینی ہوئی ہیں، تاکہ گرا  
 ہوا پانی براہ راست بہر نکلتا رہے، دروازہ مشرق کی جانب ہے، رات میں بند ہو جاتا ہے  
 دن میں برابر کھلا رہتا ہے، ہر شخص کو آدا دی ہے کہ اپنے ہاتھ سے پانی نکالے، لیکن  
 موسمِ حج کے هجوم و چپقلش میں ہر ایک یہ نصیبہ کہاں سے لاسکتا ہے؟ چرخوں تک  
 پہنچنا اور ڈول اپنے ہاتھ سے کھینچنا الگ رہا، مگر ہ کے اندر گھسنے کی بھی ہمت ہر ایک  
 کی نہیں پڑتی،

آب زمزم کی فضیلت میں احادیث صحیحہ میں بکثرت وارد ہوئی ہیں، ایک حدیث  
 میں آتا ہے ماء منہ لما شرب لہ، زمزم کا پانی جس نیت سے پیا جائے، وہ  
 مقصد پورا ہوگا، ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ زمزم کا پانی غذا ہے، پیٹ بھرنے والی  
 اور شفا ہے، بیا کیلئے، ایک اور روایت میں حضورؐ کی زبان سے منقول ہے کہ دنیا میں  
 بہتر پانی، زمزم کا پانی ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ زمزم کو  
 شباہ، یعنی سیراب کر دینے والا، پیٹ بھر دینے والا کہتے ہیں، اور ابن عباسؓ ہی  
 ایک دوسری روایت میں آتا ہے، کہ اگر اس کو بیا شفا کی غرض سے پیئے، تو اسے  
 اللہ شفا دیگا، اگر کوئی پیٹ بھرنے کے لئے پیئے، تو اللہ اسکا پیٹ بھر دیگا، اور اگر

کوئی اسے پیاس بجھانے کے لئے پئے، تو اللہ اس کی پیاس بجھا دیگا، متعدد داکا بڑا امام شافعیؒ، عبداللہ بن مبارکؒ، حافظ ابن حجر وغیرہم اپنا تجربہ بھی لکھتے ہیں کہ ہم نے جس شخص کے لئے اسے پیاس بھرا، وہ مقصد پورا ہو کر رہا، خود حضور کو بھی یہ پانی نہایت مرغوب و محبوب تھا، بہتر یہ ہے کہ اسے جب پیا جائے، تو تین سانسوں میں سیر ہو کر پیا جائے، اور پیتے وقت یہ الفاظ ثاؤرہ بطور دعا پڑھ لئے جائیں:-

اللهم املک علما نافعا و دہش قادا و ساعا  
و شفاء لمن کل داء  
اسے اللہ میں تجھ سے طلب کرتا ہوں کام آینا و اعلا،  
اور فراموشی کے ساتھ روزی اور ہر بیماری سے شفا،

ایک سبقت کر امت اس کی یہ ہے، کہ لوگ اسے اپنے ہمراہ ٹین کے ڈبوں یا ڈبوں میں بھر بھر کر لے آتے ہیں، اور لاکھ برسوں رکھتے ہیں، پھر بھی نہ یہ پانی سٹرتا ہو، نہ بھین کیڑے پڑتے ہیں، یہ فضائل سب بجا و مسلم، لیکن مرنے میں دینہ کے پانی سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا، بد مزہ یہ بھی نہیں، لیکن ایک طرح کی ٹکینی ہے، اور مرنے میں دودھ کی سی چکناہٹ محسوس ہوتی ہے، پھر تھوڑا سا پیٹنے میں طبیعت سیر و اسودہ ہو جاتی ہے، دینہ نموزہ کے پانی کی سی تھنڈک نہ شیرینی، نہ لطافت کہ قبلا چاہئے، بغیر گرتی محسوس کئے ہوئے پیتے چلے جاسیے!

عصر کا وقت آخر ہو رہا تھا، جب ہم طواف و متعلقات طواف سے فارغ ہو کر "سعی" کے لئے باہر نکلے، سعی کے لفظی معنی، تیز چلنے یا دوڑنے کے ہیں، اصطلاح میں سعی نام ہے، صفا و مروہ کے درمیان سات پھیرے کرنے کا بھی، کا طریقہ یہ ہے، کہ پہلے خانہ کعبہ میں حجر اسود کو بوسہ دے، اس کے بعد بائیں منیٰ محروم سے یا اور کسی دروازہ سے،

حرمِ شریف سے باہر نکلے، اور ان مقامات کے درمیان سات پھیرے کرے، اس طرح کہ پہلا پھیر اصفاء سے شروع ہو اور ساتواں پھیر امرود پر ختم ہو، اصفاء و مروہ کسی زمانہ میں ادنیٰ پہاڑیاں تھیں، مائی ہاجرہ پانی کی تلاش میں مضطرب و مقرر ہو کر انھیں پہاڑیوں پر چڑھ چڑھ کر دیکھتی تھیں، کہ شاید دور سے کوئی قافلہ نظر پڑ جائے اور اُس سے پانی حاصل ہو جائے۔ اب تو پہاڑیاں باقی نہیں رہیں، بھولی بلند سی کے چوڑے سے کچھ باقی رہ گئے ہیں حضرت ہاجرہ سات ہی پھیرے کرنے پائی تھیں، کہ شیر خوار نورِ نظر کی اڑیوں کے نیچے سے پانی کا چشمہ ابلنے لگا، تھا اور اُس صدیقہ کی سخی ختم ہو گئی تھی، پس اسی سخی کی یادگار آج تک قائم چلی آرہی ہے۔ — اللہ والوں اور اللہ والیوں کا مرتبہ ذرا دیکھنا! طالبِ خود اس راہ میں مطلوب بناتے ہیں اپنے چاہنے والوں کی ادائیں کس کس طرح محفوظ رکھی جاتی ہیں، ہاجرہ صدیقہ نے زندگی میں ایک بار سات پھیرے کئے تھے اس کی یادگار میں اس ساڑھے تیرہ سو برس کی مدت میں، کتنے لاکھ، کتنے کروڑ کتنے ارب لگنے اسی راہ پر اپنے دربار کی حاضری دینے والوں سے پھیرے کر لئے جا چکے ہیں اور دنیا کا کوئی ریاضی دان حساب لگا سکتا ہو کہ قیامت تک ان پھیروں اور پھیرے کرنے والوں کی تعداد کہاں تک پہنچے گی! ساہا سال نہیں صدیاں گزر چکی ہیں اور ہاجرہ کے نقشِ قدم پر چلنے والوں کا تانا بانا ہی کہ کسی کے توڑے نہیں ٹوٹتا ہوا

## باب ۴۴

### عمر

”صفاء و مردہ“ کا نام جب ہندوستان میں سنتے تھے، یا کتا لون میں پڑھتے تھے تو خیال ہوتا تھا کہ شہر سے دور آبادی سے الگ کسی ویرانہ میں یہ خشک پہاڑیاں ہونگی، کافی مسافت طے کر کے یہاں پہنچنا ہوتا ہوگا، اور ان کے درمیان سچی گرتا بجائے خود ایک مستقل سفر ہوتا ہوگا، یہ تخیل مکہ پہنچنے تک قائم رہا، آج سحی کے وقت سا لہا سال کی یہ غلط فہمی دور ہوئی، اور مشاہدہ کے بعد معلوم ہوا کہ یہ سارا تخیل بالکل بے بنیاد تھا، صفا و مردہ کسی زمانہ میں پہاڑیاں تھیں، مگر اب تو ان پہاڑیوں کے نشان محض کچھ اونچے چبوترے سے، اور ان کے چند زینے باقی رہ گئے، مین، آس پاس کے بلند مکانات ان ”پہاڑیوں“ سے کہیں زیادہ بلند ہیں، پھر یہ پہاڑیاں آبادی سے دور کسی ویرانہ میں نہیں، بلکہ عین وسط شہر میں، نواف آبادی کے اندر اور حریم شریف سے فاصلہ کچھ بھی نہیں، گویا بالکل متصل، ایک دروازہ سے نکلے تو صفا بالکل سب سے دوسرے دروازہ سے نکلے تو چند قدم چل کر مردہ، دونوں کے درمیان کا فاصلہ کچھ کم و در لاگ ”سعی“ نام ہوا اسی درمیانی مسافت کے طے کرنے کا، اور اس راستہ کو مسطے (جاسے سی) کہتے ہیں، یہی کسی ویرانہ و سنسان مقام میں ہونا لگتا، شہر کے

سب سے زیادہ آباد بارونق، اور پہل پہل والے حصہ میں واقع ہے! اچھی چوڑی بچتہ  
 سڑک، اور تک اوپر سے سائیاں پڑا ہوا، کچھ دور تک ایک طرف حرم کے دروازے  
 اور دونوں طرف تقریباً سارے راستہ بھر ہر قسم کی آراستہ و پر رونق دوکانیں خوب تر  
 شرتیوں کے گلاس اور ٹھنڈے پانی کی صراحیاں بکنے کے لئے ہر چند قدم پر موجود رہتے  
 وقت یعنی سچی کرتے وقت یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ کوئی عبادت کر رہے ہیں، بس معلوم  
 ہوتا ہے کہ گویا رہلی کے چاندنی چوک یا لکھنؤ کے امین آباد میں ٹہل رہے ہیں!

عصر کا وقت قریب ختم تھا، جب ہم لوگ حرم شریف سے نکل کر صفا پر پہنچے، اور  
 معلوم کی رہنمائی میں سچی شروع کی، اسی کے ساتھ شوط ہوتے ہیں، یعنی صفا و مردہ کی  
 درمیانی مسافت کو سات مرتبہ طے کرنا ہوتا ہے، گویا تقریباً دو میل چلنا ہوتا ہے، جو  
 بہت سے لوگوں کے لئے ایک اچھی خاصی اور تھکا دینے والی مسافت ہے، خصوصاً  
 گرمی کے موسم میں اور ہجوم کی کشمکش کے درمیان، لیکن شریعت نے مسلسل سچی ضروری  
 نہیں رکھی ہے، تھک جانے والے کو درمیان میں سٹاپ لینے اور بیٹھ جانے کا پورا اختیار  
 دیا ہے، جو لوگ کچھ دور بھی پیدل چلنے میں دشواری محسوس کرتے ہوں وہ سواری  
 کے اوپر سچی کر سکتے ہیں، اور اس غرض کے لئے سب سے بہتر چیز یہاں کی شہری ہے،  
 جو ایک طرح کا پلنگ ہوتا ہے جس پر ضعیف و مریض آسانی سے لیٹ سکتے ہیں،  
 اور اس کو اپنے کاندھوں پر اٹھانے والے تھال (مزدور) بہ کثرت ہر وقت ملتے  
 رہتے ہیں، شام کا وقت دوکانداری کے شباب کا وقت تھا، اور بھر جا جیون کی  
 بھی بڑی تعداد، دن کی گرمی سے بچنے کے لئے اسی وقت سچی کو نکلی تھی، اس لئے



ہجوم قدرۃ اپنے پورے منتہی پر تھا، آگے پیچھے، دائیں بائیں ہر طرف خلقت ہی خلقت، انسانوں کے ہجوم کے علاوہ کہیں کہیں اونٹوں کی بھی مسلسل قطار سے سابقہ پڑ جاتا تھا جسکا تانتا پانچ پانچ دس دس منٹ تک ٹوٹنے میں نہیں آتا تھا مجبوراً اونٹوں کے نیچے سے نکل نکل کر گزرنا ہوتا تھا، اونٹوں سے زیادہ تکلیف دہ سرکاری اور سلطانی موٹروں تھیں، جو عین حرم شریف کے متصل، زور زور سے اپنے بگل اور ہارن بجاتی ہوئی، چیخنی چلاتی ہوئی، اس ہجوم کو چیر کر تیزی سے گزر جانا چاہتی تھیں، اور اونٹوں اور موٹروں دونوں سے زیادہ تکلیف دہ بعض بخدی و بدوی قبائل تھے، جو کئی کئی مرد و عورت ایک ایک قطار قائم کئے، ایک دوسرے کے ہاتھ مضبوطی سے پکڑے ہوئے، بلا وجہ دوڑتے اور جھپٹتے ہوئے مجمع میں گھستے تھے، اور جب انکار دیا آئے گئے تو بس یہی معلوم ہوتا تھا، کہ کمزور جبر و آلے اکادکا حاجیوں کو یہ دل کھل کر بلکہ ان کی ہڈیوں تک کو سرمہ کر کے رکھ دیگا، ————— سودی پولیس اور محکمہ امر بالمعروف کے پیادے، بھکی زبانیں مدینہ منورہ میں روغنہ بنوئی کے متصل بات بات پر جلتیں، اور جن کے بید وہاں بار بار اٹھتے رہتے تھے، یہاں ان میں سے کسی کا وجود نہیں! یہاں راستہ کے انتظام کے لئے مجمع میں نظم و امن قائم رکھنے کے لئے زخمیوں کو اٹھانے کے لئے کمزوروں اور ناتوانوں کو زبردستوں اور ظالموں کی زیادتیوں سے بچانے کے لئے حکومت کا کوئی پیادہ موجود نہیں! محض اس مقام کی عظمت و بزرگی، جلالت و قدر و کرامتِ عالی ہی، کہ کرنے اور چوٹ کھانے کے حادثات بالکل نادرا و وقوع ہیں اور نہ اسباب ظاہری و قرآن کے سحاط سے تو جو کچھ بھی ہو جائے، تھوڑا ہی،



ناواقف عمل کرتے رہتے ہیں، اس واوی کا طول کتابوں میں پھیر گز (سواویہ  
 فٹ) لکھا ہوا ہے، واوی کے دونوں سروں پر سبز رنگ کے اونچے پتھر بطور ستون  
 نصب کر دیئے ہیں، ان کو میلین انضربین کہتے ہیں، انھیں دیکھ کر ہر عامی حاجی بھی  
 بغیر معلم کی وساطت کے سمجھ سکتا ہے کہ بس اتنی دور ذرا اوڑھ کر چلنا ہے، اس کے بعد  
 پھر اپنی وہی معمولی چال اختیار کر لے، اصل مسعی (دوڑنے کی جگہ) اسی واوی کا نام  
 ہے، میلین کے درمیان تعلیمین جو دعائیں پڑھاتے ہیں، وہ تو خاصی لمبی چوڑی ہیں  
 لیکن اگر اس قدر چھٹیڑھے تو کافی ہے، سب انھیں دوسرا حصہ و تیسرا حصہ علم بانٹ  
 (انت اکلہم اکلکم، صفا اور مردہ دونوں پر چڑھتے وقت آیر کریمہ انت الصفا واللہ  
 من شحاتہ اللہ، فمن حج البیت ادا عقم فلاح جناح علیہ انت یعطو بہما ومن  
 تطوع خیر فان (اللہ شاگاہ علیہم، پڑھتا رہتا ہے)

سعی، مذہب شافعی میں فرض ہے، اور رکن حج ہے، بغیر سعی کے ان کے ہاں  
 حج ہی نہ ہوگا، فقہ حنفی میں قرع نہیں، لیکن واجب، اور ایک نہایت موکد سنت  
 ان کے ہاں بھی ہے، سعی کے ساتھ پھیرے ہیں، لیکن اگر کوئی شخص صرف چارہ  
 پھیرے کرے، تو بھی سعی ہو جاتی ہے، گو یہ بہتر نہیں سمجھا گیا ہے، اور چارے بھی کم  
 پھیرے کرنا، گو یا سعی سر ہے ہی سے نہ کرنا ہے، یا وضو نہ لازمی نہیں لیکن بہت  
 مستحب ہے، سعی کے سارے وقت میں حضور قلب کے ساتھ دعا و مناجات میں  
 لگے رہنا چاہئے، بلا ضرورت دنیوی باتیں کرنا مکروہ ہے، کھانا پینا، خرید و فروخت  
 کرتے لگنا، اگرچہ جائز رکھا گیا ہے، لیکن بلا ضرورت ان میں سے کسی چیز کی طرف

متوجہ ہونا، بڑی قیمتی اور قابلِ قدر گھڑیوں کو برباد کر دینا ہی، اتنے جھوم غلیم میں اور  
عین بازار کی چیل پیل کے درمیان حضورِ قلب قائم رکھنا واقعہً بہت دشوار، لیکن  
بہر حال اپنی طرف سے تو کوشش اسی کی رکھنی چاہئے، اور اجر کا دار و مدار کوشش ہی  
پر ہے، سا تو ان پھیر امر و نہ پر تمام ہو گا، اس کے بعد چاہئے کہ حرم شریف میں جا کر نماز  
ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھے، جس طرح طواف کے ختم ہونے پر پڑھی جاتی ہے، اور اس  
عمرہ کرنے والے کا عمرہ اسی پر ختم ہو جاتا ہے، جس نے حج تمتع کی نیت کی تھی اسے چاہئے  
کہ حرم شریف سے باہر اگر اپنا سر سٹٹائے، یا کم از کم بال کترا دے اور احرام اُتار کر حج کا سفر  
رہے، حج قرآن کی نیت کرنے والا بدستور احرام پہنے دھپے، اور بال ہرگز نہ منڈائے  
نہ کترائے،

ابھی سہی کر ہی رہے تھے کہ غریب کا وقت آگیا، اور حرم میں جماعتِ طرفین آئی  
ہم لوگ بھی سہی کو ناتمام چھوڑ کر، لپکے کر جماعت میں شریک ہو گئے، حرم کے اندر تو  
کیا جگہ ملتی، باہر بیڑھیوں کے نیچے، سڑک کے اوپر جگہ ملی، اور چون تو ان کر کے ختم  
ختم کی، اس کے بعد سہی کے بقیہ شلوپ پورے کئے، لیجئے جن رفیقوں کا میری طرف توجہ  
تبع تھا، ان سب کا عمرہ ختم ہو گیا، اس وقت کی خوشی کا کیا پوچھنا، عمرہ سے بے خوف  
کیا ہوئی، یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی خزانہ ملی گیا ہو، ہنستے ہوئے پھر دین کے ساتھ ایک  
دوسرے کو مبارکبادیں بجانے لگی، طویل سفر سے پہلے آئے ہیں، قیہ انداز آتے ہیں، ہر روز  
وہی میں مشغول ہو گئے تھے، خوب ہنسکے ہوئے تھے، لیکن دل کے انسا طے جسم  
نکاح کو بڑی حد تک رفع کر دیا، پیراس کی شہادت میں شہادت کے نکاح کو

برت ڈال ڈال کر پٹے گئے، اور اسی وقت بجلی کی روشنی میں ایک جھام کی آراستہ  
 و شاندار دوکان میں سر منڈائے گئے، اور بال کترائے گئے، مغرب کے وقت کو بھی  
 آدھ گھنٹہ یون گھنٹہ ہوا تھا، عشا کے وقت میں ابھی خاصی دیر تھی، رابطہ حیدر آباد  
 میں جگہ کی تنگی اور اہل قافلہ کے لحاظ سے پیشکش کا اندازہ ہو چکا تھا، خیال یہ ہوا  
 کہ رات کو سب کی گزر گیونکر ہوگی، خصوصاً عورتیں جو اس موسم میں صحن میں لیٹنے  
 کی عادی ہیں، ان بچاریوں سے اندر کے درجنوں میں کیونکر بسر ہو سکے گی، عشا  
 بے اختیار یہ چاہ رہی تھی، کہ اب فوراً لیٹ کر سویا جائے، لیکن اول تو ابھی عشا  
 باقی تھی، اور پھر خانہ داری کی یہ فکر میں بہمت کر کے اسی وقت ایک راہبر کو ساتھ  
 لیکر مدرسہ صولتہ والے مولوی محمد سلیم صاحب کے مکان پر پہونچا، مولوی صاحب  
 موصوف کے اخلاص و اخلاق کا اندازہ ان کے عنایت ناموں سے ہو چکا تھا، ملاقات  
 ہوئی، یہ وہ اسی لطف و محبت، مدارات و اخلاق سے پیش آئے، یہ معلوم ہی نہیں  
 ہوتا تھا کہ آج پہلی ملاقات ہو، یہ معلوم ہوتا تھا، کہ برسوں کی پرانی ملاقات ہو  
 رات کے اندھیرے میں مکان سے اپنے ہمراہ مدرسے لائے گئے، مدرسہ کی جدید  
 عمارت کو کھلو، اگر اوپر سے نیچے تک سب منزلیں ایک ایک کمرہ کھول کر دکھائیں  
 اور یہ اصرار فرماتے رہے کہ "ہمیں اٹھ آؤ" مدرسہ کی عمارت کا کیا کہنا، ماشاء اللہ بہت  
 وسیع ہے، اگر یہاں اٹھ آؤ، تو بڑی فراغت کی جگہ مل جاتی، اور مکان کی سوخت سے  
 کہیں بڑھ کر متولی مکان کی وسعت اخلاق اور مسافروں کی ہم لوگوں کے آرام و  
 آسائش پہونچانے میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھتی، لیکن حرم شریف سے مکان مدرسہ  
 کا فاصلہ اچھا خاصہ نظر آیا، اور خیال یہ گذرا کہ مسئلہ میں مدت قیام یون ہی

بہت مختصر ہے، اس میں بھی اگر بہت سی نمایاں بعدِ مسافت کے عذر پر حرم میں ملنے سے  
 رہ گئیں، تو بری ہی عرومی اور شدید حرمانِ نصیبی ہوگی، اس لئے مولوی سلیم صاحب سے  
 اُن کے ہاں اٹھ آئے گا پختہ وعدہ نہ کر سکا، اور اُن کے دلی شکر یہ پر ملاقات ختم کر کے  
 واپس چلا آیا،

حرمِ پاک کی پاک سرزمین مقدس بزرگوں کے وجود سے اب بھی خالی نہیں، اللہ واسے  
 اگر اللہ کے شہر میں نہ ہوں گے، تو اور کہاں ہوں گے، بلدا لائین کے گوشوں میں اللہ کے  
 پیارے، خدا معلوم کتنے آج بھی موجود ہیں، ان میں سے کم از کم ایک بزرگ کی زیارت  
 تو اپنے نصیب میں بھی آئی، اور مزید مسرت اس کی کہ وہ بزرگ اپنے ہی دیں ہندوستان  
 بلکہ اپنے ہی صوبہ، یوپی، کے نکلے، مولانا محمد شفیع الدین صاحب لکھنؤ کے رہتے  
 والے آج سے اڑتالیس سال قبل مکہ معظمہ حاضر ہوئے تھے، اور امد کے گھر کی محبت  
 ایسی غالب آئی کہ اپنے گھر کو بھول گئے، نصف صدی کا زمانہ دیکھئے، اور اکیتر تہ بھی اس دریا  
 میں وطن کا رخ نہیں فرمایا! ساری عمر تجرد میں گزار دی، نہ میوسی نہ پیچے شیخ المشائخ  
 حضرت حاجی شاہ امداد اللہ صاحب ہذا جو مکی کے ہاتھ پر بیعت کی، اور اس وقت ان کے  
 اجلِ خلفاء میں ہیں، ایک معتبر و ثقہ راوی سے سنئے ہیں آیا کہ اس ساری طویل مدت  
 میں شاید ایک نماز فرض بھی ایسی نہیں گزری جو حرم شریف کے اندر نہ ادا کی ہو، اور  
 محض اتنا ہی نہیں، بلکہ جماعت کے اہتمام و التزام میں بھی فرق نہیں آنے پایا! اور  
 پھر اس سے بھی بڑھ کر کمال یہ نصیب میں آیا کہ نجدیوں کے تسلط کے قبل تک، جماعت  
 میں بھی صفتِ اول چھوٹے نہ پائی! ————— ان خوش نصیبوں پر کس کو رشک نہ آئے گا

لیکن یہ سب اللہ ہی کی دین ہی، این سعادت بزورِ بازو نیست، کا معاملہ ہے۔  
 علم و فضل، زہد و تقویٰ، فقر و سلوک کی یہ جامعیت، گو حضرت حاجی صاحب کے خلفاء  
 و متبیین میں عنقا نہ ہو، لیکن جب یہ یاد پڑتا ہے کہ یہ بیسویں صدی عیسوی کا زمانہ ہے  
 دجال و یا جوج کا دور ہے، تو ایسی ہستیوں کے وجود پر حیرت ضرور ہوتی ہے، خدا معلوم کتنے  
 حج یا پادہ کئے، اور فرائض و واجبات الگ رہے مہولی نوافل، مستحبات تک چھوڑنے  
 نہ پائے، اس نصف صدی کی مدت میں شاید ہی گنتی کے دو چار حج چھوڑے ہوں، ورنہ  
 ہر سال حج کا معمول رہا، مدتوں فقر و فاقہ سے یہ نوبت رہی، کہ محض سوکھی روٹی پانی  
 میں جھگو جھگو کر نوش فرماتے رہے،

بہر حال یہ موقع ان کے مناقب و فضائل کی تفصیل کا نہیں، صرف تعارف کی  
 غرض سے اتنا تذکرہ کیا، مولوی سلیم صاحب کے پان سے واپسی میں نماز عشاء حرم میں ٹھہر کر  
 ایک رہنما کی رفاقت میں جناب مولانا کے ان حاضری ہوئی، قیام بابا لصفائین رہتا تھا  
 حرم شریف سے گنتی کے چند قدم کا فاصلہ، حسن اخلاق و وسعت مدارت کا کیا بوجھنا بزرگ  
 کرم و فوازش کا بحم نمونہ، اخفا و حال و کمال کا اس درجہ اہتمام کہ ٹپنے والے کو ان کے  
 مرتبہ کا شہدہ بھی نہ ہونے پائے، اتنا ستر خشک فقہی مسائل پر ٹالنے کی انتہائی کوشش، یہاں  
 کے بعض انھیں کے ہم مرتبہ بزرگوں کے سلام و پیام خدمت والا میں پہنچائے گئے،  
 اور اپنے حق میں دعا سے خیر کرائی گئی، اٹھنے کو جی تو نہ چاہتا تھا، موصوف ہی کی زحمت  
 کا خیال کر کے اجازت چاہی، اور قیاس گاہ (رباط حیدر آباد) پر واپس آیا، جامہ احرام  
 اتارنے کا موقع ابھی تک کہاں ملا تھا، گھر پہنچ کر وہ ملبوس اتارا، اور عام لباس پہنا، ان

بھری دوڑ و دوپ کے بعد خستگی اور تھکان کا پورا احساس اب ہوا، ہم مردوں کو تو کھلی ہوئی چھت پر جگہ مل گئی، ساتھ کی بیویوں بچاریوں کو اندر ہی کے حصوں میں گذر کرنا پڑا، مولانا مناظر حسن ہر جگہ کی طرح یہاں بھی سب سے "شاہ نکل گئے، قافلہ اور قافلہ والوں کو چھوڑ چھاڑ حرم شریف کے صحن میں سونے کے لئے جا پونچے، اور وہاں پہونچ کر سوئے تو کیا ہون گے، لیکن اپنے جن حالات کو وہ خود راز رکھنا چاہتے ہیں، وہ ان کے نیاز مند خادما کی زبان سے کیوں فاش ہوں!





# باب ۲

## آغاز حج

۷۔ رومی الحجہ، پنشینہ، آج کے دن کی کوئی مخصوص مشغولیت نہ تھی، عمرہ بفضلہ ادا  
 ہی ہو چکا تھا، اب ارکان حج کے آغاز کا انتظار تھا، آج ہی کے دن حرم شریف میں  
 باضابطہ اعلان ہوتا ہو، کہ پرسوں ۹ رومی الحجہ کو عرفات میں حایوں کا اجتماع ہوگا  
 اور آج ہی ظہر کے بعد حرم شریف میں امام خطیبہ پڑھتے ہیں، حسین سائل حج کی تشریح  
 ہوتی ہے، دہر کی شدید گرمی میں شوق کے ساتھ اس خطیبہ کے سننے کی ہمت کس کو  
 اور پھر اتنے بڑے مجمع میں خطیبہ کے قریب خطبہ کے الفاظ سننے کے لئے جگہ ملنی کہاں  
 اور جگہ گھس پل کر مل بھی جائے، تو خطیبہ کی زبان سمجھنے والے ہندوستانیوں میں کتنے وہاں  
 جہاں تک ممکن ہو، خطیبہ سننے کی فضیلت کو ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہئے رسول  
 و اصحاب رسول کے اتباع کا شرف اسی میں ہو، اور پھر اس مجمع میں خدا معلوم کیسے  
 برگزیدہ بندے اور مقبولان حق شامل ہوتے ہیں، ان کی ہم نشینی خود کیا کم ہو، خطیبہ تو  
 دیر میں ختم ہو جاتا ہو، طواف، نماز، تلاوت کے لئے رات اور دن کا سارا وقت ہواؤ  
 حرم شریف کے دروازے ہر وقت کھلے ہوئے، جتنی دیر سب مشغول ہیں چاہے لگا رہے،  
 ہمارے قافلہ والوں میں سے بس کے نصیب میں جو کچھ آتا تھا، آیا، وطن کے متعدد

حاجی دکھائی دیئے، ان سے ملنے جلنے کا سلسلہ بھی جاری رہا، کل منی و عرفات کے مختصر لیکن اہم سفر پر روانگی ہو، اسکی تیاریاں بھی شام سے ہوتی رہیں،

جج "قرآن" کا ذکر اوپر آچکا ہے، جو لوگ قارن تھے، اُن کے احرام تو بندھے ہوئے تھے ہی، انھیں کسی جدید احرام کی ضرورت نہیں، باقی دوسرے لوگوں کو ۸ رذیٰ کچھ کی صبح کو احرام باندھ کر روانہ ہو جانا چاہئے، لیکن اگر اس کے قبل ہی احرام باندھ لیا جائے، تو بہتر ہے، اور فقہائے اسے مستحسن لکھا ہے، مولانا شفیع الدین مظہر نے بھی یہ خاص طور پر ارشاد فرمایا تھا، کہ احرام، رادرہ کی درمیان میں جب ہی بعد عشاء حرم شریف ہی میں، بلکہ حطیم کے اندر باندھ لینا، حطیم کا ذکر شاید پہلے نہیں آیا، حطیم، مطاف کے اندر خانہ کعبہ کے شمالی صحن کا نام ہے، جو ایک قوسی دیوار سے گھرا ہوا ہے، دیوار اچھی خاصی چوڑی اور کچھ کم قد آدم بلند ہے، اذیل کے نقشہ سے حطیم بآسانی سمجھ میں آجائیگا،

حطیم	خانہ کعبہ
------	-----------

خلیل اللہ کے بنائے ہوئے کعبہ میں یہ چھوٹی ہوئی زمین بھی کعبہ کے اندر تھی، قریش نے جب اپنے زمانہ میں عمارت کعبہ کی تجدید کرنی چاہی تو کچھ سامان کم پڑ گیا، ازلے یہ قرار پائی، کہ تعمیر ابراہیمی سے کچھ کم کر دینا چاہئے، چنانچہ اتنا حصہ چھوڑ دیا گیا، اور اس میدان کو دیوار سے گھیر دیا گیا، حطیم کے لفظی معنی ٹکرے کے ہیں اور چونکہ یہ زمین خانہ کعبہ ہی کا ایک ٹکڑہ ہے، اس لئے اسکا نام بھی حطیم پڑ گیا، رسول خدا صلعم نے ایک بار

حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ میرا بی چاہتا ہو کہ عظیم کو از سر نو خانہ کعبہ کے اندر شامل کر لیا جائے، لیکن قریش خواہ مخواہ بھڑکین گئے، کہ ہماری ہر شے سے مخالفت کیجاتی ہو، اس لئے ایسا نہیں کرتا، ایک عباسی خلیفہ نے اپنے زمانہ میں چاہا کہ حضورؐ کی اس مرضی مبارک پر عمل کی سعادت حاصل کرے، اور امام مالکؒ سے استفتا کیا، امامؒ نے فتویٰ دیا کہ "ایسا کرنے سے خانہ کعبہ ملعونہ ملوک و سلاطین ہو جائیگا، جو بادشاہ اس میں ترم کرنا چاہیگا اسے ایک سزا ملے گی، اس لئے ایسا کرنا مناسب نہیں، غرض اس وقت سے عظیم برابر اسی حالت میں چلا آ رہا ہے، اور حرم مقدس کے اندر مقدس ترین مقامات میں سے ہے، طواف خانہ کعبہ کے ساتھ ساتھ اس کا بھی ہوتا رہتا ہے، اور اس کے اندر نماز پڑھنا، خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کے مساوی رکھا گیا ہے، گویا حکماء یہ بھی خانہ کعبہ ہی ہے، عظیم اہی کا دوسرا نام حجر ہے، ایک روایت یہ بھی سننے میں آئی، کہ حضرت ہاجرہ صدیقہ اور ان کے تحت جگر حضرت اسماعیل ذبیح اسی زمین کے نیچے مدفون ہیں، ورنہ اعلم بحقیقۃ احوال، ایک سونے کا پرنا لہجے میراب رحمت کہتے ہیں، اور جو کعبہ کی شمالی سمت میں چھپت کے اوپر نصب ہو، اس کا پانی بھی برسات میں عظیم ہی میں اگر گرنا ہو، میراب رحمت کے نیچے کھڑے ہو کر دعا مانگنا، ایک خاص محل اجابت میں دعا مانگنا، ہر کتابوں میں اس موقع کے لئے یہ دعا منقول ہے:-

اے اللہ! میں تجھ سے طلب کرتا ہوں وہ ایمان جو  
اُمّ نہ کے، اور وہ یقین جو ختم نہ ہو، اور تیرے نبی  
محمدؐ صلعم کی رفاقت، اے اللہ! مجھے اس روز جبکہ کوئی  
سایہ بجز تیرے سایہ عرض کے نہ ہوگا، اپنے سایہ میں

اللھم انی ایمانا لا یزول  
ولیقینا لا یتفادم، اخفۃ بینک محمدؐ صلعم  
اللھم اظلفی تحت ظلّ عم شاک لک کلّ  
الاظلل عم شاک و اسقنی بکاس

محمد صلعم شویبہ کلا احتیاء بعدھا

(بد۱)

بین جگہ عطا فرماتا اور محمد صلعم کے حوض سے وہ جگہ  
بلاتا جس کے بعد میں کبھی پیا ساٹھوں،

حظیم و میرزا پرجت کا ذکر بیان ضمناً کیا، لیکن تھا ضروری، بہر حال مولانا  
کے ارشاد کے ایک جزو کی تعمیل تو ہو گئی یعنی احرام کے لئے نہر کی صبح کے طلوع ہونے  
کا انتظار نہیں کیا گیا، بلکہ شب ہی میں باندھ لیا گیا، البتہ اس کے لئے مقام حظیم <sup>الصلیب</sup>  
نہ ہو سکا، یہ اس وقت احرام کا باندھ لینا صرف ہمارے ہی قافلہ والوں کے ساتھ مخصوص  
نہ تھا، مغرب و عشا کی نمازوں کے وقت حرم شریف کے اندر ایک خاصی بڑی تعداد  
احرام پوشوں کی نظر آئی، آج ہی عصر کے بعد اپنے معلم عبدالقادر سکندر کو کل کے سفر  
کے متعلق تمام ضروری ہدایات دیدیں، سولہ آدمیوں کے لئے آٹھ اونٹوں کے انتظام  
کو کھدیا گیا، جن لوگوں کو مشق و عادت ہو، وہ اونٹ کی نگلی پیٹھ پر، یا محض کجاوہ  
رکھ کر بہ آرام و اطمینان سفر کر سکتے ہیں، ہم لوگوں کو بھلا اس کی کہاں عادت ایسے  
لوگوں کے لئے بہترین صورت شغف کی ہو، یہ مثل چھوٹے پلنگ یا بڑے کھٹوے کے  
ایک چیز ہوتی ہو جس پر معمولی قد و جسامت کا آدمی لیٹ سکتا ہو، ہر شغف کے اندر  
دو دو پلنگریان ہوتی ہیں، اور دھوپ سے بچاؤ کے لئے یہ پلنگریان، چٹائیوں کی  
چھت اور دیواروں سے منڈھی ہوئی ہوتی ہیں، اونٹ پر اگر شغف کو اچھی طرح  
کس کر باندھ دیا جائے، اور دونوں پلنگریوں پر وزن مساوی رہے، تو خاصی آرام دہ  
سواری ہو، اور اونٹ کے چلنے کے جھٹکے بہت کم لگتے ہیں، اور کوئی عین قیام کرنا ہو  
اور کے دن میں عرفات میں، شب میں مزدلفہ میں، اور ۱۰، ۱۱، ۱۲ کو پھر منیٰ میں،

منیٰ و عرفات میں عام لوگ بچا رہے تو یوں ہی کھلے میدان میں بسر کرتے ہیں، ہم جیسے آرام طلبوں کے لئے یہ مکان نہ تھا، معلم سے دو خیون کی بابت بھی معاملت ط ہو گئی، ہر خیمہ اتنا بڑا کہ آٹھ آٹھ آدمیوں کی گنجائش اس میں نکل سکے، اونٹوں کا کپڑا شغفوں کی قیمت اونٹ پر چڑھنے کے لئے میسر ہی کی قیمت، خیون کا کر ایہ جو کچھ صاحب نے بتایا، بغیر کسی سوال و بحث کے بلاتامل منظور کر لیا گیا، اور ہر شے کا انتظام بالکل اچھین کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا، خیون کا کر ایہ غالباً دو دو گنی فی خیمہ قرار پایا، ضروری سامان سفر میں سب سے پہلا نمبر پانی کی صراحیوں کا آنا ہی، فی اونٹ میٹھی کی دو دو صراحیان خرید لی گئیں، مختصر بسترے، پکائے کا ہلکا اور مختصر سامان خیون میں بچھانے کے لئے دریاں، پانی کے کنسٹرالٹین، منیٰ میں قربانی و غسل کے بعد پہننے کے لئے ایک ایک جوڑا کپڑا، اور کچھ ناشتہ، جس کا سب سے اہم جزو ستوتھے، رکھ لیا گیا، اور پانی ہی میں یہ سب سامان درست کر کے رکھ لیا گیا، کہ صبح سویرے دن نکلنے ہی چلنا ہو گا، معلم صاحب نے حرم شریف کے اندر بٹھکر میت افتد کے سامنے یہ وعدہ کر لیا، اور فرمایا کہ بعد نماز فجر قبل طلوع آفتاب روانگی کے لئے اونٹ دروازہ پر آجائے اور اس وعدہ پر قدرۃ ہم لوگ مطمئن ہو گئے،

۸۔ روزی الحجہ یوم جمعہ آج کا دن بیان کی اصطلاح میں یوم الترویہ کہلاتا ہے، آج ہی وہ مبارک دن ہے جب سارے حاجی مکہ سے منیٰ و عرفات کے لئے روانہ ہوئے ہیں، ہسٹون اور افضل وقت روانگی کا بعد نماز فجر سورج نکلنے کا وقت ہے، حضورؐ نے مع جماعت صحابہ کرام نماز فجر مکہ میں پڑھی تھی، اور آفتاب نکلنے پر روانہ ہو گئے،

تھے، ہم لوگ نماز فجر، حرم شریف میں پڑھتے ہی، جلدی جلدی اپنی قیامت گاہ پر  
 واپس آئے، کہ معلم نے قبل طلوع اذان پہنچا دینے کا وعدہ کیا ہے، کہیں اذان دیا  
 ہمارے انتظار میں گھبرا نہ جائیں، یہاں جو پہنچے، تو نہ اونٹوں کا پتہ نہ معلم صاحب کا ابھی  
 اب تو آفتاب بھی نکل آیا، اور اچھی طرح بلند ہو گیا، اب تک اونٹوں کے نہ آنے  
 کی آخر کیا وجہ؟ ٹھنڈے ٹھنڈے نکل جاتے تو دھوپ کی تمازت سے بچ جاتے، اور  
 سفر بڑے لطف سے کچا تا، اتنا باع سنت کا جو اجر ملتا وہ الگ، چائے اور ناشتہ  
 سے یہیں نہ فراغت کر لیا جائے، لیجئے اب تو ناشتہ سے بھی فراغت ہو گئی اور چائے کے  
 دودھ بھی ختم ہو چکے، اور اونٹوں کا اب بھی پتہ نہیں، کس کو خبر تھی کہ معلم صاحب اسی  
 موقع پر یوں اپنے شتر غمزوں کی شوق ہم پر دسیوں پر کرین گے، بار بار اضطراب  
 میں لگا ہین دروازہ تک دوڑتی ہین، اور پیر سڑک تک دوڑتے ہین، لیکن یہ معلم  
 صاحب کا نشان ملتا ہے، نہ ان کے کسی کارندہ و ملازم کا، سیکرٹن ہزاروں اونٹ  
 اسی سڑک سے ہمارے دروازہ کے سامنے سے گزر رہے ہین، جسرت و محرومی بٹا  
 ہمارے ہی حصہ میں ہی، ہندوستان کی گھڑیوں کے حساب سے، آٹھ بجے ساٹھ بجے  
 نو بجے، دس بج گئے، اور ہنوز وہی انتظار اوسط می کار زمانہ، عرب کی دھوپ،  
 اس ٹھیک دوپہر میں کس سے سفر کیا جائیگا؟ اور تنہا ہی ایک فکر ہوتی تو بھی غنیمت  
 تھا، دوسرا دھڑکا یہ لگا ہوا، کہ جمعہ کا وقت قریب آتا جا رہا ہے، کہیں ایسا نہ ہو، کہ جمعہ  
 حرم شریف کا بھی جائے، اور سنی کا بھی، جمعہ کے دن قبل نواں ہی کوچ کر جانا اور  
 سنی میں جا کر نماز پڑھنا، افضل ہے، یہاں کھٹکا اس کا لگا ہوا کہ فضل و مفضول کی  
 بحث الگ رہی، کہیں سرے سے نماز جمعہ ہی سے خروم نہ نہنا پڑے، اوس بجے کے

بعد مولانا مناظر صاحب اور ایک رفیق سفر معلم صاحب کے مکان کی تلاش میں نکلے، بعد دشواری و زحمت بڑی تلاش کے بعد مکان تو ملا، لیکن مکین غائب! اناشد، گھنٹہ بھر کی حیرانی و سرگردانی کے بعد، دونوں صاحب خستہ و خراب مایوس واپس آئے،

ایک ایک گھڑی پہاڑ ہو رہی تھی، دلوں کے اندر خون جس طرح کھول رہا تھا، اس کا اندازہ ہر وہ شخص کر سکتا ہے، جس کے پہلو میں دل ہی بعض زبانوں پر بھی دل کے جذبات بے تکلف آنے شروع ہو گئے تھے، اور وہ وقت جو تکبیر تہلیل، ذکر و دعائیں بسر ہونے کا تھا، سب ظالم سکندر کی دعا گوئیوں اور منقبت سرائیوں میں صرف ہو رہا تھا، وقت کچھ اور کھسکا، اور کھسکتا رہا، یہاں تک کہ حرم شریف کے مناروں سے جمعہ کی اذانیں بلند ہونے لگیں، اس وقت ہائے تنہا خدا خدا کر کے تشریف لائے، اور اس مصیبت اور بھولے پن کی ادا کے ساتھ کہ گویا کچھ ہوا ہی نہیں، بلا کسی معذرت و اظہارِ افسوس کے، فرمانے لگے، کہ ”اونٹ فوراً بعد نماز جمعہ آجائیں گے، اس سے پہلے کیونکر لاتا، ہجوم کے اندر اونٹوں کو راستہ کیسے ملتا؟ گویا یہ ہجوم اونٹوں کا نہیں، کسی اور کا تھا! او! یہ ہجوم، سیکڑوں، ہزاروں دوسرے اونٹوں کے گزرنے کا مانع تھا! بہر حال صبر کے سوا چارہ کیا تھا، بھاگتے ہوئے حرم شریف کی طرف چلے، مسجد کا کونہ کونہ بھرا ہوا، اتنی دیر کے بعد جگہ کہاں مل سکتی تھی، جون توں گھس پل کر ایسی جگہ گھڑے ہونے کو ملی، جہاں امام و خطیب کی آواز الگ رہی، مگسروں کی تکبیر

بھی شکل ہی سنائی دیتی تھی، نماز کے بعد فوراً گھر آئے، اور اب پھر صبر و تحمل کی  
 آزمائش شروع ہو گئی، گھنٹہ سوا گھنٹہ کے مزید انتظار کے بعد معلم صاحب معہ اونٹوں  
 کے نمودار ہوئے، کچھ وقت سامان کے چڑھانے اور سوار یوں کو چڑھنے میں لگا،  
 اونٹ کی سواری ہم سب لوگوں کے لئے ایک نئی سواری تھی، عورتوں کو خوف  
 معلوم ہونا واجبی تھا، جب خود مردوں کی طبیعت بچکا رہی تھی، داروغہ حبیب اللہ  
 بیچارے اگر مرد نہ دیتے، تو تنہا معلم صاحب تو اس مرحلہ کو بھی جلد نہ لے کر اسکتے، دوپہر  
 ڈھل چکی تھی، اور ظہر کا وقت قریب ختم تھا، کہ ہمارا قافلہ روانہ ہوا، ابھی چند ہی قدم  
 چلے تھے، کہ معلم نے بڑھ کر سوال کیا، ہنسی میں آپ ٹھہرین گے کہاں؟ حیدر آباد کے  
 سرکاری مکان میں؟ سوال کا سننا تھا، کہ فرط حیرت سے آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں  
 اور ٹکٹکی معلم صاحب کے چہرہ پر لگ گئی، پہلے تو دل نے اپنے کو یوں بھی پایا، کہ معلم صاحب  
 اس وقت مزاج و ظرافت سے کام لے رہے ہیں، لیکن ان کے کڑے تیور دن پر  
 جو نظر گئی تو یہ خیال بھی چند لمحوں سے زیادہ نہ قائم رہنے پایا، جی کڑا کر کے جواب  
 دیا، کہ یہ سوال آپ ہم سے کر رہے ہیں؟ ہم تو آپ کے بھروسہ پر چل رہے ہیں، کڑا آپ  
 جہاں ٹھہرائیں گے ٹھہرین گے، اٹے آپ ہم سے دریافت کر رہے ہیں، کہ تم کہاں  
 ٹھہرو گے؟ سبحان اللہ! اور ہم تو دو خیمے اپنے لئے آپ سے ٹھہرا ہی چکے تھے، کیا انکے  
 لئے میں کچھ شک پیدا ہو گیا ہو، جواب گرجتی ہوئی آواز میں ملا، کہ وہ خیمے عرفات او  
 وہاں سے واپسی پر مٹی کے لئے ہیں، آج وہ خیمے نہیں مل سکتے، آج میدان  
 میں شند فون پر رہنا ہو گا، انا اللہ وانا الیہ راجعون، گویا آج سہ پہر سے لیکر کل صبح  
 تک کا وقت، کھلے میدان میں کاٹنا ہی، صرف مرد دن ہی کو نہیں، عورتوں کو بھی



اور کھاسے ہوئے اور حواج ضروری سے فراغت سب کو اسی میدان میں ہزاروں  
 لاکھوں کے مجمع کے سامنے کرنا ہی اور یہ وہ شخص پوری ڈھٹائی اور دیدہ دلیری  
 کے ساتھ کمر ہاتھ جو یہی نہیں، کہ لکھنؤ میں ہم لوگوں کے، اور ہماری عورتوں کے  
 طرز معاشرت سے خوب اچھی طرح واقف ہو چکا ہو، بلکہ جو کل صراحت کے ساتھ  
 خمیوں کا وعدہ بھی کر چکا تھا! — لوگ حیرت سے کہتے ہیں کہ مکہ والوں پر  
 بار بار تباہی و بربادی کیوں نازل ہوتی ہے، کاش وہ دیکھتے کہ خود مکہ والوں  
 کا اللہ کے ہماروں کے ساتھ، غریب الوطن پر دسیوں کے ساتھ تیراؤ کیا رہتا ہو  
 مکہ کا مالک، ساری دنیا جہان کا مالک ہے، اس کے ہاں ہمت ملتی ہو لیکن غفلت  
 اسے کسی حال سے بھی نہیں رہتی!

تو مشو مغرور برحلم خدا      دیر گیر د، سخت گیر دم ترا!

ہندوستان میں بیٹھے بیٹھے جب سفرِ حج کی سختیوں کا خیال آتا تھا تو اس  
 خیالی فہرستِ مصائب و شدائد میں ایک عنوان، اونٹ کی سواری کا بھی ضرور ہوتا  
 تھا تجربہ کے بعد معلوم ہوا کہ اور بہت سے موہوم خطرات کی طرح یہ تخیل بھی بہت  
 مبالغہ آمیز تھا، بہت سی منزلوں کا طویل و مسلسل سفر ممکن ہو تکلیف دہ ہوتا ہوا اسکا  
 تو تجربہ ہوا نہیں، لیکن آٹھ دس میل کے مختصر سفر میں تو کوئی قابلِ ذکر تکلیف نہیں  
 ہوتی، اور جس حد تک ہوتی ہے وہ بھی ناگزیر اور لازمی نہیں، بلکہ اسکا انتظام  
 آسانی سے ہو سکتا ہے، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ شغف کی بندش اچھی ہونی چاہیے  
 اور توازن قائم رہے، توازن اور بندش جتنی اچھی ہوگی، اسی نسبت سے ہلکے سے

کم لگین گئے تکلیف کم ہوگی، اور راحت زیادہ ملے گی، اچھی بندش کے بعد شفقت میں  
لیٹ کر بہ آرام تمام ہونا ممکن ہے، نیند بغیر وقت آجاتی ہے، دوسری ضروری چیز یہ ہے  
کہ اونٹ کے ساتھ چلنے والے جو بد ہوتے ہیں، اور جنہیں جال کہتے ہیں، (یہ سن رکھیے  
کہ یہ لوگ اونٹ کے اوپر سوار نہیں ہوتے بلکہ پیدل اونٹ کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں)  
انہیں خوش رکھا جائے، ان کو خوش رکھنا آسان ہے، بہت تھوڑے سے انعام اور خوش  
سے خوش ہو جاتے ہیں، موٹر کے شو فروں کی طرح ان کے لئے یہ ہرگز ضروری  
نہیں، کہ ان کے ہاتھ میں کم از کم دس پانچ روپیے رکھے جائیں، جب جا کر انکا  
منہ سیدھا ہو، آنہ دو آنہ مین (ہیان ایک آنہ کو قرش کہتے ہیں) یا چند بسکٹون، یا  
شربت یا پانی کے دو ایک گلاس سے، چائے کی ایک دو پیالیوں سے انہیں کافی  
خوش کیا جاسکتا ہے، البتہ یہ ضروری ہے، کہ جو کچھ از خود اور خوش دلی کے ساتھ  
دیدیا جائے، لڑ بھگڑ کر تیور و ن پر بل ڈال کر بڑی سے بڑی رقم بھی بیکار رہیگی،  
تھوڑی سی دلہی اور خاطر داری کے بعد آپ کا جمال آپ کا بندہ بے دام ہو جائیگا،  
دوڑ کر آپ کے لئے پانی اور شربت لائیگا، آپ کا اسباب خوشی خوشی اتار دیگا، سوار  
ہونے میں آپ کو مدد دیگا، شغرت ڈھیلا ہونے لگے گا، تو خود ہی لپک کر اسکو  
درست کر دیگا، غرض ہر حیثیت سے آپکا بہترین رفیق سفر و قادم ثابت ہوگا،

## باب ۲۸ منی قبل ج

لبیٰ اللہم لبیٰ، لبیٰ، لا شکیٰ لک لبیٰ، ان الحمد والنعمة لک والصلٰۃ  
 لا شکیٰ لک، لبیٰ اللہم لبیٰ، لبیٰ وسعدیٰ والحنین بید لک، ۸ روزی الحجہ  
 جمعہ، ۷۰ ہزار ہم لوگوں کو چلنے میں اس قدر تاخیر ہوئی کہ وقت مستحب نکل چکا، ہزار ہا  
 قافلے آگے جا چکے، پھر بھی بہت سے باقی بھی رہ گئے، میں، اور ساتھ ہی ساتھ  
 چل رہے ہیں، ہزاروں انسان پیدل چل رہے ہیں، ہزار ہا اونٹوں پر سوار  
 ہیں، اور ہزار ہا خیرتون اور گدہوں پر، ہر شخص احرام پوش، لمبیک لمبیک کی  
 صدا ہر طرف سے چلی آ رہی ہے، ہم لوگوں کی زبان پر بھی اس وقت یہی کلمے ہوتے  
 تھے، لیکن لا حول ولا قوۃ، اتنے نصیب کہاں تھے، معلم صاحب کی عنایتوں کا  
 چرکا، ابھی دلوں پر تازہ تھا، زبانیں بجائے لمبیک لمبیک کے اپنے اوپر اور اپنے  
 معلم پر لا حول پڑھنے میں مصروف، قافلہ کے آٹھوں اونٹ سولہ سواریوں کو لئے  
 ہوئے، ایک دوسرے کے آگے پیچھے، دو یا تین بدو ہمراہ، ہر اونٹ کے ساتھ  
 ایک ایک شتربان نہیں ہوتا، تین تین چار چار اونٹوں کے لئے بس ایک ہی  
 بدو کافی سمجھا جاتا ہے، ایک اونٹ پر ہم دو فون میان بیوی، ایک پر مولانا

مناظر احسن صاحب اور حکیم عبدالخالق صاحب، اسی طرح دو دو سواریاں باقی  
سب پر، اونٹ پر سوار ہونے کا یہ پہلا تجربہ تھا، جو خوش و خوش پہلے تھی، سوار ہونے  
کے بعد غائب، شغوف اگر اچھے بندے ہوں، تو اونٹ کی سواری خاصی آرام  
دہ ہے، پاکی یا میانہ کی سواری کا سا لطف آتا ہے،

منی کا فاصلہ حرم شریف سے چار میل کا ہے، ہمارے ہاں سے چند فرلاگ  
زائد ہوگا، خوب چوڑا اور کشادہ راستہ ہے، کئی کئی اونٹ ایک ساتھ آسانی  
پہل سکتے ہیں، ایک میل تک تو خاص کمہ ہی کی آبادی پڑتی ہے، اس کے بعد میدان  
شروع ہوا، اور اس کے کوئی دو میل کے بعد منی کے حدود شروع ہو گئے، مکہ کے  
گورنر اور ولیعهد سلطنت شہزاد فہل ابن سعود کا محل، حرم شریف سے بالکل متصل ہی  
تھا، خود سلطان کا قصر منی کے راستہ میں پڑا، اندر کا حال تو معلوم نہیں، البتہ  
باہر سے ہندوستان کے رئیسوں کی طرح خاصی شاندار، پر تکلف و عالیشان  
عمارت، جسے دور خلافت راشدہ کی سادگی سے کوئی دور کی بھی نسبت نہیں!  
آخر دوپہر کا وقت تھا، پیاس خوب زور کی، اور بار بار لگ رہی تھی، پانی کی  
صراحیاں ساتھ میں بھی تھیں، ان کے علاوہ دو پیہ میں صراحیاں بیچے ولے  
لڑکے اور چھوٹی چھوٹی لڑکیاں بھی بکثرت قدم قدم پر اونٹوں کو گھیرے ہوئے،  
اپنی مصعومانہ ادائوں کے ساتھ خوش خوش اپنے سوئے کو بیچنے میں لگے ہوئے،  
اس عام شاہ راہ کے علاوہ، بعد کو سننے میں آیا کہ پیدل چلنے والوں کے لئے  
کوئی اور مختصر راستہ بھی ہے، جس سے فاصلہ بہت کم رہتا ہے، اگر عورتوں کا

جھیل اساتھ میں نہ ہو، اور وقت بھی ذرا ٹھنڈا، یعنی صبح یا شام کا ہو، تو پیدل کا سفر یقیناً زیادہ آرام دہ اور پر لطف رہیگا جب تھک جائے مہمان چاہے دم لے سکتا ہو، چائے، قہوہ، شربت کی دوکانیں بہ افراط روانہ ہونے کے دوپہنے دو گھنٹہ کے بعد مٹی کی آبادی شروع ہو گئی، اور ہمارے جالون نے شروع آبادی ہی میں ہمارے منزل کرا دی،

مٹی کے متعلق تخیل یہ تھا، کہ ویران و غیر آباد، سنان میدان ہوگا، اکثر تخیلات کی طرح یہ تخیل بھی غلط ثابت ہوا، حضور کے زمانہ میں بے شہہ پھیل میدان ہی تھا، اور بعض روایات میں آتا ہے، کہ صحابہ کرام نے جب حضور سے اس کی اجازت چاہی تھی، کہ یہاں ایک مکان بنادیا جائے، تو حضور نے اس درخواست کو منظور نہیں فرمایا تھا، لیکن اب صورت حال بالکل بدل گئی ہے، اب مٹی میدان کا نہیں، پختہ اور بلند مکانات کی ایک مسلسل آبادی کا نام ہے، کہ مکر مہ سے مشرق کی جانب واقع ہے، کسی قدر مائل بہ جنوب، طول تقریباً ڈیڑھ دو میل ہوگا، عرض بھی ایک میل سے کیا کم ہوگا، مکانات، ظاہر ہے کہ سال بھر خالی پڑے رہتے ہیں، ساری پھل پھل اسی ایک ہفتہ کے اندر ہو جاتی ہے، مالکان مکانات کی آمدنی کا یہی زمانہ ہوتا ہے، کر لیے منہ مانگے وصول کرتے ہیں، اگر انسان خدا استطاعت ہے، تو یہاں کے قیام کے لئے مکان ضرور لے لے، خواہ کتنا ہی مختصر ہو، رات تو میدان میں گزر جائے گی، لیکن دن کی لو اور دھوپ میں، بغیر پختہ مکان کے سایہ کے ابھی خاصی تکلیف اٹھانی پڑے گی، جو لوگ مکانات نہیں

لے سکتے وہ خیموں میں رہتے ہیں، جو خیمہ کا کرایہ بھی نہیں دے سکتے، وہ سچارے کھلے میدانوں میں محض اٹھ کے بھروسہ پر گزر کرتے ہیں، ہندوستانی حاجی، اپنے ملک پر قیاس کر کے درختوں اور درختوں کے سایہ کی کوئی توقع ہرگز نہ قائم کریں، پانی انوع واقام کے شربت، دودھ، دہی، قموہ، چائے کی دوکانیں بکثرت، برت اور فالو وہ بھی موجود، کھانے کی دوکانیں کتر، لیکن موجود وہ بھی، لیکن تازہ لگی، لکڑی، کیلا، انار وغیرہ، شاداب و تر و تازہ پھلوں اور میوؤں کی گویا منڈی لگی ہوئی، جو وسط سٹی کے شدید ریگستانی دھوپ میں نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں، بازار اچھا خاصہ لگا ہوا ضرورت کی ہر شے مینا، اور یہ افراط، پانی ولے گھروں اور خیموں پر بھی، مشکون اور ٹین کے کنسٹرڈن میں پانی پہونچا دینے کو حاضر،

ظہر کا وقت آخر ہو رہا تھا، جب مکہ معظمہ سے چلے تھے، عصر کا اوسط وقت گزر چکا، جب مئی پہونچے، کل صبح عرفات کے لئے روانہ ہونا ہی، مسنون طریقہ یہ ہے، کہ ۸ رذی الحج کی ظہر سے لیکر ۹ کی فجر تک، پوری پانچ نمازیں یہاں ادا کرے، اور اسی لئے ۸ کو ہم لوگ مکہ سے صبح سویرے چلنے کی اس قدر عجلت کر رہے تھے، لیکن معلم صاحب کا خدا بھلا کرے، محض انکی عنایت سے ہم لوگ ایسے وقت یہاں پہونچے کہ جمعہ و ظہر کا وقت الگ رہا، عصر کا بھی اول وقت کچھ دیر ہوئی رخصت ہو چکا تھا، خیموں کی طرف سے تو معلم صاحب چلتے وقت مایوس کر ہی چکے تھے، سڑک کے کنارے میدان میں ہمارے شغوف انار کر رکھ دیئے گئے، اور ہم کو حکم ملا کہ اس سہ پہر سے لیکر کل صبح تک کا وقت انھیں شغوفوں کے اندر یا ان کے باہر،

آسمان کی چھت کے نیچے، اور زمین کے فرش کے اوپر بس کرنا ہو! بتیل اور شاد کے سوا چارہ کیا تھا؟ اور صبر و خاموشی سے کام نہ لیتے، تو آخر کرتے کیا؟ یہ بھی عنایت ہو! کہ یہاں سابقہ خود معلم سے نہیں اُن کے لڑکوں اور کارندوں سے پڑا جو فی الجملہ مذہب اور زبان کے بیٹھے تھے، خود معلم صاحب کی شریعت میں مبنی کا قیام غالباً فضول سا تھا، وہ خود آج کر ہی میں رہے، وہ موجود ہوتے تو شاید ہم لوگوں کو زبان کے گناہوں میں کچھ اور مبتلا ہونا پڑتا، بہر حال جس طرح بن پڑا ہم مردوں نے کہیں پڑ تلاش کر کے ضروریات سے فراغت کی، زمانہ قافلہ کے لئے ایک مہربان کا مکان مل گیا، سب خیف جس کی فضیلت حدیثوں میں وارد ہوئی ہو، مبنی ہی میں واقع ہو، حضورؐ نے حجۃ الوداع میں یہیں نماز پڑھائی تھی، بڑی وسیع مسجد ہو، لیکن حاجیوں نے اسے سراپا مسافر خانہ بنا کر ہر طرح گندہ کر رکھا، اور موجودہ حکومت نے شاید مسجد کی صفائی اور احترام قائم رکھنے کو بھی "باعت" سمجھ رکھا ہو! ہماری منزل گاہ سے اس کا اچھا خاصا فاصلہ تھا، اور پھر سڑک پر انبوہ عظیم، سب بڑھ کر اپنی پست ہمتی، پست ہمتوں کو کوئی نہ کوئی بہانہ بجانا چاہئے، بہر حال کسی نماز کے لئے بھی وہاں تک سائی نہ ہو سکی، عصر مغرب، عشاء اور فجر کی نمازین وہیں میدان میں جماعت کیسا تھا ادا ہوئیں، اور رات کو وہیں سوئے، ہزار ہا عرفات کے جانے والے نزات بھر اسی راستے گزرتے رہے، اور مبنی میں قیام نہ کیا، ان اللہ کے بندوں کے نزدیک، رسولؐ کی سنت محبوب پر عمل گویا کوئی معنی ہی نہیں رکھتا!

اس غلطی میں دس بیس، سو پچاس نہیں، ہزار ہا حاجی مبتلا پائے گئے، حالانکہ

مئی میں قیام، اور آٹھویں اور نویں کی ایمانی شبیں شبِ بارشی، تمام اللہ کے نزدیک سبج ہو، قاضی ابن رشد مالکی لکھتے ہیں، کہ سعی کے بعد جس عمل کی طرف حاجی کو متوجہ ہونا چاہئے، وہ یہی ہے، کہ ۸ رکوئی میں آئے، اور شب میں یہاں رہے، اور اس پر چاروں مذہبوں کا اتفاق ہے، کہ امام جماعت کے ساتھ مئی میں ۸ رکوئی عصر، مغرب و عشا کی نمازیں پڑھے، اور ۹ رکوئی امام لوگوں کے ساتھ عرفات آئے، اور یہاں وقوف کرے، البتہ جس کے پاس اتنا وقت نہ ہو، وہ میدھا عرفات ہی کو جاسکتا ہے، (بدایۃ المجتہد جلد اول صفحہ ۱۲۹) اور حقیقہ کی کتابوں میں تو اس کی تصریح موجود ہے، کہ اگرچہ حج، بغیر مئی میں ۸ رکوئی قیام کئے ہوئے بھی ادا ہو جاتا ہے، لیکن مئی میں نہ ٹھہرنے والا ترک سنت کا گنہگار ہوگا، بدایہ میں ہے، ۱۔

اگر نویں شب کہہ ہی میں گزار دی، اور یہاں سے صبح کو عرفات روانہ ہوا، تو حج صحیح ہو جائیگا، اس لئے کہ آج مئی کا قیام مناسک حج میں داخل نہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ترک کرنے کا گناہ گار ہوگا۔

دلو بات بمکتہ لیلتہ صفتہ وصلی لہا  
الجہر دعدہ ۱۲ الی عرفات دہر بمئی  
جزا کہ لا تنکلا یعلق بمئی فی هذا  
الیوم اقامتہ سنت و لکنہ اساء  
بتدک کہ لا قتد اع بر رسول اللہ صلی

اور طحاوی شرح در مختار میں ہے،

۸ رکوئی کی طرف روانہ ہوا، تو وہاں ہر کی صبح تک قیام کرے، اور اتباع سنت میں شب دہن بہر کرے اور اگر ایسا نہ کرے بلکہ وہی کو کہہ سے روانہ ہو تو حج ہو جائیگا لیکن حج سنت کا گناہ ہوگا،

ثامن الشهر خرج الی منی و مکث لہا  
الی فجہر عم فتنہ فینات لہا استسناناً  
فلولہ یحیی حج من مکتہ الالیوم فتنہ  
(جز ۲) و لکنہ اساء لہا لکن السنۃ



شرح باب السک (ملا علی قاری) میں ہے:-

اگر یہ شب کہہ ہی میں گذاری، تو یہ جائز ہو لیکن  
مخالفت سنت کا گناہ ہوا،

وان بات بمكة تلك الليلة جائز  
اساء لترك السنة،

اور قراوی قاضی خان میں ہے:-

اگر وہ کی شب بجائے منی کے کہہ ہی میں گذاری  
اور وہ کو وہاں سے عرفات کے لئے روانہ ہوا،  
تو یہ سنت کے مخالفت ہے،

ولو بات بمكة وخروج منها يوم  
عمرة الى عرفات كان مخالفا  
للسنة،

معلوم ہوتا ہے، یہ دستور کچھ عرصہ سے چلا آ رہا ہے، صاحب رد المحتار (شامی) کو  
اپنے زمانہ میں لکھنا پڑا:-

اور اس زمانہ میں لوگوں نے جو یہ طریقہ نکالا ہے،  
کہ عرفات میں رہ ہی کو آجاتے ہیں (اور منی کو چھوڑ  
جاتے ہیں) سو یہ طریقہ مخالفت ہو سنت کے، اور ایسا  
کرنے سے بہت سی سختیں فوت ہو جاتی ہیں، مثلاً  
منی کی نمازیں وہاں کی شب باشی وغیرہ،

واما ما يفعلہ الناس فی هذه الاثر  
من دخولهم بامرض عرفات فی اليوم  
الناس فخطأ مخالف للسنة وليهو  
بسبب سنن كثيرة منها الصلوات  
بمنی

بڑی حسرت و قلق کا مقام ہے، کہ انسان اتنی محنت اور اتنا صرف گوارا کر کے  
حج کو جائے، اور ایک تھوڑی سی تن آسانی کے خیال سے اتنی بڑی فضیلت کو  
چھوڑ دے،

منی کے لئے کوئی خاص عبادت یا کچھ مخصوص دعائیں، واجب نہیں، البتہ

تعدد دعائیں ماثور اور ان کی فضیلتیں منقول ہیں، مکہ سے منی کے لئے روانہ ہوتے وقت  
 سب یہ ہو کہ لبیک پکارنے کے ساتھ لا الہ الا اللہ بھی پڑھتا رہے، اور جو دعائیں  
 چاہے مانگے، اور راستہ میں استغفار اور درود شریف کی جتنی کثرت رکھ سکے، بہتر ہے  
 جس وقت منی نظر آنے لگے، اس وقت یہ دعا پڑھے، ۱۔

اللھم ہدی منی فامن علی بھا | اے اللہ یہ منی ہی، تو بچہ پروردہ احسان کر، جو تو نے  
 محنت بہ علی اولیاءک | اپنے دوستوں پر کئے ہیں،

نویں شب برکت والی شب، منی کا مقام برکت والا مقام ہی، چاہئے کہ شب  
 جب قدر بھی ہو سکے دعائیں پڑھتا رہے، استغفار کرتا رہے، اور لبیک کہتا رہے بعض  
 روایات میں آتا ہے کہ حضور انورؐ نے فرمایا ہے، کہ اسی شب کو منی میں جو شخص ایک ہزار  
 بار یہ دعا پڑھے، وہ اپنی جو مراد اللہ سے مانگیگا، اسے ملی گی۔ ۱۔

سبحان الذی فی السماء	پاک ہو وہ ذات جبکہ عرش آسمان میں ہو،
سبحان الذی فی الارض موطئہ	پاک ہو وہ ذات زمین جبکہ قدون کے نیچے ہو،
سبحان الذی فی البحر سبیلہ	پاک ہو وہ ذات جبکہ راستہ سمندر میں ہو،
سبحان الذی فی الناس سلطان	پاک ہو وہ ذات جبکہ حکومت آگ پر ہو،
سبحان الذی فی الجنۃ رحمۃ	پاک ہو وہ ذات جبکہ رحمت جنت میں ہو،
سبحان الذی فی القبر قضاء	پاک ہو وہ ذات جبکہ حکم قبر میں جاری ہو،
سبحان الذی فی الهواء روحہ	پاک ہو وہ ذات جبکہ بنائی ہوئی روح ہوا میں ہو،
سبحان الذی رفع السماء	پاک ہو وہ ذات جس نے آسمان کو بلند کیا،
سبحان الذی وضع الارض	پاک ہو وہ ذات جس نے زمین کا فرش بنایا،

سبحان اللہی لا ملجاء ولا منجاء

پاک ہودہ ذات کہ جس کے سوا نہ کوئی پناہ ہو

الہیہ

نہ نجات

مئی میں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر تین شیطانوں کی علامتوں کے طور پر تین آدم  
سفید ستون سے پتھر کے کھڑے ہوئے ہیں ہمارے معلم صاحب نے اپنے غایت کرم سے  
ہمارے قافلہ کو عین اس جگہ اتارا، جہاں درمیانی شیطان نصب تھا، گویا اللہ کے  
گھر کے ہمان پوری ایک شب شیطان کے ٹھیک پڑوس میں مقیم رہے، ایسے مقدس  
پڑوس میں اللہ سے مناجات کا موقع تو کیا ملتا، یہی غنیمت ہو کہ شیطان مردود  
پر لا حول بھیجے، مین اگر کچھ وقت صرف ہوتا رہا ہو!

معلم اور مجال، جس طرح اپنی شرارت سے مئی میں حایوں کو لاتے بہت دیر  
میں ہیں، اُسی طرح یہ کوشش بھی برابر جاری رہتی ہو کہ جس قدر جلد ممکن ہو یہاں  
سے لے بھی جائیں، چنانچہ ہمارے قافلہ سے بھی یہی اصرار شروع ہوا، کہ پچھلی شب  
میں عرفات کے لئے کوچ کر دینا ہوگا، گویا مئی میں پانچ نمازوں کے ادا  
کرنے کی سنت ہو، جس طرح ۸۔ کو نماز ظہر کے ترک کی محرومی ہو چکی تھی، اسی  
طرح ۹۔ کو نماز فجر سے بھی محرومی ہو جائے، لیکن ہم لوگوں نے اتنے سویرے  
روانہ ہونے سے قطعی انکار کیا، عبدالقادر سکندر خود ہوتے تو یقیناً بات بڑھتی  
لیکن ان کے لڑکوں اور کارندوں میں فی الجملہ انسانیت تھی، کچھ دیر بعد جب  
آفتاب اچھی طرح بلند ہو لیا، یعنی ہندوستان کی گھڑیوں کے حساب سے کوئی  
سات ساڑھے سات کا وقت ہوگا، اس وقت ہمارا قافلہ روانہ ہوا، میدان

عرفات مکہ معظمہ سے ٹھیک جانب مشرق کوئی ۱۶۱۵ میل کے فاصلہ پر ہے جس سے  
 اس کا فاصلہ کوئی ۱۰۰۰ میل ہوگا، اور یہاں سے شمال مشرق میں ہی سنا تھا، کہ عرفات  
 میں پانی کی بہت قلت رہتی ہو، پانی کم ملتا ہو، خراب اور گندلا ملتا ہو، اور بہت گراں  
 قیمت پر ملتا ہو، یہاں تک کہ بعض غریب غربا کو پیاس کی شدت سے ہلاکت کی نوبت  
 آجاتی ہو، یہ ڈر ادنیٰ روایتیں سنکر صراحتاً ان پانی سے بھر بھری گئیں، اور ناشتہ  
 کے لئے بسکٹوں کے ڈبے مکہ ہی سے ساتھ لے لئے گئے تھے، آج کا دن خاص فضیلتوں  
 اور برکتوں، رحمتوں اور نوازشوں کا دن ہو، راستہ میں جس قدر بھی ہو سکے تلبیہ  
 و تکبیر اور دو استغفار جاری رہنا چاہئے، سعادت کی یہ گھڑیاں اگر عمر میں ایک بار  
 بھی نصیب ہو جائیں تو خوش نصیبی ہو، — لیجئے عرفات کے حدود شروع ہو گئے  
 ایک لوق و دق میدان ہبصرون کا اندازہ ہے کہ دس میل مربع سے کیا کم ہوگا  
 جہاں تک نظر کام دیتی ہو، میدان ہی میدان اور ارد گرد پہاڑیاں، اونٹوں  
 کی تعداد حساب و شمار سے خارج، اونٹنیوں کا گویا ایک جنگل لگا ہوا، ہر طرف نیچے  
 ہی نیچے، جن کو خمیہ کی استطاعت نہیں، انھوں نے معمولی چادرین تان رکھی ہیں  
 بعض جگہ یہ بھی نہیں نصیب، پیارے دھوپ میں پناہ لینے کے لئے شاذ فون کے  
 نیچے گھسے ہوئے دوپہر سے کچھ قبل کوئی گیارہ، پونے گیارہ کا وقت ہوگا، کہ ہلوگ  
 پہونچ گئے،

## باب ۲۹

### عرفات منبر (۱)

جج کسی مفرد عمل کا نام نہیں، ایک طویل مسلسل مجموعہ اعمال کا نام ہے، جنہیں کچھ فرائض ہیں اور کچھ واجبات، کچھ سنن ہیں اور کچھ مستحبات، اس مجموعہ کا سب سے اہم جز یہی ۹ ذی الحجہ کو عرفات کی حاضری ہے، جسے اصطلاح میں وقوف عرفات کہتے ہیں (وقوف کے لفظی معنی ٹھہرنے کے ہیں)، کسی شخص نے اگر اور سارے اعمال و مناسک ادا کر لئے، اور آج کی تاریخ میں عرفات کی حاضری خدا نخواستہ کسی سبب سے رہ گئی، تو سرے سے حج ہی رہ گیا، دوسرے سال حج کر کے اس قصہ کو ادا کرنا ہوگا، آج کی تاریخ، دنیا کی تاریخ میں وہ اہم تاریخ، اور عرفات کا میدان روئے زمین کے مقامات میں وہ اہم مقام ہے، کہ دین خداوندی کے جامع و مکمل ہونے اور اسلام کے آخری اور کامل پیام ہدایت ہونے کے باضابطہ اعلان کے لئے، اسی سرزمین اور اسی تاریخ کا انتخاب فرمایا گیا، اور آج اودہیں ہمیشہ کے لئے اور ہر قوم کے لئے اس فرمان کی منادی کی گئی کہ الیوم اکملت لکم دینکم و درتمت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام مدینا، ایک صحابی طارق بن شہابؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے سیدنا عمر فاروقؓ سے کہا

کہ اگر ہمارے اوپر کمین یہ آئے کریمہ نازل ہوئی ہوتی تو ہم نے تو اس کے یوم نزول کو روزِ عید قرار دے لیا ہوتا، آپ نے فرمایا، کہ مجھے یاد ہو کہ یہ آیت کب نازل ہوئی تھی، وہ رات جمعہ کی رات تھی، (اور وہ دن عرفہ کا دن تھا) اور ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ عرفات میں حاضر تھے! (سنن نسائی) یہ کہہ کر آپ نے گویا یہ ارشاد فرمادیا، کہ وہ دن ہماری سب سے بڑی عید کا تو تھا ہی، کسی اور جشن کے مقور کرنے کی کیا حاجت؟

آج کی رحمتیں بے حساب ہیں، اور آج وہ دن ہو، کہ شیطان آج سے زیادہ حقیر و ذلیل، مایوس، پریشان اور کبھی نہیں ہوتا،

حضرت طلحہؓ نے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان عرفہ کے دن سے زیادہ پست اور بے اعتبار اور حقیر اور پریشان کسی دن نہیں دیکھا گیا، اور یہ سب اس لئے کہ آج ڈانڈ کی رحمت کے نزول اور بڑے بڑے گناہوں سے اس کے عفو و مغفرت کو دیکھا ہو، البتہ سوا ایک روز بزرگ کے (کہ اس روز بھی وہ ایسا ہی پریشان و مایوس ہوا تھا)

عن طلحة بن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال  
ما ساء لي الشيطان يوماً هو فيه أصغر  
كلاماً ودميراً أحقماً كلاماً خيظاً منه  
في يوم عرفته، ما ذللت إلا لما  
سألت من الله من رحمة وتجاود من الله  
عن الذنوب العظام إلا ما سألت يوم  
البدن

(موطاء، امام مالکؒ)

آج کی رحمتوں کی نہ کوئی حد ہے نہ حساب، نہ کوئی اندازہ ہے نہ پیمانہ، بڑے سے بڑے مجرم آج رہا کئے جاتے ہیں، سب کو عفو عام کی بشارت ہوتی ہے، اور

جو ہمہ رحمت و مہمت اور ہمہ شفقت و مغفرت ہو، اس کی تجلیات، امت کے بڑے سے بڑے تباہ کار کو بھی اپنے آغوش میں لے لیتی ہیں، اور اسی کو وہ مولیٰ اپنے بندوں کے قریب اپنے آجانے سے تعبیر کرتا ہو، اور بندوں نے تو اپنے مالک پر خدا معلوم کتنی بار غر کیا، اسی ہو گا، آج وہ دن ہے کہ خود مالک اپنے بندوں پر غر کرتا ہو

حضرت مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی دن ایسا نہیں، جس میں اللہ بندوں کو آگ سے اتنا آزاد کرتا ہو، جتنا عرفہ کے دن کرتا ہو، اور اللہ تعالیٰ قریب ہو جاتا ہے، اور بندوں کا حال فرشتوں پر ظاہر کر کے غر کرتا ہے، اور فرشتوں کو قائل کرنے کے لئے، پوچھتا ہو کہ یہ بندے کس ارادہ سے جمع ہوئے ہیں؟

آج اور یہاں رحمت الہی سے مایوسی کفر ہو، اور آج اس سے بڑھ کر ناشکر اور گنہگار کوئی نہیں، جو یہاں کی حاضری کے بعد بھی یہ سمجھتا ہو، کہ اس کے نامہ اعمال کی سیاہیاں رحمت و مغفرت کی یارش سے دھل کر نہیں رہیں، سچے کا ارشاد ہے

سب سے بڑھ کر گنہگار وہ ہے جو عنفات میں وقوف کرے اور چہرہ بھی یہ سمجھے کہ اللہ نے اُس کی مغفرت نہیں فرمائی!

عن عائشة ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما من يوم الا اكثر من ان يعتق الله عن وجهي عبدًا من الناس من يوم عرفه وانہ ليد نوثر بياہی بھم الملكة فيقول ما اساء هو لا ع (صحیح مسلم)

اعظم الناس ذنباً من وقف بعرفة فظن ان الله لم يغفر له،

آج کا دن دعا و مناجات، توبہ و استغفار، الحاح و زاری، جھکنے اور گر گزرتے کے لئے مخصوص ہے، جتنا اور جہاں تک ممکن ہو، وقت اسی میں لگایا جائے، جو کچھ مانگنا ہو، اپنے رب سے مانگے، مانگے اور مانگتا جائے، بے حساب مانگے، اور بے مکان مانگے، جب وہ ہمہ جو و و کرم اور ہمہ بخش و عطا، بے حساب دینے اور دلانے، بخشنے اور لٹانے پر آجائے، تو خاک کا پتلا، جو ہمہ فقر و ہمہ طلب، ہمہ احتیاج و ہمہ درماندگی ہے، مانگنے اور طلب کرنے میں کوئی کسر کیوں اٹھا رکھے، اور دین و دنیا کی نعمتوں کا کوئی اربان اور کوئی حوصلہ اپنے دل میں کیوں رہنے دے! افضل الدعاء دعا یوم عرفة، عرفات کی دعائیں دعاؤں سے بڑھ کر ہے، یہ اس کا ارشاد ہے، جو سب زیادہ دعائیں کرنے والا تھا، اور جسکی دعائیں سب سے زیادہ قبول ہونے والی تھیں، آج کے لئے کسی خاص دعا کا حکم نہیں، جو چاہے مانگتا رہے، البتہ ان کلمات کی بڑی فضیلت آئی، ہو، لا الہ الا اللہ، دعاء کاشعیت لذلہ الملک ولہ الحمد یحییٰ و یمیت و ھو حی و یموت، بیدار الخیر و ھو علی کل شیء قدیر، جہاں تک ہو ان کلمات کو حضور قلب کے ساتھ بار بار پڑھتا رہے، اور تلبیہ بھی ابھی موقوف نہیں ہو اپنے لبیک لبیک بھی برابر پکارتا رہے، بعض کتابوں میں یہ بھی منقول ہے، کہ جب عرفات کو آئے لگے، تو راستہ میں یہ دعا پڑھتا ہوا آئے :-

اللھم المیت تو سبھت و علیک کو	اے اللہ میں نے اپنا منہ تیری طرف پھیراؤ
و وجھتک آسودت فاجعل ذنبی مغفواً	تیرے اوپر بھروسہ کیا، اور تیری توجہ کی طلب کر
و تجی منبر دسرا و ام جہنمی کو کما تجتنبی و	پس میرے گناہوں کو معاف کر اور میرے گناہ کو
یاسر کنی فی مسقری و اقض بعتی	قبول کر، اور مجھ پر رحم فرما، اور مجھے محروم نہ کر



حاجی اذنت علی کل شیء قد یر

میرے سفر کو مبارک بنا، اور عرفات میں میری

حاجت پوری کر، تو ہر شے پر قدرت رکھنے والا

اور عرفات میں داخلہ کے وقت اس ذکر کا سبب ہونا تو اوپر گزر ہی چکا ہے، سبحان  
اللہ والحمد للہ، لا الہ الا اللہ واللہ اکبر خود سرور کائنات صلی علیہ وسلم کی زبان مبارک  
سے عرفات میں کسی دعا کے الفاظ حدیث کی چھ مشہور و مستند کتابوں میں تو درج نہیں  
البتہ ایک طویل دعا بعض اور حدیث کی کتابوں میں منقول ہے، جو اردو خوان طلبہ  
کو مع ترجمہ کے، مولوی منور الدین صاحب دہلوی کی کتاب الحج والزیارۃ (فتاویٰ)  
عثمانی، جلد ۶) میں ملجائیگی، کتب مناسک میں متعدد دعائیں لکھی ہوئی ہیں،

وقوف عرفات کا وقت، مذہب حنفیہ میں اور کوزوال آفتاب سے شروع ہوتا  
ہے، اور حنفیہ ہی کی بعض کتابوں میں ہے، کہ امام مالکؒ کے نزدیک وقت وقوف بطح  
آفتاب شروع ہو جاتا ہے، لیکن خود قاضی القضاۃ ابن رشد مالکیؒ لکھتے ہیں کہ:

اس پر سب ائمہ کا اتفاق ہے، کہ اگر کوئی عرفات

میں قبل زوال وقوف کرے، اور قبل زوال

ہی وہاں سے روانہ ہو جائے، تو اس کا ثناء

وقوف میں نہ ہوگا،

والجملہ علی ان من وقف بعرض قبل

الزوال داخل فیہا قبل الزوال

لہذا یعتد بوقوفہ ذلت

(بدایۃ المجتہد، جلد اول، ص ۲۸۱)

بہر حال حاجی کو چاہئے، کہ دوپہر تک یا اس کے قبل یہاں پہنچ جائے، اور بہتر ہے  
کہ اس وقت غسل کرے، ورنہ وضو بھی کافی ہے، اس کے بعد مسجد نمروہ میں، جس کا  
دوسرا نام مسجد ابراہیم بھی ہے، اور جو منی سے آتے ہوئے عرفات کے شروع ہی

میں پڑتی ہو، حاضر ہو جائے، امام کو چاہئے کہ جون ہی زوالِ آفتاب ہو، منبر پر آ بیٹھے  
 اور مودن اس کے سامنے اذان دے، جیسا کہ نماز جمعہ میں ہوتا ہے، اب امام دو  
 خطبے دیگا، جس میں مناسک حج کی تعلیم تفصیل ہوگی، اس کے بعد اقامت اور ظہر کی چار  
 فرض رکعتیں، امام کے سلام پھیرنے پر، سنا بعد، بغیر نوافل وغیرہ کا وقت دیئے دوسری  
 اقامت ہوگی، اور اسی وقت اپنے عام و معمولی وقت سے بہت قبل نماز عصر کی چار رکعتیں  
 جماعت کے ساتھ پڑھی جائیں گی، اور بس اس کے بعد سے شام تک دعا و مناجات تسبیح  
 و استغفار کے لئے، اطمینان و مکیسوی کے ساتھ سارا وقت ہی وقت پڑا ہوا ہو، عرفات  
 میں روزہ رکھنا بہتر نہیں، بلکہ خلافِ سنت ہے، البتہ غذا اگر ملے اور مختصر رکھی جائے  
 تو بہت مناسب ہے، تاکہ گرانی اور ضعف و دونوں سے امن رہے، اور اپنے مشاغل  
 کے لئے پوری فرصت نصیب رہے، دو نمازون کا ایک وقت میں جمع کر کے پڑھنا  
 حنفیہ کے نزدیک صرف آج ہی جائز اور مستحب ہے، اس پر دوسرے حالات و اوقات کو  
 قیاس نہیں کر سکتے، مسجد تک پہنچنا، خصوصاً اگر قیام گاہ دور ہے، اور گرمی کا موسم  
 ہے، ہر ہمت کا کام، ہر شخص کے لئے پہنچنا اور جماعت میں شریک ہونا ممکن نہیں،  
 ہزار ہا آدمی اپنے اپنے خیموں ہی میں نماز پڑھ لیتے ہیں اور یہ بالکل جائز ہے، منفرد  
 اگر جماعت میں نہ شریک ہو سکا، اور خیمہ ہی میں نماز پڑھ رہا ہو، تو امام ابو حنیفہؒ کے  
 قول کے مطابق اُسے ظہر اور عصر کی نمازیں الگ الگ اپنے معمولی وقتوں پر پڑھنا  
 چاہئے، مگر صاحبین (امام محمدؒ و ابو یوسفؒ) کا فتویٰ اس کے برعکس یہ ہے کہ اسی صورت  
 میں بھی دونوں نمازون کو جمع تقدیم کے ساتھ پڑھ لینا چاہئے، فقہ کی کتابوں میں  
 دونوں مذہبوں کے جو دلائل منقول ہیں ان سے تو امام ابو حنیفہؒ ہی کا قول زیادہ

مضبوط دلیل معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم وعلیہ السلام

حج کا فرض اتر جانے کے لئے عرفات کی محض حاضری کافی ہے خواہ انسان کچھ بھی نہ کرے یہاں تک کہ اگر سو رہا ہو، یا بے ہوشی کی حالت میں، اور کوئی اسے چند لمحوں کے لئے میدان عرفات سے آج کے دن گزاردے، تو بھی اس کا حج ہو جائیگا۔ لیکن ظاہر ہے کہ اپنے قصد و ارادہ سے آج کی قیمتی گھڑیوں کو ضایع کرنا کون شخص گوارا کرے گیگا، سرور کائنات (صلعم) نے اس میدان میں اور آج کے دن جو دعا کی ہے، اسکا نقشہ حضرت ابن عباسؓ ان الفاظ میں کھینچے ہیں۔

میں نے حضورؐ کو عرفات میں اس طرح دعا مانگنے  
ہوئے دیکھا، جیسے کوئی بھوکا مسکین اپنا ہاتھ کسی  
سخی داتا کے آگے پھیلانے ہوا!

سہایت علیہ السلام مرید و صحابہ  
یہ ۱۰۰ الی صدہ ۷۰ کا مستطعم  
المسکین،

جب رسول معصوم کا یہ حال تھا، تو امت کے یہ کارون اور تباہ حالون کو اسدن اور اس جگہ اپنا کیا حال رکھنا چاہئے؟ اسحاح و متضرع، خشوع و خضوع کا کوئی دقیقہ آج اٹھا رکھنا چاہئے؟ اپنے گناہوں کو یاد کر کے اگر آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں، تو کیا پوچھنا، لیکن اگر روانہ آئے، تو اس پر زیادہ حسرت بھی نہ کرنا چاہئے۔ رسول اللہ (صلعم) کے متعلق یہ کسی روایت میں نہیں ملتا کہ دعا کے وقت چشم مبارک سے آنسو بھی جاری تھے، جہاں میدان ختم ہوتا ہے، وہاں ایک سمت ایک اونچی پہاڑی ہے، اس کا نام جبل رحمت ہے، سرور کائنات (صلعم) نے اسی کے نیچے وقوف کیا تھا اور یہیں اونٹنی پر سوار ہو کر حجۃ الوداع کا مشہور و معروف خطبہ ارشاد فرمایا تھا اور وقت

اور موقع اعظم ہی مقام کہلاتا ہے، جیل رحمت کے نیچے بڑے بڑے سیاہ پتھر بہت سے ڈھیر ہیں، اگر جگہ مل جائے، اور بہت ہو، تو ہمیں کہیں بیٹھ کر فراغت و کمیوں کی کیا حد دعا و مناجات میں مشغول ہو جائے، سہ پہر کے وقت امام ہمیں آتا ہے، اور قبلہ رخ، انوش پر سوار ہو کر خطبہ پڑھتا ہے، دو دعائیں مانگتا ہے، لوگوں کو بھی چاہئے کہ دعا کے وقت حتیٰ کان قبلہ رخ ہی رہیں، اگر امام کے قریب پہنچ سکیں، تو افضل ہے، ورنہ جہاں کہیں بھی ہوں، وہیں اپنے کام میں لگے رہیں، سارا میدان عرفات بحرِ وادیِ عرنے کے جو منجہ سے مقبل ہے، موقع ہی موقع ہے،

امام غزالی، احوالِ عرفات کے ذکر میں فرماتے ہیں کہ:-

اور دعا بمانعہ کند کہ سر سراج اجتماع	اس وقت خوب جی لگا کر دعا کرے، اور راز کا
دہا و ہمتاے عزیزانِ مست درین وقت	یہ ہے کہ اس وقت کیسے کیسے مقبول و برگزیدہ بنے
شریعت،	ایک ساتھ دعائیں لگے ہوتے ہیں !

اللہ اللہ! یہ عرفات کا لوق و دوق دیرانہ، جو نہ انسان کے بسنے کے لایق ہے، نہ حیوان کے، اور جہاں سال بھر انسانی آبادی تو الگ رہی، پرندہ پر بھی نہیں مارتا، دم کے دم میں، آن کی آن میں، کیا سہ کیا ہو جاتا ہے! دن بھر کے لئے ہیکڑوں کا نہیں، ہزاروں کا نہیں، لاکھوں کی آبادی کا ایک عظیم الشان شہر آباد ہو جاتا ہے! ان میں بوڑھے بھی اور جوان بھی، بچے بھی اور عورتیں بھی، شہزادہ پہلوان بھی، اور لب مرگ کمزور و ناتوان بھی، گورے بھی کالے بھی، سانڈے بھی پیلے بھی، مشرقی بھی مغربی بھی، جنوبی بھی شمالی بھی، عالم بھی عامی بھی، امیر بھی فقیر بھی، عابد و زاہد بھی، فاسق و فاجر بھی!

اور یہ سارا جمع کیون آپ ہی آپ اکٹھا ہو رہا ہو؟ کوئی دھچپ تماشہ ہونے والا ہو؟  
 کوئی بزم مشاعرہ ہو؟ کوئی ہنسنے ہنسانے والی نقل دکھائی جائیگی؟ کوئی گھوڑو  
 ہے؟ پلو ہو؟ ہاکی یا فٹ بال کا میچ ہے؟ رستم دوران گامان پہلوان کی کشتی کا  
 دنگل ہو؟ تجارتی مصنوعات کی نمائش ہو؟ ڈربی سویپ (SWEEP) ہے؟  
 گھوڑوں اور ہاتھیوں کا بازار لگنے والا ہے؟ کسی کا نفوس، کسی کا نگرہیں کا افتتاح  
 ہے؟ کسی کا کچر ہونے والا ہے؟ کسی درگاہ پر عرس ہو رہا ہے؟ کسی دیہی دیوتا کی  
 پوجا ہونے والی ہو؟ کوئی گنگا نشان ہو؟ کوئی کبھی میلا ہو؟ بجز ایک اللہ کی عبادت کے  
 بجز ایک اللہ کے حکم کی تعمیل کے، بجز ایک اللہ کے نام پر مرثیے کی تمنا کے، اور کوئی  
 شے ان ہزار ہا بندوں کو ان لاکھوں کلمہ گو یوں کو یہاں اس تپتی ہوئی ریت میں  
 گھسیٹ کر لائی ہو؟ جمع دینامین اور بہت سے ہوتے رہتے ہیں، میلے ٹھیلے اتنا معلوم  
 کئے ہوتے رہتے ہیں، کھیل تماشوں میں ٹھٹ کے ٹھٹ ہر جگہ لگ جاتے ہیں، لیکن  
 اللہ کے نام پر جمع ہونے والوں کا، لبیک لبیک کی رٹ لگا کر اللہ کا نام جینے  
 والوں کا اور شخص بن دیکھے مولاد مالک کے آگے روٹنے اور گڑ گڑانے، جھپکنے اور  
 گرنے والوں کا اتنا بڑا جمع، دریاؤں اور سمندر وں کو پار کر کے، پہاڑوں اور  
 پہاڑیوں کو پھانڈ کر کے، دنیا کے طول و عرض میں کہیں، اور وقت کے کسی حصہ  
 میں کبھی بھی ہوتا ہو؟ دعائیں، ان اللہ والوں کی نہ قبول ہونگی، تو اور کس کی  
 ہونگی؟ بے حساب رحمتوں اور بے شمار برکتوں کا نزول اُن کے سر وں پر نہ ہوگا  
 تو اور کس پر ہوگا؟ مشہور ہے کہ آدم علیہ السلام کی توبہ اسی مقام پر اور آج ہی کے  
 دن قبول ہوئی تھی، یہ روایت صحیح ہو یا نہ ہو، لیکن بہر حال نبی آدم اپنے گناہوں

کے تجلّی کے لئے آج سے بہتر تاریخ اور یہاں سے بہتر سرزمین اور کون سی ڈھونڈ سکتا ہے؟

دنیا کی کوئی قوم، روئے زمین کا کوئی مذہب اس خالص توحید و خدا پرستی کے عظیم الشان مظاہرہ کا نمونہ پیش کر سکتا ہے؟ کسی نے کبھی پیش کیا؟ کوئی آج نہیں پیش کر رہا ہے؟ کوئی آئندہ کبھی پیش کرے گا؟ تبوں کے بندے بے شمار حرص و ہول کے پرستار لا تعداد سیر و تماشے کے سودا ئی بے گنتی، لیکن دنیا آئے، پار کون اور سبزہ زاروں کی سیر کرنے والی دنیا آئے، بازار دن اور نائش گاہوں کی گشت لگائی نوالی دنیا لے، عجیبان اور چڑیا خانوں میں وقت گزارنے والی دنیا آئے، اور اس بیسویں صدی عیسوی میں کیا ذرا اللہ کی فوج کے ان سپاہیوں کو اپنے رکے ان ستون اور دیوانوں کو دیکھے، کہ اس جھللاتی دھوپ میں تپتی ہوئی ریت کے اوپر نیلے سر اور پسینے میں شرابور مٹی میں اٹے ہوئے، اور خاک میں لٹھڑے ہوئے، کس کس طرح جھک جھک کر اور گر کر، اور گر کر اور گر کر اڑ کر گڑا گڑا کر اپنے ان دیکھے مولاد مالک کے آگے، مانگنے اور بھیجک مانگنے کے لئے، کن کن آرزوؤں اور تمنائوں کیساتھ، کس عجز و شوق و اشتیاق کیساتھ اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہیں ادعائیں انکی نہ قبول ہوگی تو کس کی قبول ہوگی؟ جو کچھ مانگیں گے ملے گا، جو سوا ہوگا، پورا ہوگا، لیکن اتنا کرم تو دنیا کے کریم بھی کر دکھاتے ہیں، انھیں تو وہ ملے گا، جو انکے وہم و خیال میں بھی نہیں، یہ تو وہ پائین گئے جیسا سوال ان کے ذہن میں بھی نہیں اور نور کے بنے ہوئے فرشتے ظلوم و جہول انسان کی اس طاعت و اطاعت

پر دنگ رہ جاتے ہیں، انھیں دکھایا جاتا ہے اور جنھوں نے کبھی کہا تھا کہ انسان رسوا

ہے اللہ عزوجل انی سماء الدینا  
بہم الملائکۃ یقولون عبادی

جاؤنی شمشادیں اور جوتی دیکھاؤں	برقہ و فساد ہی کر گیا، انہیں دکھا دکھا کر عزت
عنابی و لعلیرونی فکیف لو اسرونی،	کی ماضی دینے والوں پر غر کیا جاتا ہے

اور رکھا جاتا ہے، کہ دیکھو، خاک کے پتلون کا ذوقِ جمین سائی دیکھو، آج جب اپنے  
کو اتنے مجاہدات میں رکھا ہو، اس وقت تو ان کی تناسے دیدار اور دیوانگی کا یہ حال ہو  
پھر جس وقت مجاہدات اٹھ جائیں گے، اس وقت اس شمعِ رخ پر یہ پردے کسے اُڑا  
مستی و دیوانگی سے گرین گے!

## باب ۳۰

### عرفات (۲)

(لکھو کھاکے مجمع میں لوگ سب ہی طرح کے ہیں، ہر مزاج، ہر مذاق، ہر مرتبہ کے نمونے موجود ہیں، ہزاروں ایسے ہیں، جو عرفات کی حاضری کو ایک طرح کی تنقید کی تقریب سمجھتے ہوئے ہیں، اور چالے پیٹے پلانے کی دعوتوں میں مصروف ہیں، بیکروں ہزاروں ایسے ہیں، جو سو سو کر اپنا وقت کاٹ رہے ہیں، کہیں کہیں دگین چڑھی ہوئی ہیں، اور اعلیٰ درجہ کی بریائی اور پلاؤ کا سامان ہو رہا ہو، پھر بھی ہزاروں بندے اللہ کے ایسے بھی ہیں، جو وقت کی قدر و قیمت کو پہچانے ہوئے، اور مقام کی اہمیت کو پوری طرح جانے ہوئے، اس دوپہر کی ایک ایک گھڑی، اور اس سہ پہر کا ایک ایک لمحہ اپنے رب کے آگے ہاتھ پھیلانے اور پیشانی رگڑنے، روئے اور گڑ گڑانے، استغفار و مناجات کرنے میں بسر کر رہے ہیں! انھیں میں کیسے کیسے مقبول و برگزیدہ ہوں گے، کیسے کیسے اپنے رب کے پیارے ہوں گے، کیسے کیسے فخلص متقی ہوں گے، قطب ہوں گے، ابدال ہوں گے، اولیا ہوں گے، کالین ہوں گے، انکی دعائیں کیا تنہا اپنے نفسوں کے لئے ہوں گی؟ ان کے رب کی رحمتوں کا نزول کیا صرف انھیں کے لئے ہوگا؟ اللہ اور اللہ والوں سے تنگ دلی کی بیگانی



نعموزِ بابت آج تو وہ دن ہے کہ کسی کا کریم بے حساب اور رحمت بے پایان  
اپنے سایہ دامن میں لے لینے کے لئے حیلہ ڈھونڈتی ہوتی ہے، اللہ والوں کی  
سفارش سے بڑھ کر اور کیا حیلہ ہوگا، ان مقبولوں کے طفیل میں خدا معلوم  
کتنے غیر مقبول آج مقبول بنجائے ہیں، اور کتنے غفلوں اور تہیستوں کا  
شمار آج سرمایہ داروں میں ہونے لگتا ہے! کریم جب دینے پر آئے، اور کریم کے  
در کے بھکاری مانگنے میں کمی نہ کریں، تو داد و دہش کی کمی، اہل و نااہل کس نہا  
حقدار اور بے حق، کھرے اور کھوٹے، سب ہی اپنی اپنی قسمتوں کے حصہ کے  
مطابق نعمتوں سے سرفراز اور دولتوں سے مالا مال ہو رہے ہیں!

صوفیہ کے تذکرہ میں آتا ہے کہ علی بن موفیؒ ایک بہت قدیم بزرگ گزرے  
ہیں، حج کے لئے حاضر ہوئے، نوین شب میں منیٰ میں خواب دیکھا کہ دو فرشتے  
باہم گفتگو کر رہے ہیں، ایک نے دوسرے سے پوچھا، کہ اب کی کتنے حاجی آئے  
جواب ملا، کہ ۶ لاکھ، پھر پوچھا، کہ حج مقبول کتنوں کا ہے؟ جواب ملا، کہ ۶  
لاکھ میں کل چھ! ہول و دہشت سے آنکھ کھل گئی، اور دل نے کہا کہ اپنا شمار  
اُن چھ خوش نصیبوں میں تو بہر حال نہیں ہو سکتا، معلوم ہوتا ہے یہ ساری محنت  
و مشقت بیکار ہی گئی، دسویں شب میں عرفات سے واپسی کے بعد، پھر اسی طرح  
خواب میں انھیں دو نون فرشتوں کو دیکھا، ایک نے پوچھا کہ حج مقبول کل چھ  
کا ہوا؟ دوسرے نے جواب دیا، کہ اُن چھ کے طفیل میں پورے چھ لاکھ کے حج  
مقبول ہو گئے! العظمۃ اللہ ان نواز شتون اور سرفرازیوں کا کوئی ٹھکانہ!

ان رحمتوں اور بخششوں کی کوئی حد و انتہا ہی! — ان حکایتوں پر حیرت کیون کیجئے، کیا روزمرہ آپ نہیں دیکھتے رہتے، کہ غلہ کے انبار میں جوٹی اور تکیے پڑ جاتے ہیں، وہ بھی غلہ ہی کے حساب سے بکتے ہیں، اور سونے میں گر دو غبار کے جو ذرات شامل ہو جاتے ہیں، وہ بھی سونے ہی کے ساتھ تلنے لگتے ہیں! کتا ایک نجس اور ناپاک جانور ہے، اصحاب کف کے طفیل میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا! پھر انسان تو بہر حال انسان ہے، اور جو عرفات میں حاضر ہوتا ہے، وہ آخر اللہ اور رسول صلعم، کا نام لیوا تو ہوتا ہی ہے، اس سے بڑھکر یہ نصیب اور کون ہوگا جو آج اور یہاں کی حاضری کے وقت بھی رسول پاک (صلعم) اس ارشاد مبارک کو بھلائے رکھے، کہ:۔

سب سے بڑھکر گنہگار وہ ہے، جو عرفات میں حاضر ہو، اور پھر بھی یہ خیال رکھے کہ اللہ نے اُسے نہیں بخشا،

اعظم الناس ذنباً من وقف بعبثه  
فظن ان الله لم يعف عنه،

ایک زندہ بزرگ کا (خدا انھیں مدتوں زندہ و سلامت رکھے) معمول ہے سننے میں آیا، کہ وہ صبح کو کوہ کے منی پا پیادہ آ جاتے تھے، اور پھر وہ صبح کو مع اپنے تین یا چار ہم مشرب و ہم مذاق یارانِ سلسلہ کے منی سے عرفات بھی پیدل ہی آتے تھے، ایک ایک جاننا، پانی کی ایک ایک بوتل، اور بکٹ وغیرہ کی قسم سے مختصر ناشتہ، بس اس قدر سامان ہر ہر رفیق کے ہاتھ میں، عرفات پہنچ کر در آدم لیا، غسل فرمایا، ظہر و عصر کی نماز جمع کر کے جماعت کے ساتھ مسجدِ منورہ میں

اداکی، اور اس کے بعد جیل عرفات کے دامن میں جو خشک جھاڑیاں ہیں، انہیں  
 سے ایک ایک جھاڑی ہر بزرگ نے اپنے اپنے لئے مقرر کر لی، اور پوری یکسوئی  
 و فراغ خاطر کے ساتھ ساتھ اپنی اپنی عبادتوں میں مصروف ہو گئے، جھاڑیاں  
 نہ اتنی قریب قریب، کہ ایک شخص کی آواز دوسرے کی توجہ میں مغل ہو، اور نہ  
 اتنی دور دور کہ فراغت کے بعد ساتھیوں کے تلاش کرنے میں دقت ہو۔  
 یہ انتظام اگر کسی سے بن پڑے، تو کیا کہنا، یکسوئی و سکون خاطر کا بہترین نسخہ  
 اور بہترین نقشہ ہی، اس سفر نامہ کے مصنف کی تقدیر بھلا ایسی رسا کی تھی، اپنا  
 تو سارا وقت، کہنا چاہئے، ایک محض ضائع ہی ہوا، اور نفس بہانے یہ کرتا رہا کہ قلم  
 کی ضروریات، اور مستورات کے آرام وغیرہ کا انتظام کرنا ہی، کئی فلاں گٹے  
 کر کے اس کڑی دھوپ میں، اپنے پست ہمت کو مسجد نمرہ تک جانے کی توفیق کیوں  
 نصیب ہونے لگی تھی، یہی غنیمت ہو، کہ اپنے خیمہ ہی میں مختصر سی جماعت مل گئی،  
 مولانا مناظر صاحب ہر موقع کی طرح آج بھی ہمارے قافلہ میں سبک زیادہ  
 نصیبہ ور رہے، نماز پڑھنے مسجد نمرہ گئے، واپسی میں خیمہ کا راستہ بھول کر خدا جانے  
 کہاں تک بھٹک گئے، اور ساتھیوں سے گم ہو کر یہاں کی تنہائیوں اور خلوتوں  
 میں خدا معلوم کیا کیا پالیا اذلت فضل اللہ یوتیہ من لیشاء کی تصدیق ایک بار  
 پھر ہو کر رہی،

ہم لوگ یہاں قبل دوپہر پہنچ گئے تھے، دوپہر ہوتے ہوتے جھین غل  
 کرنا تھا، وہ غسل سے، اور باقی، تازہ وضو کر کے تیار ہو گئے، مولانا آدمیوں

کے لئے دو خیمے تھے ایک خیمہ میں خاص میرے قافلہ کے آٹھ آدمی (زن و مرد) آگئے  
 دوسرے میں بقیہ آٹھ آدمی رہے، اہم صاحب نے جو خیمے دیئے ہیں، وہ آٹھ آٹھ  
 آدمیوں کے رہنے کے قابل تو کسی طرح پر بھی نہیں، لیکن خیر چند ہی گھنٹوں کا  
 معاملہ ہو، کسی نہ کسی طرح گزر ہو جائیگی، اپنے اپنے شغف بھی خیموں سے بالکل  
 متصل رکھوا لے، عورتیں زیادہ تر شغفوں ہی کے اندر رہیں، اشغاف خیمہ سے  
 زیادہ آرام و ثابت ہوئے، بڑی وجہ یہ ہے کہ شغف اونچے پلنگ کی طرح زمین  
 سے کافی بلند ہوتے ہیں، اس لئے اُن میں ہلچل کم از کم زمین کی گرمی سے امن رہتا  
 ہے، خیمے اگر ہر طرف سے بند رہتے ہیں، تو بڑی امن پیدا ہو جاتی ہے، دم گھٹنے  
 لگتا ہے، پسینہ کی حد نہیں، لیکن اگر خیمہ کی قیادتیں دو طرف سے کھول کر دروازہ  
 سے بنا دیئے جائیں، تو پھر خاصی ہوا آنے لگتی ہے، زمین خوب چلتی اور تپتی ہوتی  
 ہے، اس پر بچانے کے لئے کوئی موٹا فرش ہمراہ لانا ضروری ہے، اور اگر کپڑے کی  
 کرسی یا ٹوٹ کا پلنگ ہمراہ آسکے تو یقیناً زیادہ آرام ملے گا، ایسی سے ڈک چیر کر کسی  
 کی کرسی، اگر ہمراہ لے لی جائے، تو جہاز میں بھی بہت کام دیگی، اور عرفات و منی  
 میں بھی اسی قدر مفید ثابت ہوگی، پانی کی بابت بہت سی ڈراونی روایتیں سننے  
 میں آئی تھیں، سنا تھا کہ عرفات میں پانی بہت مشکل سے، اور بہت کم، اور  
 بہت گران، اور بہت خراب ملتا ہے، اب کی سالی تو خدا کے فضل سے کوئی  
 ایسی دقت نہیں پیش آئی، پانی پیچے والے کثرت سے پکارتے پھر رہے ہیں، اور  
 پانی کچھ ایسا گندلا بھی نہیں، خاصہ صاف ہے، زیادہ گران بھی نہیں، ایک کسٹ  
 یا اوسط درجے کی مشک آٹھ آنے میں، یا اگر زیادہ چکایا جائے تو چھ آنے میں

مکن ہو بعض پچھلے سالوں البتہ سنا ہے کہ پانی بہت کم ملا تھا، اور دود و روپیہ فی  
 شنگ کے حساب سے ملا تھا، اور بہت گندلا ملا تھا، اب کی سال اللہ کا بڑا فضل  
 رہا، اللہ ٹھنڈا رکھے زبیدہ خاتون کی تربت کو اسی کی تعمیر کرائی ہوئی نہر سے،  
 صد ہا سال سے اللہ کی بیشمار مخلوق سیراب ہوتی چلی آرہی ہے، اور آئندہ  
 بھی خدا معلوم کب تک اسی طرح سیراب ہوتی رہے، البتہ ضرورت اس کی  
 ہے کہ نہر کی صفائی، پابندی اور انتظام کے ساتھ ہوتی رہے، سفری چوٹھا  
 دیا لکر، اگر ہمراہ ہو تو بہتر ہے، ہم لوگوں کے ساتھ مین انگیٹھی اور کوئلے تھے،  
 ان سے بھی کام چل سکتا ہے، مخفر کھانا بطور ناشتہ کے پک گیا، ستوا ایسے موقع  
 پر خاص طور سے کام آتے ہیں، غذا کی غذا، اور پیاس کی تسکین الگ، اور  
 پھر بغیر کسی دشواری و اہتمام کے دم بھر مین تیار، مڑ مڑے (لائے) کے ستو  
 سب سے بہتر ہیں، تال کھانے کے ستو مناسب نہیں، نقصان کا احتمال  
 ہے، خصوصاً جبکہ طبیعت پخت کی جانب از خود آمادہ ہو رہی ہو،

خیون کے اس جھگل میں اپنے خیمہ سے باہر نکل کر کچھ دور تک جانا غضب  
 کا سامنا کرنا ہے، خیون کے نصب کرنے میں کوئی خاص ترتیب نہیں ہوتی،  
 یا اگر ہوتی ہو بھی تو کم از کم حاجی غریب کو تو اس کا علم ہوتا نہیں، نہ خیون  
 پر کوئی نمبر یا اور کوئی خاص علامت، سیکڑوں ہزاروں خیمے، بس ایک ہی رنگ  
 کے ایک ہی وضع و قطع کے، ہر طرف مسلسل چلے گئے ہیں، بے پڑھوں ٹوٹھوں  
 اور بوڑھیوں کا ذکر نہیں، اچھے خاصے جوان جہان، ہوشیار پڑھے لکھے جگر

جاتے ہیں، اپنے خیمہ سے نکل کر چند قدم چلے کہ راستہ گم ہو گیا، اب نہ جان جاتے تھے  
لے نکلے تھے، وہاں پہنچ سکتے ہیں، نہ اپنے خیمہ کا راستہ پاتے ہیں، عجب مصیبت  
و کیسی کا وقت ہوتا ہے، راستہ پوچھیں تو کس سے اور کوئی بتانا چاہے بھی تو  
کیا بتائے سب انھیں جیسے ناواقف، ہم لوگ نماز کے لئے کسی بڑی جماعت کی  
تلاش میں ایک بار اپنے خیموں سے باہر نکلے، لیکن چند ہی قدم چلنے کے بعد عافیت  
والہی ہی میں نظر آئی، حکومت اگر چاہے، تو ان دشواریوں کا سدباب آسانی سے  
کر سکتی ہے، اول تو موجودہ حالت انتشار و بے نظمی کے بجائے خیموں کے مختلف  
محلے (کمپ) مختلف ملکوں کے اعتبار سے قائم کر دینے چاہئیں، مثلاً ایک محلہ میں  
کا ایک ہندوؤں کا، ایک عجازیوں کا، ایک جاویوں کا وغیرہ وغیرہ، پھر بڑے ملکوں  
کے محلوں کے اندر صوبہ وار تقسیم کر دینی چاہئے، مثلاً پنجاب کمپ، بنگال کمپ، اتر  
علی ہذا، اور پھر اس کے بعد خود ان صوبہ وار محلوں کے اندر حمیون پر نمبر ڈال  
دینے چاہئیں، ہر کمپ کا بھی ایک الگ نمبر ہونا چاہئے، اور علاوہ نمبروں کے مختلف  
رنگ کے بلند جھنڈوں اور جھنڈیوں کے ذریعہ سے مختلف کمیون کو متمازن نمایان  
کرنا چاہئے، عارضی سڑکوں اور روشنیوں کو بنا کر اور ان پر نمبر ڈال کر بھی بہت کچھ  
سہولت پیدا کی جا سکتی ہے، صوبہ وار کمیون کے اندر مختلف معلون کے نام بھی  
ان معلون کے حاجیوں کے خیموں کے گرد اگر نمایان کر دیئے جائیں، تو دو تین  
اور زیادہ گھٹ سکتی ہیں، ان سب تدبیروں کے علاوہ چار پانچ سو کی تعداد  
میں مختلف زبانیں جاننے والے رضا کار یا پولیس کے رضا کاروں کے کمپ کسی  
خاص نمایان رنگ کے ساتھ میدان عرفات کے مختلف حصوں میں ہونا چاہئے

اور ان میں ایک دوسرے سے فوری پیام رسانی کے لئے ہارٹنی ٹیلیفون کا انتظام  
 باسانی ہو سکتا ہے، حکومت حجاز لکھو کھارو پیہ ان حاجیوں سے موسم حج میں وصول  
 کرتی ہے اگر اس میں سے دس میں ہزار روپیہ انھیں کی سہولت و آسائش کے  
 سامان پر لگا دیا جائے تو حکومت کے خزانہ پر ہرگز کوئی بار نہیں پڑ سکتا،

حکومت کے نظم و انتظام کی افد سناک کی صرف اسی ایک حیثیت سے واضع  
 نہیں ہو رہی تھی، عرفات سے واپسی کے بعد سننے میں آیا کہ وہاں پانی، برت،  
 شربت، فالودہ، چائے اور قہوہ کی دوکانیں بھی موجود تھیں خدا معلوم کہاں تھیں عرفات  
 دورانِ قیام میں تو ہمارے قافلہ کو انکا پتہ کہیں چلا نہیں، ظاہر ہے، کہ میلون کے وسیع  
 رقبہ میں کسی ایک گوشہ میں، یا عین وسط میں بھی، اگر چند دوکانیں ہوئیں، تو دو  
 والوں کو ان کی کیا خبر ہو سکتی ہے، بجائے کسی ایک جگہ کے چاہئے یہ تھا کہ مختلف  
 بلکوں کے کمیون میں الگ الگ دوکانیں ہوتیں، دوکانیں ہوتیں چاہے چھوٹی  
 ہی، لیکن انکا متعدد ہونا، اور مختلف حصوں میں پھیلا ہونا لازمی تھا، ہندوستان  
 میں جن لوگوں نے انکا گریس کئے یا اس کے زمانہ عروج میں خلافت کا نفرین کے  
 سالانہ جلسوں کے انتظامات میں حصہ لیا ہے، وہ عرفات میں بھی اپنی رضا کارانہ خدمات  
 بخوشی پیش کر سکتے تھے، اور سودی حکومت اگر انھیں موقع دیتی تو ان خدمات  
 کو وہ اپنے لئے وسیلہ نجات و باعث سعادت خیال کرتے، پچھلے سالوں جو کچھ ہونا  
 تھا، ہو چکا، آئندہ کے لئے اب بھی کچھ نہیں گیا ہے، حکومت حجاز کا اس موقع پر  
 باہر کے حاجیوں سے اشتراکِ عمل لازمی ہے، حکومت لاکھ نیک نیتی کے ساتھ کوئی





یہ ساری آبادی ویرانی سے بدل جائے گی، اور حسان آج دن بھر  
 لکھو کھا انسانوں کا مجمع رہا، وہاں اب ایک تنفس بھی نہ نظر آئیگا اور سال  
 بھر کی ویرانی کے بعد پھر آج ہی کی تاریخ اسی طرح کی آبادی اور جبل پل  
 ہوگی آج کے دن جس طرح یہاں نماز عصر اپنے وقت سے پہلے ہٹا کر نماز ظہر  
 کے ساتھ ملا کر پڑھ لی گئی، اسی طرح حکم ہے کہ آج نماز مغرب بھی اپنے وقت سے  
 پیچھے ہٹا دیجائے، اور یہاں یہاں پڑھنے کے مزدلفہ پہنچ کر، رات گئے، نماز  
 عشا کے ساتھ ملا کر پڑھی جائے، بعض نادانق پیارے جلدی جلدی یہیں نماز  
 ادا کرنے کے لئے نیت باندھ رہے ہیں، نادانقیت کی بنا پر مواخذہ سے  
 تو غالباً بچ جائیں، لیکن اتباع سنت کا اجر تو ہر حال اپنے ہاتھوں کھو  
 رہے ہیں، ہزار ہا ایسے ہیں، جو جلد بازی کر کے کچھ دن رہے ہی روانہ ہو جائے  
 ہیں مسنون وقت روانگی کا، غروب آفتاب کے بعد ہے، لیجئے آفتاب غروب  
 ہونے لگا، سب کے خیمے اکھڑ چکے، ہمارے خیمے اکھڑ ہی رہے تھے، کہ بے شان  
 وگمان، بغیر کسی موسمی توقع و تئیر کے، دفعۃً آسمان پر ایک طرف سے ابر کا ٹکڑا  
 آتا ہوا نمودار ہوا، دو چادر بکلی چکی، ابو ندین شرف ہوئیں، اور چند ہی لمحوں  
 میں اچھی خاصی بارش ہونے لگی، اکرم کی کریم اور مولا کی رحمتوں کی تھاہ  
 کون پاسکتا ہے! احرام پوشوں کے جسم کہاں تو ابھی چلیلاتی ہوئی دھوپ میں  
 تپ رہے تھے، اور کہاں ابھی پانی میں لت پت ہونے لگے، بارش ہوئی، او  
 خوب اچھی طرح ہوئی، لوگ بھیسے اور خوب بھیسے، بارانِ رحمت کا لفظ سنا  
 بارہا تھا، حقیقتہً "بارانِ رحمت" کا مشاہدہ آج ہی ہوا! لوگ کہتے تھے، اتنی بارش

عرفے کے دن سالہا سال کے بعد ہوئی ہو، بزرگوں نے کہا ہے، کہ عرفات کی بارش  
 حج کی مقبولیت کی علامت ہو، یہ اگر سچ ہے، تو خدا ہی کو علم ہو، کہ اب کی حج میں کون  
 اللہ کا شیر شریک تھا، بارش پانی کی کیوں تھی، یوں کہنے کہ عفو و مغفرت کی بارش  
 تھی، اور جو جو بوند جسم پر گرتی تھی، بس یہ معلوم ہوتا تھا، کہ معاصی کی سیاہیاں دھل  
 رہی ہیں!



## باب ۳ مزدلفہ

حج کا رکن عظیم مجدد ختم ہو چکا، اس وقت دل کی مسرتوں کا کیا پوچھنا، جس پر گزری ہے، وہی اندازہ کر سکتا ہو، ہر چہرہ کھلا جا رہا ہو، ہر طرف مسرت و انبساط، عرفات کے بعد ہی حایون کو مزدلفہ میں قیام کرنا ہوتا ہو، یہ ایک سیح میدان کا مشہور نام ہو، جو منیٰ و عرفات کے درمیان واقع ہے، منیٰ سے عرفات کے دور استے ہیں، ایک سیدھا اور ایک کسی قدر جکڑے منیٰ سے عرفات جاتے ہوئے سیدھے راستہ سے جانا مسنون ہو، اُدھر مزدلفہ نہیں پڑتا، عرفات سے واپسی دوسرے راستہ سے مسنون ہو، جو ذرا جکڑا کھا کر ہے، مزدلفہ اسی راستہ میں پڑتا ہے، عرفات سے اس کا فاصلہ ۷-۸ میل ہوگا، اور منیٰ یہاں سے ڈھائی میل رہتا ہو، اس میدان کا معروف نام مزدلفہ ہو، قرآن مجید میں اس کا نام مشرک الحرام آیا ہو، اور یہاں کے قیام کی اہمیت اسی سے ظاہر ہے، کہ خود کلام پاک میں یہ تحریر ہے، کہ عرفات سے واپسی میں مشرک الحرام میں ذکر الہی کرو، فاذا دفعتم عن عرفات فاذا کم واللہ عند المشعر الحرام، مشرک الحرام کے مفہوم میں سارا میدان داخل ہو، اور ایک مسجد بھی یہاں اسی نام سے موسوم و مخصوص ہے، علماء لکھتے ہیں

کہ لفظ مزدلفہ مشتق ہے از دلاف ہے جس کے معنی قریب ہونے کے ہیں، اور اس میدان کا نام مزدلفہ اس لئے پڑا، کہ حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام جنت سے نکلنے کے بعد پہلے یہیں ملے تھے، ۱۹ اور ۱۰ کی درمیانی شب یہیں بسر کرنی ہوتی ہو، فقہاء لکھتے ہیں کہ مزدلفہ میں داخل ہوتے وقت اگر پیادہ ہو، اور غسل بھی کر لے، تو بہتر ہے۔  
والله اعلم بالصواب ما شاء الله تعالى (فتح القدیر)

اگر ضعیفی، کمزوری یا بیماری کے عذر قوی کی بنا پر یہاں کا قیام ترک کر دیا جائے تو مضائقہ نہیں، لیکن بغیر کسی قوی عذر کے محض تن آسانی کے خیال سے یا جھوم سے بچنے کے لئے یہاں قیام نہ کرنا اور عرفات سے سیدھے منی چلے جانا ہرگز مناسب نہیں امام اوزاعیؒ اور بعض تابعین کے نزدیک تو وقت مزدلفہ رکن حج ہے یعنی فرائض حج میں داخل ہے، یعنی اگر یہ فوت ہو گیا تو حج ہی فوت ہو گیا (جیسا کہ قاضی ابن رشدؒ نے بدایۃ المجتہد میں اس جماعت کا مذہب نقل کیا ہے) اور قاضی خان نے ایسا ہی مذہب امام مالکؒ کا بھی نقل کیا ہے، حنفیہ کے مان گو وہ رکن حج نہیں، لیکن مرتبہ وجوب رکھتا ہے، اور کسی نے بلا عذر خاص یہاں کا قیام ترک کر دیا، تو اسے قربانی دینی ہوگی، آج کی شب مبارک، بعض فقہاء و محدثین کے بیان کے مطابق، شب قدر سے بھی بڑھ کر ہے، جہاں تک ممکن ہو ساری رات تلاوت اور نماز اور مناجات و استغفار میں گزارے، آج جو ساری رات جاگ گیا، وہ خود کیا جاگا، اس کا نصیب جاگ گیا، بہر حال جتنی دیر بھی ممکن ہو، جماعت ہی میں وقت گزارنا چاہئے، عرفات سے آتے ہوئے راستہ

میں اللہ اکبر اللہ اکبر وکلا اللہ وکلا اللہ الحمد للہ، پڑھتا ہوا آئے اور تیک  
اور استغفار کو بھی جاری رکھے، مزدلفہ پہنچ کر کوئی خاص دعا مخصوص نہیں  
مناسک کی کتابوں میں متعدد دعائیں لکھی ہوئی ہیں، راستے میں وہ وادی بھی  
پڑتی ہو، جہاں خانہ کعبہ اور رب کعبہ کا مشہور دشمن ابرہہ، اپنے زمانہ کی پر قوت  
اسیر یزید (جہانگیریت و قیصریت) کا نایندہ مع اپنے سارے ساز و مان، لاؤ لشکر  
کے دم کے دم میں ہلاک ہو گیا تھا، اس کی نام وادی مختصری فقہاء رحمہم اللہ لکھتے ہیں، کہ  
جب اس وادی سے گزرے تو سواری کو تیز کر دے، اور یہ دعا پڑھے،

اللّٰهُمَّ قَتَلْنَا بَغْضَبِكَ مَكَاتِلَنَا  
بعد ابات دعا قبل ذالک،

اس سے پہلے ہی

دعا کے الفاظ بہتوں نے دہرائے ہونگے، خدا معلوم کسی کے دل سے ان قو  
کی بھی تباہی و بربادی کی دعائیں نکلیں، جو آج چھو ہوین صدی ہجری میں،  
کعبہ اور رب کعبہ کی عداوت میں، اس پرانی اور برباد شدہ قوم سے کہیں بڑھی  
ہوئی ہیں، جن کی جلدین سفید ہیں، مگر جن کے دل عداوت حرم میں جیشہ کی  
اس قوم کے چہرہ دن سے کمین زیادہ سیاہ ہو چکے ہیں، اور جن کو ابرہہ کے ہاتھوں  
سے کہیں بڑھ چڑھ کر آج اپنے توپ خانوں، ہوائی جہازوں اور مسلح موٹر کاروں  
پر دعویٰ اور غرہ ہے؟

عرفات سے چلنے میں کچھ دیر تو بارش کی وجہ سے ہوئی، اور کچھ وقت معلوم جا

کی خوش اتھالیوں کی نذر ہوا، ہر حال غروب آفتاب کو کوئی قریب آدمی گھنٹہ  
 ہوا ہو گا، جب ہمارا قافلہ روانہ ہوا، مولانا مناظر صاحب کی گشدگی سے  
 ہمارے ساتھیوں میں ایک کی کمی ہو گئی تھی، اور  
 اونٹ کے سفر میں یہ کمی ایک اہمیت رکھتی ہے، بغیر دو سواریوں کے شخدت کی  
 میزان برابر نہیں رہتی، اگر شخدت میں صرف ایک ہی طرف ایک سواری بیٹھی  
 تو شخدت اس طرف جھک کر زمین پر گر جاتا ہے، خیر، مولانا کی جگہ پر مسلم صاحب کے  
 صاحبزادہ نے قبضہ کیا، اور قافلہ چلا، اس وقت کے سفر کی کیا کیفیت بیان ہو،  
 عرب میں آٹون اور موٹوں پر سفر بہت سے کئے، دن اور رات کے مختلف حصوں  
 میں بھی کئے، لیکن اتنا پر لطف، اتنا دلکش، اتنا فرحت انگیز سفر نہ اس کے قبل کوئی ہو  
 نہ اس کے بعد، چاندنی رات، پانی برس کر آسمان بالکل کھل چکا تھا، کھلے ہوئے  
 آسمان میں شب دہم کا چاند، ہر طرف روشنی پھیلی ہوئی، بارش ہو جانے سے موسم کی حالت  
 بالکل بدلی ہوئی، نہ تیش، نہ لو، نہ گرد، نہ آس، اس کے بجائے خوشگوار ٹھکی، لطیف  
 و سبک ہواؤں کے جھونکے چلے آ رہے ہیں، یہ معلوم ہو رہا ہے کہ اپنے صوبہ یوپی میں  
 مارچ یا اکتوبر کے مہینے کی شام ہو، مصری اور بدوی حاجی حج کی خوشی میں طرح  
 طرح کے ترانے گارہے ہیں، پہاڑیوں سے آواز نکراتی ہو، تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا  
 پہاڑیان اور چٹانیں بھی جشنِ مسرت و طرب میں شریک ہیں، طرح طرح کی بڑی  
 بڑی شعلیں اور گیس کی روشنیان نور علی نور، اپنے اپنے اور بائیں آگے اور پیچھے ہوجا  
 نہیں، ہزار ہا اونٹ، اوپر نظر اٹھائے، تو دلکش اور پیارا آسمان، نیچے دیکھئے تو  
 مضبوط اور بوجھ اٹھانے والی زمین، ادھر ادھر نظر دوڑائیے، تو ہر طرف پہاڑیوں کا

سلسلہ سورہ غاشیہ کی آیات کریمہ اُفَلَکَ یَظْهَرُ دِلِّی الْاِیَّامِ کَیْفَ خَلَقْتَ دِلِّی السَّکَرِ  
 کَیْفَ سَیَّعْتَ دِلِّی الْاِیَّامِ کَیْفَ نَصَبْتَ دِلِّی الْاِیَّامِ کَیْفَ سَطَّحْتَ دِلِّی الْاِیَّامِ  
 تفسیر بغیر کسی لفظ و عبارت کی وساطت کے، زبان حال سے از خود ہوتی چلی جا رہی  
 ہے افسوس کہتے ہیں، کہ مزدلفہ کے راستہ میں تکبیر و تہلیل اور اللہ کی حمد و ثنا کرتا ہوا  
 زبان سے حمد و ثنا تو بار بار ہوتی، یہ وہ نادر وقت ہو جب دل بھی زبان کا شریک  
 ہو رہا ہو! اور ایک قلب ہی کے صفحہ گوشت پر کیا موقوف ہو، ہر ہر نبض اس وقت  
 شکر نعمت کی صدائیں دیر ہا ہر صبر کے مرحلہ اس سفر میں پھیلنے کو بکثرت ملے ہیں یہ  
 موقع خالص مرتبہ شکر کے ملنے کا ہو! شکر گزاروں کی تو ہر گھڑی شکر میں گذرتی  
 ہے، یہ گھڑی وہ ہے، کہ ناشکرے بھی شکر گزار بن جاتے ہیں، اللہ اکبر و لا اله الا  
 اللہ والحمد للہ

کوئی دو گھنٹہ میں مزدلفہ پہنچ گئے، یہاں صرف ایک ہی رات بسر کرنی  
 ہوتی ہو! اور افسوس ہے کہ بہت سے لوگ تو اتنا بھی نہیں کرتے گذرتے ہوئے،  
 سیدھے منی چلے جاتے ہیں، اس لئے یہاں خیمے وغیرہ نہیں لگتے توں ہی کھلے میدان  
 میں لوگ زمین پر بستر بچھا کر یا اپنے صندوق کے اندر لیٹ کر گزار دیتے ہیں اتنا  
 وسیع میدان ہے، جگہ کی چپقلش نہیں ہونے پاتی، کھانے کی دوکانیں بہ کثرت  
 پورا بازار لگا ہوا، جا بجا روٹیناں بھی نصب، ہلکی ٹنگی، سناہو، اس میدان میں عجم  
 رہتی ہے، اب کی سال تو بھی خاصی ٹنگی ہو، پانی کی وقت اب کی سال کچھ نہیں  
 ہوتی، نہ زیادہ گران نہ زیادہ گندلا تھا، اور ملا بھی خاصی افراط کے ساتھ

قیام اگر مسجد مشرک احرام کے متصل جیل قزح پر ہو سکے تو بجان اللہ ہم لوگوں کے نصیب  
ایسے کہان تھے معلم صاحب نے اپنی مہربانی سے جہان چاہا، ہمارے اونٹ بھلائیے  
مسجد میں اذان کب ہوئی، اس کی خبر بھی نہ ہوئی اور نہ کسی کی ہمت پڑی کہ مسجد  
کی تلاش میں اپنا قافلہ چھوڑ کر روانہ ہو، اور گم ہو جانے کا قوی خطرہ اختیار کئے  
پہنچنے کے ساتھ ہی نماز مغرب و عشا، بغیر درمیان میں کوئی نفل پڑھے یا کسی اور طرح  
فاصلہ دیے جمع کر کے اپنے قافلہ کی جماعت کے ساتھ پڑھی گئی، آج کے دن حالت  
احرام میں نماز مغرب و عشا، مزدلفہ ہی میں اگر عشا کے وقت اکٹھے پڑھنا کم از کم خفیہ بہت  
میں ضروری ہو، یہاں تک کہ اگر کسی نے نماز مغرب و عشا کے راستہ میں پڑھ لی، تو  
امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک وہ نماز درست نہیں ہوئی، اور چاہے کہ مزدلفہ  
میں پہنچ کر اسے دوبارہ پڑھے، اس وقت کے لئے اذان اور اقامت بھی ایک ہی  
یعنی مغرب و عشا کے لئے الگ الگ تکبیر کہنے کی ضرورت نہیں، ایک ہی تکبیر دونوں  
نمازوں کے لئے کافی ہوگی۔

ان مسائل سے عموماً ناواقفیت ہے، یا اگر واقفیت بھی ہے، جب بھی بے پروائی  
برتی جاتی ہو، نماز مغرب کوئی صاحب عرفات ہی میں پڑھ لیتے ہیں، اور کوئی صاحب  
راستہ میں، نماز عشا بھی بعض جلد باز حضرات راستہ میں پڑھ لیتے ہیں، اس لئے  
بہتر ہوگا کہ یہاں پہنچ کر ایک نظر فقہاء کی تصریحات پر کر لیجائے، صاحب غنی  
لکھتے ہیں:-

وصلی العشاءین باذان و اقامۃ اور مغرب و عشا دونوں نمازیں مزدلفہ میں





و نہ فرما الحسن

اور امام ابو حنیفہؒ و محمدؒ و زفرؒ و حسنؒ کے قول کے مطابق قبل فجر، اس نماز کا اعادہ کرنا چاہئے۔

اور باب الناسک میں ہوا۔

ولا یصلی المغرب کلا العشاء بعد کلا فی الطریق حتی یدخل من دلفۃ و ینزل بہا..... لوصلی الصلاۃ  
اد احدثا قبل الوصول الی مسجد  
لم یحضر و علیہ اعادتهما بہا اذا  
وصلی،

مغرب اور عشا کی نماز میں نہ عزائم میں پڑھنی چاہئیں اور نہ راستہ میں یہاں تک کہ مزدلفہ آجائے، اور حاجی وہاں اترے.....  
.... اور اگر کوئی نماز یا دو نون نماز میں مزدلفہ پہنچنے سے قبل پڑھ لی ہیں، تو وہ درست نہیں ہوئیں، اور انکا اعادہ وہاں پہنچ کر لازم ہے،

اور ہدایہ میں ہوا۔

امام جماعت کے ساتھ مغرب اور عشا کی نماز میں صرف ایک ہی اذان و اقامت کے ساتھ ادا کرے..... اور اگر کسی نے مغرب کی نماز راستہ میں ہی پڑھ لی، تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک نماز درست نہیں ہوئی،

و یصلی الامام بالناس المغرب والعشاء باذان و اقامة واحدة.....  
ومن صلی المغرب فی الطریق لم یجوز عند ابی حنیفۃ و محمد،

صرف ایک امام ابو یوسفؒ سے اختلاف منقول ہے، مگر فقہائین سے کسی نے ان کے قول پر فتویٰ نہ دیا۔

عالم اسلامی میں جو نظم و انتشار سرایت کئے ہوئے ہی، اسکا نمونہ جس طرح عرفات  
میں دیکھنے میں آیا تھا، یہاں بھی دیکھنا پڑا، اتنا بڑا مجمع، اور نہ کسی قسم کا نظم و تنظیم، ایک  
طوائف الملوکی سی پھیلی ہوئی، رات کا وقت، اپنی ملک، اپنی زبان، ممکن نہ تھا،  
کہ کوئی شخص اپنے قافلہ سے کسی ضرورت کے لئے جدا ہو، اور پھر وہاں تک آسانی  
سے واپس پہنچ سکے، بازار تک پہنچ جانا تو خیر آسان تھا، اس لئے کہ دوکانوں  
پر خوب روشنی ہو رہی تھی، اور دور سے نمایاں تھیں، لیکن بازار جا کر واپس آنا چاہا  
تو آخر کس پتہ، کس نشان سے واپس آئے؟ ہمارے ساتھ کی بیویاں، دن بھر کے سفر  
اور تھکان کے بعد قدرۃً بھوک تھیں، قافلہ کے دو تین مرد بازار کھانے لینے کو لگے،  
واپسی میں راستہ بھولے، اور ان پر جو کچھ گزری، بس انھیں کا دل جاتا ہی، ایک ہی  
طرح کے ہزار ہا اونٹ اور ہزار ہا شغوف ہر طرف نظر آ رہے تھے، بالکل بھول  
بھلیاں کا سامنظر، قدم قدم پر بٹکتے تھے، اور اپنے قافلہ والوں کو چیخ چیخ کر پکارتے  
پکارتے گلے پڑ پڑ گئے، جب جا کر کس مشکل سے پہنچ پائے، کیا حکومت کی انتظامیہ  
سے یہ باہر ہے، کہ مختلف ملکوں کے حاجیوں کے لئے مختلف عارضی سڑکیں ایک شب  
کے لئے تیار کر دے، اور ان سڑکوں کے نام انھیں ملکوں کے نام پر رکھ دے مثلاً ہندوستان  
مصر وغیرہ، اور پھر ان سڑکوں کو مختلف قطعات (PLOTS) میں تقسیم کر کے  
ہر ہر قطعہ (پلاٹ) پر ایک ایک معلم کے لئے نمبر ڈال دے، اور سڑکوں  
کے ناموں اور ان نمبروں کو روشنی میں خوب نمایاں کر دیا کرے؟ اور پھر ٹھیکے ہوئے  
کی رہنمائی اور رہبری کے لئے تربیت پائے ہوئے، اور مختلف زبانیں جانتے والے  
باقاعدہ اور مستعد رضا کاروں اور پہرہ داروں کے اگر صرف چند ہی دستے مقرر

ہو جائیں تو غریب پر دیسوں کو کتنی سہولت اور کتنی آسائش ہو جائے! سلطان کے  
مشریون، خصوصاً ہندی مشیرون نے خدا معلوم کبھی رفاہ خلق و خدمت حجاج کی ان  
صورتوں کا بھی مشورہ پیش کیا ہو؟

مزدلفہ میں قیام صرف شب بھر رہتا ہو، ار کی صبح کو، امام کو چاہئے کہ مسجد  
مشرعہ الحرام میں نماز اول وقت یعنی صبح صادق طلوع ہوتے ہی اندھیرے میں پڑھ  
لے، صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت موجود ہو، کہ آج کے دن حضور ﷺ  
نے نماز فجر معمولی وقت سے پہلے پڑھی تھی، علماء و خفیہ نے بھی اسی وقت پر زور  
دیا ہے، نماز کے بعد چاہئے کہ عرفات کی طرح بہان بھی قبلہ رخ ہو کر وفوف کریں،  
اور خوب جی لگا کر دعائیں مانگیں، مقبولیت دعا کی یہ خاص جگہ اور خاص گھڑی  
ہے، اس سے فایز ہو کر آفتاب نکلتے نکلتے یہاں سے منیٰ کی طرف روانہ ہو جانا  
چاہئے، اور منیٰ پہنچ کر شیطانوں پر جو کنکریاں ماری جائیں گی، ان کا بھی یہی چن لینا  
سنون و افضل ہو، منیٰ میں اگر ۱۳ تک رہنے کا قصد ہو تو وہ کنکریاں گن کر لے لے،  
اور اگر صرف ۱۲ ہی تک ٹھہرنا منظور ہو تو وہ کنکریاں کافی ہوں گی، کنکریاں  
چھوٹی ہوں تو بہتر ہو، دانہ باقلہ کے برابر، اگر اس سے بڑی یا چھوٹی ہوں تو بھی  
جائز ہو، ان کنکریوں کو دھو کر سا تھور کھنا لینا چاہئے، غصہ کنکری پھینکنا مکروہ ہے  
و قوت مشعرہ الحرام کے وقت یہ دعا پڑھے، تو افضل ہو۔

اے اللہ! مشعرہ الحرام کے حق سے اور فائدہ کجہ  
کے حق سے اور اس پاک مہینہ کے حق سے اور

اللهم بحق مشعرہ الحرام و بالیت  
الحرم و بالشہر الحرام و بالمرکب

والمقام بلغ روح محمد من اللحية	حجر اسود اور مقام ابراہیم کے حق سے، محمد کی
والمسلماء وادخلنا داس السلام	روح کو ہمارا درود و سلام پہنچائے اور
يا ذوالجلال واکبرکم	اے بزرگی و عظمت والے ہم کو رحمت کے
	گھر (جنت) میں داخل کر،

اس کے بعد الحمد للہ کمالہ الا للہ واللہ اکبر کے، اور لبیک کے، اور درود پڑھے، اور پھر جو حاجت چاہے، دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگے،

اعمال حج کا سارا سلسلہ ادھر سے عبدیت و انابت اور ادھر سے رحمت و رحمت کا ایک مسلسل مظاہرہ ہے، مہمان کو اپنے گھر بلا کر شریف اور کریم لقمس میزبان کیسی کیسی خاطرین کرتے ہیں، لطف و مدارات میں کیا کوئی کسر اٹھا سکتے ہیں؟ پھر وہ جو سب کریموں سے بڑھ کر کریم، اور سب جاتوں سے بڑھ کر حاتم ہی، جو کریم اور کریمی سب کا خالق و پروردگار ہی، کیا وہ اپنے گھر کے مہمانوں پر لطف و نوازش کی بارش کرنے میں کوئی بات اٹھا سکے گا؟ اس کے خزانہ میں مغفرت و رحمت کی کوئی کمی ہے؟ اس کے جو دو عطا میں بخل کی کسی آمیزش کا امکان ہی؟ میدان عرفات میں آپ کے سرور و سردار نے آپ کے حق میں، اپنے مولا و پروردگار کے سامنے ہاتھ پھیلا پھیلا کر جو کچھ مانگا تھا، اور وہاں سے جو کچھ ملا تھا، اس سے آپ واقف ہو چکے، اب سنئے کہ آپ کا اور ساری دنیا کا وہ غمخوار اور غمگسار، جب عرفات سے مزلو قہ پہنچتا ہی، تو کیا مانگتا ہی، اور کیا پاتا ہی، کیسا طلب کرتا ہے، او کیا کیا ملتا ہے، خوب یاد ہے، کہ مانگنے والا کون تھا، اور دینے والا کون تھا، اے

بن مرواس سنی سے روایت ہے کہ

ان رسول اللہ صلی دعا لامۃ عشیۃ  
عرفتہ بالمغفرۃ فاجیب (فی قد غفر)  
لہم ما خلا الظالم فاتی آخذ للظلم  
منہ قال ای سرب ان شئت عطیت  
المظلوم الجنة و غفرت  
للا ظالم فلم یجب عشیۃ فلما  
صبح بالمر دلفۃ اعاد الدعاء فاجیب  
الی ما سال قال فضحک رسول اللہ  
صلعم و قال تبسم فقال ابو بکر  
و عمر بابی انت و ای ان هذا  
لساعۃ ما کنت تصنع فیہا  
فما الدی اضحکت اضحک نک قال  
ان عدو اللہ بلیس لما علم ان  
عزوجل قد استجاب دعا فی غفر  
لا امتی اخذ (المراب فنجعل  
حقوۃ علی سرب اسر و یدعو بالک  
والشعور فاضحک فی ما سرب ایت من  
جہرہ (بن اجمہ)

رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے عرفات میں سہ پہر کے وقت اپنی ہمت کی  
مغفرت کی دعا کی تو جواب ملا کہ تم نے بخش دیا تیری امت  
کو بخیر ان لوگوں کے کہ جو دوسروں کے حقوق تلف  
کر لیے ہیں مظلوموں کا بدلہ ضرور لیا جائیگا، اس پر آپ نے  
بھروسہ کیا کہ اے پروردگار اگر تو چاہے تو مظلوم کو  
دیکر اسے اس پر غصہ کر سکتا ہے کہ وہ ظالم کو معاف کرے  
اور ظالم کی بھی مغفرت کر دے اسکا کچھ جواب نہ ملا یہاں  
تک کہ آپ عرفات سے عرفۃ بن اگے اور ہر واقعہ میں  
صبح سوئے اپنے بھروسہ دعا کی اس وقت یہ دعا قبول  
ہو گئی اس وقت آپ مسرت سے منہں پٹے دیا تم فرما  
گے ابو بکرؓ نے عرض کی کہ ہمارے ماں باپ حضور  
پر فرما ہوں آپ ان اوقات دعا و مناجات میں تو کبھی  
بٹے نہیں تھے آپ نے فرمایا اسی رکھے اس وقت آپ کی شہادت  
آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو وقت اللہ کے دشمن ابلیس نے دیکھا  
کہ اللہ نے میری دعا قبول فرمائی اور میری (ساری) امت  
کی مغفرت کا پروانہ رحمت ہو گیا تو زمین و آسمان ٹھٹھاٹھا  
کر پڑے ہر پر ڈالنے لگا اور غم و غصہ سے لڑنے لگا  
تو مجھے یہ جزع و فرج دیکھ کر ہنسی آ گئی

افند اکیر! جو کچھ عرفات میں بھی نہ ملا تھا، مزدلفہ میں مل گیا! اس رحمت بے حساب کا کوئی حساب لگا سکتا ہے؟ اس کرم بے نہایت کی کوئی پیالیش کر سکتا ہے! مزدلفہ کی بزرگیوں اور عظمتوں کا کون اندازہ کرے گا؟ اور جس نے مزدلفہ میں یہ دعائیں مانگیں اس کے لطف و شفقت کا کون احاطہ کر سکتا ہے؟ اور پھر جس نے ان دعاؤں کو قبول کیا، اس کی شان رحمت و مغفرت کے اظہار کے لئے کوئی لفظ، کوئی عبارت کافی ہو سکتی ہے؟



## باب ۳۲

### منیٰ بعد حج نمبر (۱)

حج کے سلسلہ اعمال میں عرفات اور مزدلفہ کی حاضری تو کہنا چاہئے کہ سب کھڑی سواری ہی ہوتی ہے، عرفات میں جاستے ہوئے منیٰ میں بھی کچھ ایسا طویل قیام نہیں ہوتا، البتہ عرفات و مزدلفہ سے واپس آکر منیٰ میں ایک خاصہ طویل قیام ہوتا ہے یعنی ۱۰ ار کی صبح سے لیکر کم سے کم ۱۲ ار کی شام تک، ورنہ ۱۳ تک اس میں چار دن کے عرصہ میں مختلف واجبات و سنن ادا کرنے ہوتے ہیں مثلاً شیطاں کے کنکریاں مارنا، قربانی کرنا، سرسٹانا وغیرہ، اور اسی درمیان میں مکہ جا کر خانہ کافرض طواف بھی ادا کرنا ضروری ہے، اس سے پہلے جتنے طواف کئے تھے، وہ کوئی حج کے فرض طواف نہ تھے، حج کا فرض طواف وہی ہے، جو عرفات سے واپس کے بعد ادا کیا جائے، ہم لوگ اردسی الحجہ (مکیشہ) کو دن بھر مزدلفہ سے روانہ ہوئے تھے، اور ڈھائی گھنٹے میں منیٰ پہنچ گئے، آج کے ہجوم اور کشمکش کا کیا پوچھنا! منیٰ کے حدود شروع ہونے تھے، کہ ہجوم کی زیادتی بھی محسوس ہونے لگی، ایک ہی سڑک اسی پر اونٹ بھی چل رہے ہیں، گھوڑے گدھے اور بچر بھی پیدل



چلنے والے انسان بھی، اور کہیں کہیں موٹر بھی! آنے والوں کے لئے بھی، وہی راستہ، اور جانے والوں کے لئے بھی وہی! نہ کسی قسم کی ترتیب نہ تنظیم، نہ پولیس کی طرف سے انتظام نہ کسی اور محکمہ کی طرف سے ہر ایک کی یہی کوشش کہ جس طرح ممکن ہو، دوسرے کو دھکا دیکر اپنے لئے جگہ پیدا کرے، چپقلش کا اندازہ سمجھ رکھنے والے ناظرین کے لئے دشوار نہیں! اونٹ سے اونٹ لڑ رہے ہیں، اور شخند سے شخند لڑ رہے ہیں، اونٹ اپنی طرف زور زور سے بلبلا رہے ہیں، اور ان بے زبان جانوروں سے کہیں زیادہ پیچ پیچ کر ان کے زبان و دراز جال اور علم، اور معلوم کے کارندے آسمان سر پر اٹھائے ہوئے ہیں! اور شخند فون کے اوپر جھومواریاں بیٹھی ہوئی ہیں، کچھ نہ پوچھئے کہ خوف و دہشت سے ان کی کیا حالت ہو رہی ہے! کچھ گلا بھاڑ بھاڑ کر چلا رہے ہیں، اور یہ سمجھ رہے ہیں کہ ان کا شخند اب گرا اور اب گرا، اور کچھ بدحواس ہو کر بالکل چپ سا دھو گئے ہیں! اور گروہ و غبار کی توجہ ہی نہیں، ہاتھ اور پیر، کان اور ناک، سر اور منہ، سب خاک سے اٹے ہوئے! اس وقت اپنی جان عزیز کے لئے پڑے ہوئے ہیں، صفائی اور پاکیزگی کا خیال کس کو!

بڑی فکر یہ سوار تھی، کہ چل کہاں رہے ہیں، اور منزل پر پہونچ کر اتریں گے کہاں؟ عرفات کے میدان میں قیام کر کے خوب تجربہ ہو چکا تھا، کہ عرب کی بے پناہ گرمی سے معلم صاحب کے عنایت کئے ہوئے، دو تنگ اور ہلکے خیمے کہاں تک پناہ دے سکتے ہیں، پھر وہاں تو چند گھنٹے کا معاملہ تھا، کسی طرح گزر ہو گئی

ہیام پورے تین دن قیام کرنا ہی، قریباً نیاں ہوگی اور قریباً نیوں کے بعد اپنے ہاتھوں  
 کی پیدائی ہوئی گندگی اور عفونت کی بنا پر جو دبائی بیماریاں پھیلنے لگیں اسکا کیا علاج  
 ہوگا؟ دماغ میں یہ فکریں گونج رہی تھیں کہ مہربان مسلم صاحب نے یہ مژدہ سنایا  
 کہ خیمے ہنوز نصب نہیں ہوئے، بلکہ ہم لوگوں کے پہنچ لینے کے بعد کہیں نصب  
 ہونے شروع ہوں گے! انا اللہ! اس کو چھوڑے کہ نصب کس مقام پر ہونگے، وہ جگہ  
 کیسی ہوگی، ابھی سرے سے نصب ہی نہیں ہوئے ہیں، اور نہ ان کے نصب ہونے کی  
 کوئی عجلت ہے! فرنگی قوموں کا نکتہ چیں مدیر سچ سے بڑھکر اور کون ہوگا، لیکن  
 ایسے موقعوں پر شرم و ذمات سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے دیندار، کاش ان کے دینوں  
 ہی سے کچھ سبق حاصل کرتے! بڑے سے بڑے مجمع ان دینا پرستوں کے ہاں بھی  
 ہوسکتی تھیں، پھر آخر وہ کس طرح خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے مہمانوں  
 کی راحت اور پردیسوں کی آسائش کا سامان بات کی بات میں کر دیتے ہیں اور  
 پردیس کو دیں سے بھی کہیں بڑھکر خوشگوار بنا دیتے ہیں! یہ بالکل صحیح ہے، کہ عبادت  
 عبادت ہی کے لئے کیجاتی ہے، نہ کہ لذت اور مزہ داروں کے لئے! لیکن بلا ضرورت  
 مشقت اور تعب برداشت کرنا اور عبادت کو بلا وجہ تکلیف دہ اور ناخوشگوار بنا دینا،  
 آخر کس آئین شریعت و قانون طریقت کے مطابق ہے؟

چننے مکانات کی قدر آج جا کر معلوم ہوئی، اپنے دیں میں آنکھ کھولی، تو بخیتہ  
 مکان کے اندر، ساری عمر حویلیوں اور کوٹھیوں ہی میں گزری، دل نے معمولی  
 بات اور انھیں اپنا فطری حق سمجھ کر ان کی قدر نہ پہچانی، اور ایک اسی پر کیا موقوف

ہے، اللہ کی جو بھی نعمت بلا مشقت اور فراوانی کے ساتھ ملتی رہتی ہو، ان سب  
 کے ساتھ اپنی ناسکریوں کا یہی معاملہ رہتا ہو، آج جب اپنے قبضے میں کوئی پختہ  
 چھت نہ تھی، اور یہ تصور پیش نظر تھا، کہ مئی کے مہینے میں عرب کے ملک میں تین دن  
 اور دو راتیں مع ایک پورے قافلہ کے اگلے میدان، یا کپڑے کی چھت کے نیچے کاٹنی  
 ہونگی، تو زندگی میں پہلی بار یاد پڑا، کہ بچہ مکان کا میسر آ جانا بھی اللہ کی ایک خاص  
 نعمت ہو، اور اللہ کے ہمتیار بندے ایسے ہیں، جو ساری ساری عمریں بغیر اس نعمت  
 ہی کے بسر کر دیتے ہیں، حیدر آباد کے سرکاری قافلہ کے لئے جو بچہ مکان یہاں کرپہ  
 پرے لیا گیا تھا، وہ عظیم الشان ہی، اور یہ بھی صحیح کہ حجاج حیدر آباد کے سرکاری  
 ایجنٹ، حاجی بلال صاحب بڑے خلیق اور سالار قافلہ میر فیض الدین صاحب مکمل  
 ان سے بھی بڑھکر خلیق، متواضع و ہمان نواز، لیکن بہر حال ان بیچاروں کے پاس  
 بھی تو جگہ محدود ہی ہے، دو ایک آدمی ہوتے تو بھی مضائقہ نہ تھا، لیکن یہ پورے  
 سولہ آدمی، جنہیں عورتیں بھی ہیں، اور بوڑھے بھی، وہاں کہاں ٹھہر سکیں گے، اور  
 ان کی راحت و آسائش کے لائق وہ لوگ یہاں سے انتظام کر سکیں گے۔  
 —————  
 دل بھی اسی جھیں بھیں میں تھا، اور قریب تھا، کہ معلم صاحب کسی  
 مقام پر شرفون کو اتارنے کا حکم دیدین، کہ اتنے میں ہماری سالی صاحبہ، یکم نواب  
 ناظر یار جنگ بہادر، جج ہائی کورٹ، حیدر آباد مع اپنے شوہر کے دکھائی دین (حیدر آباد  
 کے ناظر یار جنگ بہادر اور لکھنؤ کے ڈاکٹر ناظر الدین حسن بیرسٹریٹ لاسے وکن اور اوڈ  
 میں کون ناواقت ہو گا؟ یہ بھی مع اپنے شوہر اور بچوں کے اسی سال جج کے لئے آئی  
 ہوئی ہیں، انکا ملنا تھا کہ مکان کی مشکل آسان تھی، ان کے پاس علاوہ اچھے وسیع

و مضبوط خیموں، اور قنا تون سے بھرے ہوئے صحن کے، ایک مختصر پختہ مکان بھی  
 تھا اور اچھے موقع سے تھا، آدھ گھنٹہ میں میرا ذاتی قافلہ آٹھ آدمیوں کا، ان کا ہمارا  
 تھا، بقیہ آٹھ ساتھی حیدر آباد والے مکان میں اتر پڑے، اور وہ سب بھی آرام سے رہے  
 —————  
 باد آدم جنت سے جدا ہونے کے بعد جب مزدلفہ میں اما حوا سے  
 ملے تھے تو انکی اس وقت کی مسرت کی روایتیں اور حکایتیں بہتوں نے پھیلا  
 پھیلا کر لکھی ہیں اس مسرت و راحت کا ایک ہلکا سا نمونہ اس ابن آدم کو مزدلفہ  
 میں نہ سہی، مئی میں یومی کی بہن سے مل کر دیکھنے میں آیا، اسے کوئی صاحب محض  
 لطیفہ نہ سمجھیں، یہ واقعہ ہے کہ جو راحت و آسائش اس پختہ مکان کے نصیب  
 ہو جانے سے ملی، اس کی عشر عشر بھی خیمہ میں ممکن نہ تھی،

آج ارذی الحجہ کو مئی میں داخل ہوتے وقت اگر یہ دعا پڑھی جائے  
 تو بہتر ہے :-

اللهم هذا بمني قد ايتھا وانا | اے اللہ میں آج مئی میں پہنچا ہوں، میں تیرا  
 عبدک و ابن عبدک | سائلک ان | بندہ ہوں اور تیرے بندہ زادہ ہوں، تجھ سے  
 تمن علی بھما منت بہ علی اولیائک | التجا کرتا ہوں کہ میری آرزو میں پوری کر  
 اللهم انی اعوذ بک من الهم مان | جس طرح تو نے اپنے اولیاء کی آرزو میں پوری  
 و المصیبة فی دینی یا ارحم الراحمین | کی ہیں، اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں کہ تو  
 الحمد للہ الذی المفق سالماً | کے باب میں محرومی اور مصیبت میں پر ڈون  
 معافیا | لے رہے ہوں بڑھ کر رحم کرنے والے، شکر ہو، اس پر

رہتی کے دوران قیام میں خاص عبادتیں یہ چار ہیں، شیطانوں کے کنکریاں  
 مارنا، جسے اصطلاح میں رمی کرنا یا رمی جہرات کرنا کہتے ہیں، قربانی کرنا، حلق یا قصر  
 (یعنی سر کے بال منڈانا یا کترانا) اور مکہ شریف جا کر طواف زیارت کرنا، ترتیباً رمی کا شروع  
 کر دینا سب سے مقدم ہے، روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ جب اپنے بچپن میں  
 حضرت اسماعیلؑ کو ذبح کرنے لے چلے ہیں، تو راستہ میں تین مرتبہ شیطان ملا، اور باپ  
 بیٹے کو راہِ حق سے بہکانا چاہا، اور تینوں مرتبہ ناکام و نامراد رہا، اس واقعہ کی یادگار  
 میں انھیں تینوں مقامات پر پتھر کے قدر آدم ستون بے سنگم اور بے ڈول سے تعمیر  
 کر دیئے گئے ہیں، اور ربِّ جلیل کے بندے، سنت خلیلؑ کے قائم رکھنے کو آج تک  
 برابر انھیں مقامات پر شیطان کو کنکریاں مارتے چلے آ رہے ہیں، ہر ستون کو حجرہ  
 کہتے ہیں، جہرات اور چار اسی لفظ حجرہ کی جمع ہے ”رمی“ کے لفظی معنی مٹی پھینکنے کے  
 ہیں، تینوں حجرے عین سڑک پر بازار کے وسطا و وسطین واقع ہیں، جو حجرہ  
 مکہ سے آتے وقت سب سے پہلے رہتی کے کنارے پر پڑتا ہے، اسے حجرہ عقبہ کہتے ہیں  
 دوسرے کو حجرہ وسطیٰ اور تیسرے کو حجرہ اولیٰ، جو عرفات و مزدلفہ کی سمت میں  
 واقع ہے، عوام کی زبان میں یہ بڑا شیطان، مچھلا شیطان، چھوٹا شیطان کہلاتے  
 ہیں، تینوں کے درمیان ایک ایک دو دو فرلانگ کا فاصلہ ہے،

آج حجرہ عقبہ کی رمی کرنی چاہئے، اور آج کے لئے صرف ایک حجرہ کی رمی  
 ہے، باقی دو کی نہیں، رمی کی کنکریاں، جنس زمین سے ہونا چاہئے، یعنی پتھر یا مٹی  
 کی کنکریاں، اگر کوئی شخص لوہے، سونے چاندی کی کنکریاں بنا کر مارنا چاہے تو

یہ صحیح نہ ہوگا، کنکر یان تعداد میں سات سے کم نہ ہوں، اگر زیادہ ہو جائیں، مصافحہ نہیں  
ہر کنکر ہی داہنے ہاتھ سے، انگوٹھے اور کلمہ کی انگلی سے پکڑ کر پھینکے، اور پھینکتے وقت  
یوں تکبیر کہنا چاہئے، بسم اللہ، اللہ اکبر، جہاں للشیطان، ساتھ ہی یہ دعا بھی پڑھو  
لے تو بہتر ہے، اللھم اجعل حجی مبروراً، اوسعی مشکوفاً، وذنبی مغفورا، کنکر یان  
بہتر ہے کہ مزدلفہ سے چنکر اپنے ہمراہ لائے، نہ ہوں، تو دوسری کنکر یوں سے بھی  
درست ہے، البتہ جو کنکر یان دوسروں کی پھینکی ہوئی وہاں پہلے سے پڑی ہوئی  
ہیں، انھیں کو اٹھا اٹھا کر رمی کرنا مکروہ ہے، جبرہ عقبہ کے تین طرف نشیب ہو  
بہتر ہے کہ وہیں کھڑے ہو کر رمی کرے، لیکن اگر ہجوم کے باعث وہاں جگہ نہ ملے  
یا زیادہ وقت کا خیال ہو، تو چوتھی طرف پہاڑی ہو، اس کی بلندی سے بھی پھینکنا  
جائز ہے، کنکر یوں کو دھولینا بھی بہتر ہے، تاکہ نجاست کا بشبہ نہ رہے، آج کے  
دن اس جبرہ کی رمی کے بعد ہی چلا جائے، تو وقت کرنا مسنون نہیں، دیکھتے دیکھتے  
محقوڑی ویر میں کنکر یوں کا ایک پورا ٹیلا بجاتا ہو، اگر حاجیوں کا شمار کم سے کم  
تخمینہ کے بموجب، ایک لاکھ ہی فرض کیا جائے، اور ہر حاجی کی کنکر یوں کی  
تعداد بھی کم سے کم فرض کی جائے، یعنی سات سات، تو صرف آج ہی  
کے دن (ابھی آئندہ تاریخوں کا حساب نہیں) اس جبرہ پر کم سے کم سات لاکھ  
کنکر یان تو اکٹھی ہو ہی جاتی ہیں، لیکن اللہ کی قدرت، کہ آپ ہی آپ یہ سارا ٹیلا  
غائب بھی ہو جاتا ہو، اور حج کے بعد اگر دیکھئے تو پھر وہی صفا چٹ میدان، رمی پیر  
بھی کرنا حائز ہو، لیکن امام ابو حنیفہؒ و امام احمدؒ کے قول کے مطابق سواری کے  
ادھر کرنا افضل ہو (قاضی خان) بہتر یہ ہے کہ ہر حاجی اپنے ہاتھ سے رمی کرے،

لیکن پیاروں، االقانون، اور معذوروں کی طرف سے بیابہ کوئی دوسرا بھی کر سکتا ہے، اس رمی کا وقت افضل و مندو آج کی تاریخ طلوع آفتاب سے لیکر زوال تک ہے، زوال و غروب کے درمیان بھی بلا کر اہت جائز ہے، بعد غروب طلوع صبح صادق تک جائز ہی، مگر یہ کر اہت، البتہ اب تک تقریباً ہر موقع کا ایک ضروری جزو تھا، پہلی رمی کے ساتھ ہی اسے موقوف کر دینا چاہئے۔

اہم لوگ مجدد و پھر تک رمی سے فارغ ہو گئے، اس کے بعد قربانی کا نمبر آتا ہے، قربانی کے لئے تین جائز شریعت نے رکھے ہیں، اونٹ، گائے، بھیر یا بکری، اونٹ گائے اور بیل میں سات سات آدمیوں کی شرکت ہو سکتی ہے، بھیر اور بکری میں شرکت، مذہب حنفی میں جائز نہیں، ہر شخص کی طرف سے ایک ایک بکری یا بھیر ہونی چاہئے، اس کے باوجود بھی کفایت بھیر یا بکری ہی میں ہوتی ہے اونٹ کثرت سے قربانی کے لئے ملتے رہتے ہیں، لیکن سات حصوں میں تقسیم ہونے پر بھی خاصے گران پڑتے ہیں، گائے بیل بھی ابھی خاصی تعداد میں مل جاتے ہیں لیکن اگر کفایت کا خیال مد نظر نہ ہو، اور حبیب میں کافی گنجائش ہو تو افضل یہی ہے کہ اونٹ کی قربانی کرے، فقہاء کی تصریحات اونٹ اور بھیر گائے کے حق میں ہیں

اعلا بد، نفع الاہل و البقر (در احتیاط) بہترین قربانی اونٹ اور گائے کی ہے،

ایک قربانی اعلیٰ و افضل ہے، اور وہ اونٹ کی ہے،

لہ اعلیٰ دھو الاہل دھو افضلہ و

ایک درجہ اوسط کی ہے، اور وہ گائے کی ہے،

اوسط دھو البقر (مطہاوی)

ہمارے مذہب میں سب سے اعلیٰ قربانی اونٹ کی

عندنا افضلها الاہل تم البقرہ

شم الغنم (منع القدر)

ہے پھر گائے کی اور پھر بکری کی

امام شافعیؒ نے عطا کے حوالہ سے یہ روایت بھی نقل فرمائی ہے، کہ سب ادنیٰ قربانی بھیڑ بکری کی ہے، بکریوں اور بھیڑیوں کا نرخ منیٰ میں تقریباً وہی ہے، جو ہندوستان میں عید منیٰ کے موسم میں ہو جاتا ہے، پہلے ہر شخص جہان چاہتا تھا اپنا جانور ذبح کر ڈالتا تھا، لیکن گوشت کھال ہر جگہ پڑی رہتی تھی، گو یا سارا منیٰ ایک وسیع مذبح تھا، اس سے قدرۃً عفو نہ پھیلی، اور طرح طرح کی دبا منیٰ نمودار ہوئیں، ایک سال خدا کے فضل سے اس طرح کی لغویت نہیں ہوئی، ایک مستقل مذبح بن گیا، وہیں جا کر سب قربانیں کیں، اور دباؤں اور بیماریوں سے بالکل امن رہا، ہمارے قافلہ میں شیخ مشیر الزمان صاحب، ہمہ تن خلوص و فطرت ہیں، اور ایک بیکر ایشاد و انقیاد، قافلہ بھر کا سارے سفر میں اول سے آخر تک علی اور انتظامی کام وہی کرتے رہے، آج بھی اس کڑی دھوپ میں ہم لوگوں کو تو باہر نکلنے کی ہمت ہوئی نہیں، وہی بیچا ہے جا کر ہم آٹھ شخصوں کی طرف سے قربانیاں کر آئے،

یاد رہے کہ سات و آٹھ کی درمیانی شب میں حج کے لئے جو احرام باندھا تھا وہ ابھی بندھا ہوا ہے، اور احرام کے جو قیود و شرائط ہیں، ان کی پابندیاں آٹھ تک بدستور نافذ ہیں، صرف تلبیہ (لبیک کنسا) البتہ پہلی رمی کے بعد موقوف ہو گیا ہے، قربانی سے فراغت کے بعد احرام اتارنے کی فکر ہوئی، اس کے لئے مذہب حنفی میں ضروری ہے کہ پہلے سر منڈا دیا جائے، یا کم سے کم بال کتر و دیئے جائیں، فضیلت سر منڈانے والوں کو ہے، سرور کائنات (صلعم) نے ان کے حق میں از خود دعا فرمائی



ہے، اور بال کتر دلنے والوں کے حق میں صحابہؓ کے اصرار سے، فقہنا لکھتے ہیں، کہ سر  
 منڈانا ایسا ہے، جیسے غسل کرنا، اور بال کترانا ایسا ہے، جیسے وضو کرنا، بہر حال  
 اب حجام کی تلاش شروع ہوئی، ایک پیر مرد ستیا بھوئے، اتفاق سے وہ یہی  
 نہیں کہ ہندوستانی اور ہمارے صوبہ کے تھے، بلکہ خاص ہمارے ضلع بارہ بنکی کے  
 نکلے، تیس چالیس سال ہوئے وطن چھوڑ کر مہین چلے آئے ہیں، عورتوں کے لئے  
 سر منڈانا جائز نہیں، ان کے لئے بالوں کی لٹ انگی کی ایک پور کے برابر کا ٹڈا  
 کافی ہے، سر منڈالتے وقت کچھ دعائیں پڑھتے رہنا، اور تکبیر کہتے رہنا، مستحب ہے، لیکن  
 ہمارے حجام صاحب کو امڈ کے ذکر سے زیادہ دیکھپ اپنی باتیں معلوم ہوئیں، عصر کا  
 وقت آخر ہو رہا تھا، کہ ہم لوگ حجامت سے اور غسل سے فارغ ہو گئے، حج کی دریا  
 (احرام) جسم سے اتار دیا اور سب نے اپنا معمولی لباس پہن لیا،

## باب ۳۳

### منیٰ بحد حج نمبر (۲)

کلام مجید میں ایک مقام پر، جہاں مناسک حج کا ذکر ہے، ایک حکم یہ بھی ہے، کہ  
 وليتطوفوا بالبيت العتيق (سورہ حج) لوگ خانہ کعبہ کا طواف کریں حج کے اہلی  
 رکن یعنی فرائض، احرام پوشی کے بعد صرف دو ہیں، وقوف عرفات اور طواف  
 کعبہ، مفسرین و فقہاء کا اجماع ہے کہ جو طواف فرض ہے، وہ یہی طواف ہے، جو وقت  
 عرفات کے بعد، یوم عید (اردی الحجہ) کو یا اس کے بعد کیا جائے، اس سے قبل جو  
 پہلا طواف کیا تھا، وہ عمرہ کا طواف تھا حج کا طواف نہ تھا، درمیان میں اور  
 جتنے طواف کئے تھے، سب نفل طواف تھے، طواف فرض کا وقت اب آیا، اس کے  
 لئے ضروری ہے کہ منیٰ سے جا کر کیا جائے، اور بہتر یہی ہے، کہ اس سے فارغ ہو کر  
 پھر منیٰ میں واپس آئے، اور یہاں رمی جبرات (شیطان پر کنکریاں مارنے) تکمیل  
 تک پہنچائے، اس طواف کا مشہور نام طواف زیارت ہے، طواف رکن طواف  
 اضافہ، طواف یوم النحر بھی اسی کو کہتے ہیں، یہ طواف قربانی کر کے اور سر منڈانے  
 کے بعد ہر وقت کیا جاسکتا ہے، اس کا وقت ارکب صبح سے شروع ہو کر ارادہ

تک رہتا ہو، لیکن افضل یہ ہے کہ اگر یہی کو کرے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسہی کو یہ طواف  
 اور فرمایا تھا طواف کے طریقے اور تفصیل سے بیان ہو چکے ہیں، بس انہیں طریقوں  
 پر یہ طواف بھی ہوگا، اسی طرح باب اسلام سے مسجد حرم میں داخلہ، اسی طرح نیت  
 طواف، اسی طرح سات پھرے، اسی طرح مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز، اسی  
 آب زمزم کے تبرک سے فیض پائی، اسی طرح صفاء و مروہ کے درمیان سہی غرض  
 کوئی نئی بات اس طواف کے ساتھ مخصوص نہیں،

حدیث اور فقہ کی کتابوں میں ایک بحث یہ آتی ہے، کہ کسی شخص نے صبح کے وقت  
 یہ طواف کیا، اور منیٰ بھی اسے واپس آنا ہو، تو وہ نماز ظہر کہاں پڑھے؟ مسجد حرام  
 میں یا منیٰ میں واپس اگر؟ حدیث میں روایات دونوں طرح کی ملتی ہیں، اور  
 لطف یہ کہ ہے کہ دونوں روایتیں صحیح مسلم کی ہیں، پہلی حدیث باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں  
 حضرت جابرؓ کے حوالہ سے ایک بڑی طویل روایت میں آتی ہے، اور اس میں  
 صاف یہ فقرہ آتا ہے کہ

<p>خافاض الی البیت فصلۃ بمکۃ          حضور نے خانہ کعبہ کے طواف افاضہ کے          بعد کہ میں نماز ظہر ادا کی،</p>	<p>الظہر،</p>
---------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------	---------------

اور دوسری حدیث باب استیجاب طواف الافاضۃ یوم النحر میں حضرت عبد اللہ

بن عمرؓ کے حوالہ سے یوں آتی ہے۔

<p>عن نافع عن ابن عمرؓ ان النبی          صلی اللہ علیہ وسلم افاض یوم النحر ثمر، حج</p>	<p>نافع حضرت ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ          رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارذی الحجہ کو طواف</p>
--------------------------------------------------------------------------------------------	----------------------------------------------------------------------------------------------------------------

فصل الطہر بمنی،

افاضہ کیا اس کے بعد واپس چلے آئے اور

نماز طہر منی میں ادا کی،

صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ حضرت نافعؓ سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ تعامل بھی منقول ہے کہ

قال نافع فكان ابن عمر يفيض يوم

الضحى ثم يرجع فيصلى الطهر بمنى ويكفي

ان البنى صلعم فعلة

آپ دسویں ہی کو طوافِ افاضہ کیا کرتے تھے

اور پھر نماز طہر منی میں واپس آکر پڑھا کرتے تھے

اور فرماتے تھے کہ یہی عمل تمہارے رسول صلعم کا

محدثین نے دونوں معارض روایتوں کے درمیان تطبیق یوں دی ہے کہ

حضورؐ نے طواف قبل زوال فرمایا اس کے

بعد نماز طہر اول وقت کہ میں پڑھ لی، پھر

منیٰ واپس تشریف لائے، تو صحابہ کے دریا

فرمانے پر حضورؐ نے ان کے ہمراہ منیٰ میں دو

پھر نماز پڑھ لی، اور یہ دوسری نماز بطور نماز

نفل کے ہو گئی،

وصحة لم يجمع بينهما انه صلعم طواف

للافاضة قبل الزوال ثم صلى الطهر

بعكته في اول وقتها ثم يرجع الى

منافضتي بها الطهر صرة اخرى

باصحابه حين سألوا ذلك فيكون

منفلاً بالطهر الثانية القى بيها

یہ عبارت علامہ نووی شارح مسلم کی تھی، اور اسی قول کو بہتوں نے

اختیار کیا ہے۔

یہ فیصلہ محدثین کا تھا، ہمارے فقہاء رحمہم اللہ میں صاحب فتح القدیر نے یہ بات

خوب لکھ دی ہے، کہ جب دو روایتیں ایک دوسری کے متضاد ملتی ہیں، تو دونوں

ساقط ہو جاتی ہیں اور نماز ظہر تو بہر حال پڑھنا ضروری ہو، پس بہتر ہے کہ اسے  
 مکہ ہی میں پڑھا جائے، کہ مسجد حرم کی نماز کی فضیلت بجائے خود ثابت و مسلم ہے،  
 اور کو اتنی مہلت تو کیا ملتی، دن نکلنے کے دو تین گھنٹے بعد تو پہونچے ہی تھے، قافلہ  
 کی تلاش، وہاں سے کنکریاں پھینکنے کے لئے مجمع کو چیرتے ہوئے، اور خاصی مسافت  
 طے کر کے حجرہ عقبہ تک جانا، ہجوم کے اندر گھس پل کر کسی طرح رمی سے فاسخ ہونا  
 اور پھر اسی طرح مجمع کے اندر سے دھکے کھاتے ہوئے واپس آنا، کھانا کھانا، قربانی  
 کرنا، سر منڈانا، غسل کرنا، سارا دن اسی میں تمام ہو گیا، اور اسے قبل طواف  
 زیارت کے لئے مکہ جانے کی نوبت نہ آ سکی، ابھی گذر چکا ہے کہ ۱۰ کا طواف فضیل ہو  
 لیکن دین فطرت میں ہر طرح کی آسانیوں اور سہولتیں ہی ہیں، دین سختیوں اور  
 دشواریوں کا نام نہیں، فقہاء رحمہم اللہ کے ہاں یہ تصریح بھی موجود ہے کہ ساتھ  
 میں اگر عورتیں ہوں، تو بلا تکلف بجائے ۱۰ کے ۱۲، ۱۱ کو طواف کیا جاسکتا ہے،  
 اس لئے کہ اگر کو ہجوم بہت زیادہ ہوتا ہے، یہ رعایتیں اور رخصتیں ہم جیسے ضعیف  
 کے حق میں پروانہ رحمت ثابت ہوتی ہیں،

۱۱ ذی الحجہ کو صبح سے سواری کی تلاش شروع ہوئی، یاد رہے کہ مکہ سے  
 ۱۱ ذی الحجہ پانچ دن کے لئے جواز نہ کرایا پر کئے گئے تھے، ان کے کہ یہ میں مٹی  
 سے مکہ تک کا یہ طواف زیارت والا سفر شامل نہ تھا، — کم از کم ہمارے علم  
 نے تو یہی دستور یہیں بتایا، — بہر حال خاصی تلاش و انتظار  
 کے بعد چار اعرا بیوں سے کرایہ طے ہوا، ہمارے قافلہ کے علاوہ ناظر یا جنگ کا

کا قافلہ بھی ہمراہ ہوا، اس لئے اتنی سواریوں کی ضرورت پڑی، اعرابی کی بات پہلے کسی مقام پر ذکر آچکا ہے، کہ حیدر آبادی جھٹکے کی طرح ایک کس نما سواری ہوتی ہے، جس کے اندر بیٹھنے کے بعد آدمی بند ہو جاتا ہے، ان اعرابیوں کا تجربہ بیشتر بھی ہو چکا تھا، آج پھر ہوا، ہر اعرابی کے اندر چار چار پانچ پانچ سواریاں بیٹھتی ہیں، کسی میں گھوڑا، اور کسی میں خرچتا ہوتا ہے، عرب کے گھوڑوں کی تعریف ہمیشہ سنتے آئے تھے، لیکن وہ نسل شاید اب ناپید ہو گئی ہے جو کچھ دیکھا، وہ اس سے بالکل مختلف تھا، جو کچھ اب تک سنا تھا، ہر گھوڑا امریل، اور خالی مرل ہی نہیں، اڑیل بھی اہل اسے ہان کے اکون کے ٹٹوان سے بدرجہا بہتر ہوتے ہیں، اور اعرابیوں کی حالت گھوڑوں سے بھی ابتر! خدا معلوم مکہ کی حکومت بلدیہ ایسی سٹرل سواریوں کو پاس کرتے وقت اپنے احساس ذمہ داری کو کھانا رکھ آتی ہے، یہ شبہ فیصل اس لئے حوالہ قلم ہو رہی ہے کہ جو دینی بھائی اس سفر نامہ کو پڑھیں، وہ ہر موقع کی راحتوں اور زحماتوں دونوں کا بیشتر سے خوب اچھی طرح اندازہ لگائیں، اور ہر موقع کے لئے اسی مناسبت سے تیار ہیں جو زحمت خلاف توقع اور اچانک پیش آجاتی ہے، وہ محسوس بھی بہت اند ہوتی ہے، فی اعرابی کرایہ غالباً چار چار ریال سعودی (ایک یال ہندوستان کے تقریباً ۱۰ روپے کا ہوتا ہے) طے پایا راستہ ابھی نصف طے ہوا تھا، کہ بلا کسی ہر سبب کے اچانک چارمی اعرابی الٹ گئی، جانور الگ، اور سواریاں ایک دوسرے کے اوپر اسی اعرابی کے قفس کے اندر بند اہم لوگ تو خیر محفوظ رہے البتہ منشی امیر احمد صاحب علوی کا کوردی (جس کا ذکر مدینہ منورہ کے ذیل میں

آچکا ہو، کا پیر ایک ٹوٹے ہوئے تختے میں بھینس گیا، اور ان بیچارے کے چوٹ  
 اچھی خاصی آئی، مرہم پٹی کا سامان بھلا کہاں دستیاب ہوتا، پیر پانی سے دھو کر  
 بیچارے پھر سے سوار ہوئے، اور شکر کے نہ سہی، صبر کے مراتب از سر نو طے  
 ہونے لگے،

ہندوستان کی گھڑیوں کے اعتبار سے، کوئی ساڑھے آٹھ کا وقت ہوگا  
 کہ حرم شریف کے دروازوں پر پہنچ گئے، جنت الملیٰ، مرذی الحجہ کو منیٰ  
 جاتے وقت بھی راستہ میں پڑا تھا، لیکن آج اسے زرا زیادہ غور و اطمینان  
 سے دیکھنے کا اتفاق ہوا، اور جتنا قریب سے دیکھا، اسی قدر حسرت میں بھی اضافہ  
 ہوا۔۔۔۔۔ خیر یہ تذکرہ تو پھر کبھی ہوگا، درحرم پر پہنچے، اور اندر داخل  
 ہوئے ہی ساری کلفتیں، ساری زحمتیں، ساری تکلیفیں دور تھیں، وہی بشارت  
 وہی مسرت، وہی تازگی! اللہ اللہ! گھر والے نے گھر کی کیا شان رکھی ہے!  
 تسکین و تسلی کے سائے نشے، اطمینان و سکون خاطر کی ساری تدبیریں لیٹ  
 اور اس بے گھر والے کے گھر کی زیارت، اس بے مکان اور لامکان والے  
 مکین کے مکان کا دیدار دوسری طرف ابرزگون نے کہا ہی، کہ دل کا سکون  
 اور چین چاہتے ہو، تو دل کا تعلق اللہ سے پیدا کرو، یہاں یہ عرض کرنا ہی  
 کہ اللہ سے دل کا لگانا تو اللہ والوں کا کام ہو، اللہ تک اگر براتی مہت اور  
 کمند و حوصلہ کی رسائی نہیں ہوتی، تو بیت اللہ تک کیوں نہ پہنچے؟ اور دل  
 کے تصور کو چھوڑ کر آنکھوں سے دیدار کی دولت کے حصول میں کیوں قصور

کیجئے ہر مکان ولے کا جمال کا حال تو قدوسین اور ملکوتیوں سے پوچھئے، باقی خود  
مکان کے در و دیوار میں جو حسن و جمال ہے، جو کشش و مدعا کی ہے، جو زیبائی و محبوبی  
ہے، اس سے اگر کوئی خاکی و ناسوتی باوصف قدرت محروم رہے، تو اس پر اسے  
کی عروضا پر جب چاہتا ہے دل کھول کر آنسو بہا سیکے، لوگ کہتے ہیں، اور سچ کہتے ہیں  
کہ آج کے سفر میں بڑی بڑی زحماتیں پیش آتی ہیں، لیکن اداسے فریضہ سچ کا تو آ  
الگ رہا، عرفات کی حاضری، مزدلفہ کی شب باریش، منی کی قربانی، یہ ساری چیزیں  
الگ رہیں، محض کعبہ کا دیدار، سیاہ پتھر ولے اور سیاہ غلات ولے بقیعہ نور کا پر تو جہاں  
جائے خود وہ نعمت ہے، کہ اس کی قیمت میں اگر صد ہا سفر اور ہر سفر کی صد ہا زحمتیں  
اور مصائب، پیش کرنی پڑیں، تو رب کعبہ کی قسم ہے، کہ سودا پھر بھی ارزان ہے!  
یہ جو کچھ کہہ رہا ہوں، اپنے جیسے کو لبسردن اور پھیٹھ وینا ولدون کی زبان سے  
کہہ رہا ہوں، اور عارفوں اور بصیرت والوں کے نزدیک تو ہر بار اگر سر بھی نہ  
کہنا پڑے، جب بھی یہ سودا گران نہ ہو!

متاع وصل جانان بس گران مست

گر این سودا بہ جان بونے چہ بونے

”وصل جانان“ سے شاعر نے جو کچھ بھی مراد لی ہو، ہم کو تاہم بیون کے لئے تو  
در جانان تک رسائی اس گھر کی زیارت ہی سب سے بڑی دولت اور اپنی بہتوں کو  
حوصلوں کا آخری منتہی ہے!

طوائف اس سے پیشتر متعدد ہو چکے تھے، مگر آج کے طوائف کا کیا کہنا، صبح کا ٹھنڈا



وقت، مجمع نسبت بہت کم، عرفات و مزدلفہ سے واپسی کی برکتیں، ادا لے فرض کا احسان  
 سب نے مل کر عجیب کیفیت پیدا کر رکھی ہو، مکان کے ہر چکر کے ساتھ، صاحب مکان  
 پر فدا ہونے کو جی چاہ رہا ہو، ملتزم پر دعا مانگنے کا موقع بھی آج ہی ملا، حجر اسود  
 اور خانہ کعبہ کی چوکھٹ کے درمیان، دیوار کا جو حصہ ہے، اور جو کوئی، بالشت ہو  
 اس کا نام ملتزم ہو، اور جو مقامات اجابت دعا کے لئے مخصوص ہیں، ان میں سے  
 ایک مقام یہی ملتزم ہو، حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 یہ قسم ارشاد فرمایا کہ یہ وہ جگہ ہے، جہاں میں نے جو دعا مانگی، مقبول ہوئی، جب  
 رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں دعائیں مانگی ہیں، اور بار بار مانگی ہیں، اور ہر مرتبہ اپنی مانگی  
 مراد میں پائی ہیں، تو کوئی امتی یہاں کیوں کی کرے، وہ بیچارہ تو ہمہ اعتیاج اور  
 ہمہ درماندگی ہے، مناسک کی کتابوں میں آتا ہے، کہ ملتزم سے لپٹ کر ملتزم کے  
 لفظی معنی بھی یہی ہیں کہ "جس سے لپٹا گیا" اور غلاف کعبہ کو تمام کرب خوب دعائیں مانگی  
 حضور قلب کے ساتھ مانگے، اور ہو سکے تو آنسوؤں کا تحفہ نیاز ناز دل کی محبت  
 میں پیش کرے، بعض روایات میں آیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ میری ملتزم سے لپٹے  
 ہوئے، یہ دعا مانگتے رہتے ہیں:-

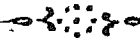
یا اجد یا ماجد لا تزل عنی نعمۃً | اے قدرت والے، اے عزت والے، نعمت  
 (نعمتِ مطلقہ)، | تو نے مجھے عطا کی ہو، مجھ سے زائل نہ فرما!

ان الفاظ کی جامعیت اور ان کی برکت کا کیا پوچھنا، لیکن اکیلی اسی دعا پر  
 موقوف نہیں، اس وقت جو کچھ دل میں آئے، سب کچھ کہہ سنائے، اور جو کچھ چاہے  
 لے، یا جس کسی کے لئے مانگنا ہو، سب کچھ مانگ ڈالے، سو زلزلہ دل و وقت قلب کیلئے

زیادہ فکر و اہتمام نہ کیجئے، وقت اور موقع ایسا ہو کہ انتشار اللہ از خود پیدا ہو کر رہے گی،

ان سطور کا محرک نامہ سیاہ کیا بتائے کہ اُس نے کیا کیا مانگا؟ کوئی دو جاہ  
دس بیس گناہ ہوں تو متعین طور پر انھیں یاد کر کے، اور ان کے نام لے لیکر ان سے  
معافی چاہی جائے لیکن جس کی زندگی کی ساری فروع عمل سیاہیوں کا ایک عجبوہ  
اور تاریکیوں کا ایک قسطل ہو، وہ اپنے کس کس گناہ کو یاد کرے اور کس کس سے  
معافی چاہے؟ مگر خدا کی قدرت اس وقت اپنی ساری خطائیں اور محصیتیں ساری  
تباہ کاریاں اور عیسان شاریاں، ایک ایک کر کے یاد آتی چلی جا رہی ہیں! او  
دعائیں جو زبان سے اور زبانِ قلب سے نکل رہی ہیں، وہ تنہا اپنے لئے نہیں  
بلکہ اپنے والوں کے لئے بھی عزیزوں کے لئے، دوستوں کے لئے، بزرگوں کیلئے  
اور سب سے بڑھ کر امت اسلامیہ کے لئے ہیں، آج ہندوستان میں اور اکیلے ہندوستان  
ہی پر کیا موقوف ہے، سارے عالم اسلام میں مسلمانوں کا کیا حال ہے؟ ان کا  
زوال اور دوبار، ان کی بستی اور فلاکت، ان کی بد نظمی اور بے علی، ان کا نفاق اور  
انتشار کس نوبت کو پہونچ چکا ہے! اسے کعبہ کے مالک، اس قبیلہ و جماعت کے  
انتشار کا دور کر دینا اور ان کے قلوب کو ایمان سے محنِ عمل سے، نورِ ہدایت  
سے باہمی نظم و اتحاد سے مہرور کر دینا، سب ترے ہی ہاتھ میں ہے! ذلتوں کی تہا  
ہو چکی، رسوائیاں اپنی حد کو پہونچ چکیں، اگلی گلی تیرے غلیل کی ذریت پر طعن  
ہیں، طعن ہیں، مضحکہ ہے، اگھر گھر تیرے حبیب کی امت کے ساتھ متحضر و استہزاء ہے

پھبتیاں اور آوازے ہیں، ہم اپنی شور بختیوں سے تو کعبہ کو مدت ہوئی بھلا چکے،  
 اب کیا کعبہ نے بھی ہمارے بھلا دیا؟ اور یہ کعبہ اتیری ذات سہو و نسیان سے (پرستے)  
 ہے تو تو کبھی اور کسی کو نہیں بھول سکتا، کون کہے، اور کس طرح کہے، کہ تو نے  
 بھی طواف کعبہ پر اس لگانے والوں کو، محمدؐ کا کلمہ پڑھنے والوں کو اپنی نگاہ لطف  
 و چشم التفات سے بھلائے رکھا ہے!



## باب ۳۳

### منی بعد حج نمبر (۳۳)

حطیم کا ذکر پہلے آچکا ہے، خانہ کعبہ سے ملا ہوا وہ نیم در و صحن، جو مطاف کے اندر ہی، اور جو حاکم خانہ کعبہ ہی کا ایک جزو ہے، اس میں نماز پڑھنا گویا خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنا ہے، طواف کرنے اور ملتزم سے لپٹ کر دعائیں مانگ چکنے کے بعد آج اطمینان سے حطیم کے اندر بھی حاضری کا موقع ملا جس کا جتنی دیر تک جی چاہا یہاں نمازیں پڑھیں، اور دیوار کعبہ سے لگ لگ کر اور لپٹ لپٹ کر دعائیں مانگیں کسی کسی نے دیوار و فرش کی خاک اٹھا کر بطور تبرک ساتھ لے لی، کہتے ہیں کہ مطاف میں ادلیا، واقطاب و ابدال ہمیشہ حاضر رہتے ہیں، رہتے ہوں گے، ولی کو پہچاننے کے لئے خود نگاہ ولایت کی ضرورت ہے، عایون سے اس بارے میں کسی اظہار رائے کی توقع ہی بیکار ہے، البتہ بعض نورانی چہروں پر انتہائی خشوع و خضوع کے، انتہائی تقصیر و اہتہال کے، انتہائی عبدیت و انابت کے جو آثار نظر آئے، اُن کے حروف و نقوش تو ہم جیسے بے بصر بھی پڑھ سکتے تھے، سبحان اللہ! جب مقام ہی، رحمت و مغفرت کی مہک کام ہو، کیسے کیسے فاسق و فاجر کیسے گنہگار پرچم ہمیشہ عین شہادۃ اپنی تباہ کاریوں اور بد حالیوں کی بنا پر اپنی نجات سے مایوس، اولیاء و کاملین

کے پہلو میں کھڑے ہوئے، اور جس نے

قل یٰعبادِی الذّٰین اسوف اعلٰی انفسہم

لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ

لیغفر الذّنوب جیعاً، انہ ہوا لغفوا

الہیچم، وانیبوا الی سر بکرو اسلفوا

لہ،

(زمر، ع ۶)

لے پیغمبر میرے بندوں سے کہہ دو کہ جھوٹ

نے اپنے اوپر زیادتی کی ہیں، تم اللہ کی رحمت

سے مایوس نہ ہو، اللہ بالیقین تمہارا ہون کو

سمان کر دیگا، واقعی وہ بڑا ہی بخشنے والا

اور بڑی رحمت کرنے والا ہے، اور تم اپنے رب

کی طرف جھکنا اور اس کی فرمان برداری کرنا

کا اشتهار دے رکھا ہو اس مالک و آقا کے در پر پڑے ہوئے، اپنے نجات و مغفرت کی کوئی

ہوئی اس نئے سرے سے جوڑ رہے ہیں، عمر بھر کی سیاہ کاریاں یاد آ رہی ہیں، ہر وہ

شیطن جو شیطان کو بھی شرمندہ کر دینے کے لئے کافی ہو، ایک ایک کر کے قبولی

جاء رہی ہے، اور جب شانِ ستاری، ایک ہر عیب و مساوی پر پردہ ڈالے رہی ہو، اسکے لئے ایک ایک

کا اقبال کر کے آنسو بہا رہے، ہاتھ پھیلا پھیلا کے، پیشانی رگڑ رگڑ کے، نجات و غفران کا پروانہ حاصل کیا جا رہا

دو پہر نہیں ہونے پائی تھی، کہ مٹی کے لئے واپس روانہ ہوئے، جن اعرابیوں

پر آئے تھے، وہ اتنی دیر تک کیا انتظار کرتے، کچھ نئی اعرابیاں کرنی پڑیں بعض

رفقاء کو پھر بھی جگہ نہ ملی، تو گدھوں اور اونٹوں پر سوار ہوئے، یہ اعرابیاں

اور ان کے جانور اور ان کے ہنگامے والے، پہلے سے بھی کچھ بڑے چڑھے

ہوئے نکلے، آدھا راستہ طے ہوا تھا، کہ ایک اعرابی کے گھوڑے نے بالکل

جواب دیدیا، اب بجائے اس کے کہ گھوڑا سوار یوں کو کھینچتا، سوار یاں اعرابی

سے اتر کر گھوڑے کو کھینچ رہی تھیں ایہ سامان بھی دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا، پھر  
 کا وقت مہی کی بے پناہ دھوپ، انگستانی مٹی، سر سے پیر تک پسینے میں شرابور کچھ  
 عورتیں اور بچے گاڑی پر سوار، اور ساتھ کے مرد گاڑی کو ٹھیل ٹھیل کر اور دھکے دے  
 دے کر آگے بڑھا رہے ہیں! اس وقت نہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہاں کوئی مینوسٹی  
 ہے، جو ایسی اعزازی، چلانے والے کا چالان کرے اور نہ یہ یقین ہوتا تھا، کہ یہاں  
 کوئی حکومت ہو، جو ایسے موقع پر بیکس پر دسیوں کو کسی طرح کی مدد دے! البتہ  
 اس وقت تیز ہوا کا چلتے رہتا رحمت ہو گیا، پسینے سے نہالے ہوئے جسم میں گرم  
 ہو اگتی تھی، تو ناگوار ہو کر نہیں بلکہ ٹھنڈی ہو کر خوشگوار معلوم ہوتی تھی، اور  
 ظاہری صعوبت ایک سامانِ تفریح بنی ہوئی تھی! ————— کریم کو کرمی  
 کے بھی کتنے ڈھب آتے ہیں، اچھلائی دوپہر میں، مکہ سے مئی تک یا پیادہ چند قدم  
 بھی چلنا، ہم جیسے تن پروردن کے لئے اپنی خوشی اور مرضی سے بھلا کب ممکن تھا،  
 اور یہ سعادت ہم حبیبوں کے نصیب میں بھلا کب آ سکتی تھی، اس کے لئے کیا نیا  
 ڈھنگ نکالا گیا، اور کس ترکیب و حکمت سے پیدل چلا کر، اس کے اجر کا امیدوار  
 و حقدار بنادیا گیا! شوقین لڑکے اپنے شوق سے علم حاصل کرتے ہیں، لیکن جو ٹھانی  
 کی چاٹ سے پڑھتے ہیں، بہر حال پڑھنے والوں میں شمار تو ان کا بھی ہو ہی  
 جاتا ہے!

مئی پہونچنے کے بعد یحزرمی کے اور کوئی خاص کام نہ تھا، ۱۰ کی رمی کا  
 ذکر گذر چکا ہے، ۱۰ کو صرف ایک جمرہ کی رمی تھی، ۱۱، ۱۲ کو تینوں جہردن

کی ہے ۱۱ اور ۱۲ کی رمی کا وقت بعد زوال ہے، دونوں دن ترتیب یہ رہے گی،  
 کہ پہلے حجرہ اولیٰ کی رمی کرے، جو مسجد خیف کے قریب ہے، اس کے بعد حجرہ وسطیٰ  
 (منجھلے شیطان) کی اور آخر میں حجرہ عقبہ کی، تینوں جہروں پر سات سات کنکریاں  
 پھینکی جائیں گی، رمی پایادہ کرنی چاہئے، البتہ حجرہ عقبہ کی رمی سواری پر بھی  
 جائز ہے، بلکہ امام ابو یوسف کے نزدیک افضل ہے، ان دونوں تاریخوں میں  
 رمی قبل زوال، فقہ حنفی میں درست ہو، اور اگر اتنی دیر کی کہ آفتاب غروب  
 ہو گیا، تو یہ وقت بھی مکروہ ہو جاتا ہے، پہلے دونوں جہروں کی رمی کے بعد سنون  
 یہ ہے، کہ قبلہ رو کھڑے ہو کر کچھ دیر تک تسبیح و تہلیل، استغاثات و استغفار میں مشغول  
 رہے، اور ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگتا رہے، البتہ جس رمی کے بعد پھر کوئی رمی  
 نہیں، یعنی آخری حجرہ (حجرہ عقبہ) کی رمی، اس کے بعد وقت سنون نہیں فوراً  
 پلٹ آنا چاہئے، حجرات کے پاس رمی کے بعد دعا مانگنا، مقامات مقبولیت میں  
 ہے، اور ۱۲ اور ۱۳ کی ان تین تاریخوں میں رمی واجب ہے، ۱۳ کی رمی مستحب کے درجہ  
 میں ہے، ۱۲ کی شام کو، یا شب میں کسی وقت اگر مکہ واپس ہو گیا تو بالکل جائز ہے  
 لیکن اگر ۱۳ کی صبح تک منیٰ میں قیام ہو گیا، تو پھر بغیر ۱۳ کو بھی رمی کئے ہوئے  
 مکہ واپس ہونا درست نہیں،

منیٰ میں یہ دن ڈیڑھ دن، یعنی ۱۱ کی دوپہر سے لیکر ۱۲ کے غروب آفتاب  
 تک، مجدد اللہ لطف سے گزرا، ہر سال سنا کرتے تھے، کہ منیٰ میں سخت خلافت  
 و گنہ گری رہتی ہے، وہاں پھیلی ہیں، پانی کا قحط ہو جاتا ہے، لوگ ہزار ہا کی

تعداد میں ہیضہ اور لوسے مر جاتے ہیں، لیکن اب کی خدا کے فضل سے ان میں سے کوئی بھی شے نہیں پیش آئی، نہ کوئی ویا بھیلی، نہ پانی کا تڑپڑا، نہ لوسے کچھ زائد موٹیں ہوئیں، اور نہ اتنے بڑے جمع کے سحاط سے عفوئت و غلاظت ہی زائد کسی جاسکتی تھی، تین دن ماشاء اللہ منی کا بازار خوب گرم رہتا ہے، ہر وقت ہر طرف خوب چل پھل رہتی ہے، ہزاروں لاکھوں کی خریداریاں ہوتی ہیں، اور ضرورت و شوق کی شاید ہی کوئی چیز ایسی ہو جو ان دنوں میں یہاں نہ مل جاتی ہو، اور پھر بہ افراط نہ ملتی ہو، سیوے تر و تازہ پھل، سبز و شاداب ترکاریاں جتنی چاہئے، لے لیجئے، اور بجائے گوشت اور خشک چیزوں کے، انھیں کا استعمال یہاں کے موسم و حالات کے مناسب بھی ہے، اور کوئی خیر مشغولیت رہی تھی اور کی دوپہر کے بعد سے کوئی خاص کام نہ تھا، بس ادھر ادھر چہرنا، و دست احباب سے ملنا جملہ بعض شوقین مزاجوں کو دعوت کی سوجھتی ہے، خوب خوش منے کی دعوتیں ہوتی ہیں، عوفات اور مردانہ کے بچھڑے ہوئے یہیں آکر ملتے ہیں، مولانا مناظر حسن صاحب اور ایک اور شخص جو ہمارے قافلہ سے بچھڑ گئے تھے، یہیں آکر ملے، حیدر آباد کا قافلہ جہاں ٹھہرا ہوا ہے، وہاں سالار قباقلہ مولوی فیض الدین صاحب و کیل کے حسن انتظام و وسعت اخلاق نے ہمارے ارباب کا سلسلہ خوب وسیع کر رکھا ہے، مولوی ابو الخیر خاں صاحب و کیل و رنگل، اور اور پر بھنی (دکن) کے ایک اور وکیل صاحب (غالباً مولوی خیر الدین نام ہے) اور مولانا شوکت علی کے بھانجے اور داماد عثمان علیخان ماشاء اللہ خوب چاق اور لبثاش نظر آ رہے ہیں، بار بار ملاقاتیں ہوئیں،



رمی کے احکام و شرائط کی تعلیم تینوں تاریخون میں، مسلم صاحب کی ہدایت رہنمائی  
 میں الٹی سیدھی، بری بھلی، جیسی کچھ بھی بن پڑی، ہو گئی، خدا ہی بہتر جانتا ہے  
 کہ ظاہری آداب و شرائط میں کتنی کوتاہیان رہ گئیں، ضابطہ پر ہی کسی طرح ہو  
 ہو گئی، لیکن باطن کے اندر جو خناس سما یا ہوا ہو، اور جو گوشت کے ایک ایک ریشے  
 میں اور خون کے ایک ایک قطرہ میں رچا ہوا ہو، اس پر بھی کوئی کنکری پڑی؟  
 اس پر بھی کوئی ضرب لگی؟ اس کی انانیت بھی گھائل ہوئی؟ تھر کے بنے ہوئے  
 ستونوں پر مار پڑتے سب سے دیکھا، پردل کے پردوں کے اندر جو شیطان بنفس  
 چھپا ہوا ہے، وہ بھی کچھ جروح ہوا؟ خلیلؑ کا بن خلیلؑ کو ہیکانے کی، جس مرد و نہ  
 کوشش کی تھی، وہ تو مومنوں کے ہاتھوں لاکھوں کروڑوں بار ذلیل و رسوا ہو چکا  
 ہے، لیکن خلیلؑ کے نام لیوا، اور خلیلؑ کے رب جلیل کے پرستار جس موزی کے دام  
 بلا میں ہر لمحہ اور ہر آن گرفتار رہتے ہیں، اُسے بھی ذلت و خواری نصیب ہوئی؟  
 اس ظالم کا جہم بھی ان کنکریوں سے چھلنی ہوا؟ — سوالات سب کر سکتے  
 ہیں، جواب کون دے، اور کوئی کیوں دینے لگا؟ جب کسی کی شان ستاری  
 سب کے عیون کو ڈھانپے ہوئے ہے، جب ہر زاغ کو طاؤس کے پروں  
 میں بلبوس کئے ہوئے ہے، جب ہر ویرانہ کو گلستان اور ہر داغ کو  
 چراغ بنائے ہوئے ہے، تو کسی کو کیا پڑی ہے کہ ہانکے پکارے لگوان ٹنگوں  
 کا دفتر کھولی کر بیٹھے، اور ایک ایک کے آگے اپنی حرمیوں اور برگشتہ بختیوں  
 ڈونا روتا پھرے؟

۲ ارکی دوپہر سے واپسی کا کوچ شروع ہو گیا، اور جلد یا زود نے پوری طرح زوال کا بھی انتہا لے لیا۔ آج کی چھٹیش ہر روز اور ہر موقع سے بڑھی ہوئی ہے، آج کی کشمکش کا منظر محض دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے کسی فلم کے بس کی بات نہیں، کہ اس ہجوم اور کشاکش ہجوم کا نقشہ کاغذ پر پیش کر سکے! ایک نار و صد بیار بار ہا سنا تھا، ایک سڑک و صد ہزار سوار کا منظر آج آنکھوں سے دیکھا! سچا رے ستویار ایک انار پر کیا اس طرح ٹوٹ کر گر رہے گے، کیا اس طرح چھین چھپت کر رہ گئے، کیا اس طرح ایک دوسرے سے گھٹس گھٹس گئے، جس طرح سو کے سو گئے، ایک دوسرے سے پیل پیل، دھکم دھکا، اور زور آزمائیوں میں مصروف تھے، معاذ اللہ! معاذ اللہ! ان میں بیمار و لاغر بھی تھے، اور بٹے کٹے تو نا تو تندرست بھی، بوڑھے بھی، اور بچے بھی، شہزادہ مرد بھی، اور کمزور عورتیں بھی، تین اور حلیم بھی، اور جاہل اور اچھڑ بھی، بات کو طرح دے جانے والے بھی اور بلا بات کے ابھو پڑنے والے بھی، پیدل بھی اور سوار بھی، اونٹ اور سائڈیان بھی اور گھوڑے اور گدھے بھی، آنے والے بھی اور جانے والے بھی، ایک سڑک اور ایک رگنڈر ازبانین بھی چل رہی ہیں، اور کینڈا بھی، اور ہاتھ بھی! جو نہیں چل پاتیں وہ صرف ٹانگیں ہیں، اور جو نہیں اٹھ پاتے وہ صرف قدم ہیں! اونٹ سے اونٹ بھر رہے ہیں، شغرت سے شغرت لڑ رہے ہیں، سرنگر رہے ہیں، وحشت زدہ اونٹوں کی بھیانک بلبلاہٹ، اور اس سے کمین زیادہ بھیانک ان کے وحشت زدہ سوار یوں کی چیخ بکار! محض خدا کی قدرت ہے، کہ سیکڑوں حادثے اس وقت واقع نہیں ہو جاتے، کہ سے مٹی آئے وقت اور مزدلفہ سے نئی واپس ہوتے وقت، اور دوسرے موقعوں پر بھی سخت ہجوم و ازدحام

کا سامنا ہوتا ہے، لیکن آج کا نجوم و اثر دھام ان سب کیم بڑھا ہوا ہے، اس کے قاعدہ  
مجموع کو قاعدہ سے لگانا اس پر لوگ مین نظم و انتظام پیدا کرنا، حاجیوں اور پرہیزوں  
کے اس انبوہ کو راحت پہنچانا، سعودی شریعت میں کوئی بدعت عظیم ہے؟

مناسک حج کی کتابوں میں ایک مفصل باب جنایات کے متعلق بھی ہوتا ہے  
اعمال حج کے سلسلہ میں جو فرد گزشتہ ہو جاتی ہیں، یا حاجی جن ممنوعات کا ارتکاب  
کر بیٹھا ہے، ان کو اصطلاح فقہ میں جنایت کہتے ہیں، یہ غلطیان یا تو کسی عذر شرعی  
کی بنا پر صادر ہو سکتی ہیں، اور یا بلا عذر، پہلی قسم کی غلطیوں کے عوض میں کفارہ  
دینا ہوتا ہے، اور دوسری قسم کے معاوضہ میں جزا مقرر ہے، یہ کفارہ اور جزا دونوں  
فقہی اصطلاحیں ہیں، جزا کی دو صورتیں ہیں، ہلکی لغزشوں کے معاوضہ میں ہلکا سا  
صدقہ، اور بڑی خطاؤں کی پاداش میں جانوروں کی قربانی، کفارہ کی صورت میں  
اختیار ہے کہ خواہ صدقہ دے خواہ قربانی کرے، اور خواہ روزہ رکھے، ممنوعات  
کی دو قسمیں ہیں، ممنوعات احرام، و ممنوعات اعمال حج، اور پھر ہر ایک کے تحت  
میں بہت سی صورتیں ہیں، ہر جنایت کی جزا و کفارہ الگ الگ ہے، جس کی تفصیل  
فقہ کی کتابوں میں درج ہے، موٹی موٹی باتیں معلم زبان بتا دیتے ہیں، ہر حاجی کو ان  
سے واقف ہونا ضروری ہے، اس لئے کہ لاکھ احتیاط کیجائے، کچھ نہ کچھ بے احتیاطان  
اور فرد گزشتہ ہو ہی جاتی ہیں، صدقے عموماً ہلکے رکھے گئے ہیں، جو ہر حاجی بہ آسانی  
دے سکے، قربانیان بھی عموماً کچھ زیادہ سخت نہیں رکھی گئی ہیں، ان جزاؤں اور کفاروں  
کے ادا کرنے کا بہترین وقت، یہی ہنی کا زمانہ قیام ہوتا ہے، اردو میں ان جنایات

اور ان کے کفاروں اور جزاؤں کی تفصیل پوری شرح و بسط کے ساتھ مولوی متھلہ صاحب دہلوی کی کتاب الحج والزیارۃ (فتاویٰ عثمانی، جلد ۴) میں لے گی، وہ کافی ہی نہیں بلکہ کافی سے زائد ہے،

عصر کا وقت آیا ہی تھا، کہ ہم لوگوں کے بھی فیے اکھڑنے اور سامان بندھنے لگے اور عصر کا وقت آخر ہو کر آفتاب غروب ہونے کو تھا، کہ ہم لوگ جرہ عقبہ پر آخری رمی سے فراغت کر کے اپنے اپنے اونٹوں پر سوار ہونے کے لیے لپکے اونٹ پر سوار ہونا آج بجائے خود ایک مستقل مرحلہ ہے، نہ پوچھیے، کہ ہم لوگ کس طرح سوار ہوئے اور ہمارے قافلہ کے ضعیفوں اور عورتوں پر کیا گزر گئی، بہر حال محض تقدیر تھی کہ زندہ و سلامت سوار ہو گئے، راستہ میں مکہ کی آبادی شروع ہونے سے ذرا پہلے خلت اعلیٰ کے قریب ایک مقام آتا ہے، جسے وادی محصب کہتے ہیں، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقع پر مکہ واپس آتے یہاں حسب روایت صحیح بخاری، قیام فرمایا تھا، اور ظہر و عصر، مغرب و عشا کی نمازیں یہیں ادا فرما کر کسی قدر استراحت فرمائی تھی اور اس کے بعد مکہ میں داخل ہوئے تھے، فقہائے حنفیہ نے یہاں اترنا، اور تھوڑی دیر قیام کر کے دعا مانگنا سنت قرار دیا ہے، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں قصد نزول فرمایا تھا، البتہ بعض دوسرے ائمہ حدیث کے نزدیک یہ سنت نہیں، اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت بن عباس رضی اللہ عنہما کے اقوال میں یہ تصریح موجود ہے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل غیر عبادت نہ تھا، بلکہ آپ نے محض آرام لینے کی غرض سے قیام فرمایا تھا، تاہم سنت رسول کے بعض محقق صحابہ (مثلاً عبداللہ بن عمرؓ) اس پر برابر عمل فرماتے رہے

عن نافع قال كان ابن عمر عنهما ينخ  
بالبطحاء التي يذى الحليقة التي  
رسول الله صلى الله عليه وآله ينخ بها ويصلي بها  
(صحیح مسلم)

نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ اپنا اونٹ بٹھا کر  
ذوالحلیفہ (یعنی داوی محصب) میں بٹھاتے تھے  
اور نماز پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ رسول اللہؐ  
نے یہاں اونٹ بٹھایا ہے اور نماز پڑھی ہے

اور نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ کا عمل  
بھی اسی پر تھا اور حنفیہ کی کتابوں میں تو صاف یہ لکھا ہوا ہے کہ :-

اذ الفجر الحاج الى سكة نزل استنأنا  
دلو ساعة بالحصب (در قمار)

جب حاجی کہ کوٹنے لگے تو مسنون یہ ہے کہ محصب  
میں اترے خواہ ایک ہی ساعت کے لئے ہو

لیکن اب اس پر عمل کس کا؟ ہر شخص کو بھاگا بھاگ کہہ پونچنے کی عجلت اور  
حاجی غریب اگر ٹھہرنا چاہیں بھی، تو معلم حضرات کب انھیں ٹھہرنے دیتے، اور سنت  
نبویؐ پر عمل اور تعامل صحابہ کے اقتدار کا موقع نصیب ہونے دیتے ہیں!

## باب ۳۵

### مکہ

مکہ کی آبادی شروع ہونے کے ساتھ ہی ہجوم میں بھی اور اضافہ شروع ہوا  
 یہاں تک کہ چلتے ہوئے اڈنیوں کی رفتار رک گئی، اب قطار کی قطار کی ہوئی  
 کھڑی ہے اور ہر شخص طوعاً نہ سہی کر رہا، رضا یہ قصا کی تصویر بنا ہوا اور یہ ساری  
 "خوش انتظامی" عین بیت الحکومت کے سامنے، اور ارد گرد یعنی ولیعہد حجاز اور گورنر  
 مکہ کے محل کے سایہ دیوار کے نیچے، گویا سودی حکومت نے اپنے نفس پر لازم کر رکھا  
 ہے، کہ راستہ کے انتظامات اور مسافروں کی راحت رسانی میں اپنی انگلی تک نہ ہلائیگی  
 خیال یہ تھا، کہ رباط حیدر آباد میں جگہ کی قلت ہے اس لئے اب کی اپنے ذاتی  
 قافلہ کو ہمراہ لیکر مدرسہ صولیۃ چلا جاؤنگا، اور روانگی کے وقت تک وہیں قیام  
 کرونگا، لیکن مدرسہ تک پہنچنے کے لئے دو ایک فرلانگ اور چلنے کی ضرورت تھی  
 اتنی ہمت کسی تھی؟ معلّم صاحب ہمراہ تھے، بولے کہ اس حقّیش میں اتنی دور اور چلنا  
 سخت مصیبت ہو، بہر حال مولوی سلیم صاحب کی ہمان نوازیوں سے محروم رہتا  
 مقدر ہو چکا تھا، مجبوراً محلہ مسفلہ ہی کو آئے اور ۱۲ رذی الحجہ کو رات کوئی دو ڈھائی  
 گھنٹہ جا چکی ہوگی کہ اسی رباط حیدر آباد میں جہان سے ۸ رذی الحجہ کو روانہ ہوئے تھے،

پانچ دن کے سفر کے بعد اللہ حج سے فراغت کر کے، پھر اگر مقیم ہو گئے،

مراجم حج سب ادا ہو چکے تھے، اب صرف ایک طواف الوداع، جو خصلت ہوتے وقت کیا جاتا ہے، کرنا تھا، اور جن لوگوں نے طوافِ فرض کے ساتھ سعی نہیں کی تھی، ان میں ایک سعی کرنی باقی تھی پس ان دو چیزوں کے سوا اور کوئی شے اب اعمالِ حج کے سلسلہ میں باقی نہ تھی، ہاں نفل طواف اور مسجدِ احرام میں نمازین پڑھنے کے موقعے تو ظاہر ہیں کہ ہر وقت باقی تھے کتابوں میں پڑھنا تھا، اور لوگوں سے زبانی بھی سنا تھا کہ مکہ میں متعدد مقامات و مکانات قابلِ زیارت ہیں، مولد النبیؐ مولد علیؑ اور غدیرِ خمؑ جیلِ نورؑ غارِ حرا، مسجدِ النجمؑ وغیرہ۔۔۔۔۔ حقیقۃً زیارت گاہ بننے کے قابل تو اس پاک زمین کا چیمپیمہ اور ذرہ ذرہ ہے۔۔۔۔۔ لیکن یہ قصہ ہے جب کا کہ آتشِ جہان تھا!

اب ان زیارتوں کے موقعے کہاں حاصل، دورِ سعودی میں یہ سب افسانہ پارہ نہیں ہے، کہیں سنترلیوں کے پرے ہیں، اور کہیں، ایک ایک اینٹ کھود کر دیرانہ بنا دیا گیا ہے، بہر حال اب ان مقامات کی زیارت کا تو خیال بھی نہیں البتہ جنتِ اعلیٰ میں جو وقت اور جہیں صورت سے بھی ممکن ہوگا، حاضری دینا ضرور ہے،

جنتِ اعلیٰ کا نام آپ کے کان میں ضرور پڑ چکا ہوگا، مکہ معظمہ کے قبرستان کا نام ہے، مسجدِ حرام سے کوئی ایک میل کے فاصلہ پر، مٹی کے راستہ میں وادیِ محصب سے کچھ ادھر ایک بڑا وسیع میدان، ایک طرف پہاڑ، باقی ہر طرف سے کھلا ہوا

ایک حصہ چار دیواری سے گھرا ہوا، لیکن اب تو چار دیواری بھی ہر طرف سے ٹکستے  
 اور جا بجا سرسبز و درمیان میں ایک سڑک نکلی ہوئی، اس لئے اور بھی بے قید اس  
 انوار و برکات کا کیا بیان ہو، کوئی ایک دو بزرگ یہاں مدفون ہوں، تو ان کے  
 نام لئے جائیں، جہاں بے حساب آفتاب، اور بے تعداد تہاب یوں نہ خاک ہوں، وہاں  
 کس کس کے نام گناے جائیں، اور کن کن کے فضائل و مناقب کا پیمانہ ہاتھ میں لیکر  
 ناپا جائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد کرام، ایک روایت کے بموجب خیر البشر کی والدہ ماجدہ  
 ام المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰؓ سیدنا قاسم بن بنی صلیم، حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت  
 عبدالرحمن بن ابی بکرؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ امام ابو القاسم قشیریؒ خواجہ عثمان  
 ہارونیؒ شیخ حضرت خواجہ امیرؒ، امام شافعیؒ (صاحب کنز) اور فخر المتأخرین شیخ  
 دوران قطب نام حضرت حاجی ادا اللہ مہاجرؒ کی، اندازہ کے لئے یہ چند نام کافی ہیں  
 ”جنت عربی محاورہ میں قبرستان کو بھی کہتے ہیں، لیکن اگر اس بقعہ نور ”جنت“ کے  
 وہی معنی لئے جائیں جو عربی اور اردو میں اس کے عام اور مشہور معنی ہیں، تو کس کو  
 انکار ہو سکتا ہے؟ ان مقدس ہستیوں کی فیض باریوں اور نوپا شیوں پر اس سفر نامہ  
 کے راقم کا ایک ذاتی تعلق اس جنت خاکی کے ساتھ مزید برآں، والد ماجد مرحوم مفتی  
 مولوی عبدالقادر (منشی ڈپٹی کلکٹر، اضلاع اودھ) نے مع والدہ ماجدہ مدظلہا و دیگر  
 اعزہ کے ساتھ مطابق مسلمانہ میں سفر حجاز اختیار کیا، بیت اللہ کا جو ار میا پسند  
 آیا کہ حج سے فارغ ہونے کے متابعہ، الرزی الحجہ کو معنی میں ہیضہ میں مبتلا ہوئے، اور  
 قبل اس کے کہ دوبارہ دنیا کی آلودگیوں میں مبتلا ہوں، ام الرزی الحجہ کو صبح صادق  
 کے وقت مکہ معظمہ میں سفر آخرت پر روانہ ہو گئے، اور اسی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

خواجہ عثمان ہارونیؒ  
 کا نزار جنت  
 میں ہیں  
 علامہ ابن عربیؒ  
 علی کا بیٹے پرچہ



کوئی ہندوستانی حکومت برطانیہ کا کتنا ہی وفادار و بہو خواہ ہو، ذرا اسے ریل  
 کے اوپچے درجوں میں دوچار بار سفر کر لینے دیجئے، ہمسفر انگریزوں کا برتاؤ دیکھ لینے کے  
 بعد ممکن نہیں کہ اُس کے جذبات و فاداری و بہو خواہی، بدستور قائم رہیں، اور بجائے  
 ان کے اس کے قلب میں بغاوت و عداوت کے جذبات حرکت میں نہ آئے لیکن ٹھیک  
 ایسا ہی حال سلطان ابن سعود کے معاملہ میں جنتِ اعلیٰ اور جنتِ البقیع کا ہی عہد  
 سعودی کے امن و امان کی ساری برکتیں ایک طرف، اور جنتِ البقیع ہی کی طرح جنتِ اعلیٰ  
 کی دیرانی و پامالی دوسری طرف، لیکن نہیں کہ کوئی غیرت مند و صاحبِ احساس مسلمان  
 اس وقت جنتِ اعلیٰ کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھے اور دیکھ کر اپنے اوپر قدرتِ رکھ  
 خیال یہ تھا کہ مولانا شیخ الدین صاحب مدظلہ العالی کی محبت میں جنتِ اعلیٰ کی زیارت  
 کے لئے جا میں گئے (مدروح بلاناغہ بعد نماز فجر، منہ اندھیرے جنتِ اعلیٰ اپنے مرشد  
 حضرت حاجی صاحب کے مزار پر حاضر ہوتے رہتے ہیں) لیکن مدروح ص ۳۱ کی صبح  
 تک منی اسے واپس تشریف نہیں لائے تھے، اس لئے مجبوراً ہم لوگ تنہا بغیر کسی  
 رہبر و رہنما کے روانہ ہوئے، قبرستان پہنچے ہی، نہ پوچھے کہ آنکھوں کو کیا کیا  
 دیکھنا پڑا، اب تک تو یہ سمجھے ہوئے تھے کہ جنتِ البقیع سے زیادہ اتر حالت اور کمان  
 کی ہو سکتی ہے لیکن آہ جنتِ اعلیٰ میں جو کچھ دیکھا، وہ کچھ اس سے بھی فرون تر تھا!  
 آہ، جو سرزمین اس قابل ہے کہ اولیاءِ صالحین و اقیانیا کا ملیں بھی اگر وہاں قدم  
 رکھیں تو لوازمِ ادب اور آدابِ احترام کے ساتھ، وہاں آج بے ادبیوں اور بے  
 حرمتیوں کا کوئی دقیقہ اٹھ نہیں رہنے پاتا! انسان تو انسان، جانور تک یہاں  
 بدتمیزی کے لئے آزاد ہیں! اونٹوں کی قطار کی قطار حد و قبرستان کے اندر

اپنی منزل بنائے ہوئے، کئی دن قبل ہنسی جاتے وقت دکھائی دی تھی، آج یہ دکھا کہ  
 جابجا اونٹوں کی بینگلیاں اور پیٹیاں پڑا ہوا ہر طرف غلطیوں کے انبار سے لگے ہوئے  
 کیسے کہتے اور کہاں کے مزارات! یہ پتہ ہی نہیں چل سکتا تھا کہ کون صاحب کہاں  
 مدفون ہیں، والد مرحوم کے متعلق یہ سنا تھا کہ سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کے پائین  
 میں مدفون ہیں، اس پتہ پر ان کی تربت کو تلاش کرنے کا ارادہ تھا، یہاں سرے  
 حضرت عبدالرحمنؓ ہی کی تربت کا پتہ نشان نہیں! کسی دوسری تربت کا پتہ ان کے  
 پتہ سے کیا چلایا جائے! بہر حال چارہ کیا تھا، اندازہ سے اور اپنے ہی جیسے نادان  
 عوام کی رہنمائیوں میں مختلف مقامات پر کھڑے ہو ہو کر فاتحہ پڑھ لیا گیا اور بس  
 ————— فاتحہ تھا ان اہل قبور ہی پر نہ تھا، سعودی حکومت کی عقل اور تیز دماغی  
 پر بھی فاتحہ پڑھ لیا گیا!

۱۴ ذی الحجہ ڈاکٹر عبدالرحمن (بہاری) کا ذکر مدینہ منورہ کے سلسلہ میں آچکا ہے،  
 یہاں بھی وہ اسی رابطہ کی ایک دوسری منزل میں مقیم ہیں، یہ تو معلوم تھا کہ شیخ سنوئی  
 اعظم عرصہ سے مکہ معظمہ ہی میں مقیم ہیں، مگر نہ یہ معلوم تھا کہ کہاں مقیم ہیں، اور نہ ان کی  
 خدمت میں حاضر ہونے کا کوئی خیال تھا، آج صبح ڈاکٹر صاحب نے فرمایا، کہ شیخ  
 موصوف کی طبیعت کچھ عرصہ سے ناساز ہے، اور ڈاکٹر صاحب ہی کا علاج ہو رہا ہے،  
 یہ سنکر طبیعت میں قدرۃ اشتیاق پیدا ہوا، اور تھوڑی دیر کے بعد جب ڈاکٹر صاحب  
 وہاں چلنے لگے، تو ہم لوگوں کو بھی ہمراہ لے لیا، حرم سے کچھ دور ایک بہت بلند کمرہ  
 جبل ہندی کے نام سے ہے، راستہ باب الصفا سے ہو کر گیا ہے، شیخ وہیں مقیم ہیں،

صبح آٹھ ساڑھے آٹھ کا وقت ہوگا، جب ہم لوگ روانہ ہوئے، اور جس طرح پہاڑوں پر چڑھتے ہیں، بلندیاں اور بلند یوں کے بعد چہر بلندیاں طے کرتے کرتے، شیخ کی ترنگہ تک پہنچے، یہ تو ایک اچھا خاصہ قلعہ ہے، بڑی وسیع اور لقی و دق عمارت بلکہ ایک مجموعہ عمارات! اخبارات میں شیخ کا نام آج سے نہیں، کم از کم ۲۰۱۵ سال سے سنتے چلے آ رہے ہیں، اطرابلس میں اٹالیوں کے خلاف جہاد، اور اس کے بعد سے خدا معلوم کتنی اور بادیہ جہاد وغیرہ! کے سلسلہ میں شیخ کا نام سننے میں آچکا تھا، دل خوش ہوا تھا، بلکہ خوشی سے پھیل رہا تھا، کہ آج اپنے زمانہ کے مجاہد اعظم کا دیدار نصیب ہوگا، شیخ کوئی تارک الدنیا نہ اپر گوشہ نشین نہیں، اشارۃً مع پورے خدم و خشم کے یہاں مقیم ہیں، رہنا نہ بلکہ شاہانہ ساز و سامان، اپنی ضرورت کی ہر شے الگ موجود، یہاں تک کہ مسجد بھی موجود، مختلف درجوں اور منزلوں میں متعدد ذخرا، اور دربان ملتے رہے، سب سے سلام علیک ہوتی رہی، اور کسی میں نجدی سپاہیوں کی سی درشتی اور خنوت نہ ملی، یہاں تک کہ سب سے اوپر کی منزل میں پہنچے، اور ایک کمرہ میں تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد شیخ کے سامنے طلبی ہوئی،

کمرہ سامان آرایش و نمائش سے خالی، سادگی کی ایک تصویر بنا ہوا، وسط میں تکیہ لگائے، ایک نہایت حسین سفید ریش بزرگ، سفید براق کپڑے پہنے بیٹھے ہوئے، چہرہ سفید، بال سفید، کپڑے سفید اور ان ساری سفیدیوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر شیخ کی نورانیت! باطن کے نور اور قلب کی نورانیت کی خبر تو خدا کو، لیکن چہرہ کی نور کا یہ عالم، کہ نظر سے نظر ملانی مشکل، بطریق ولایت پر راہ سلوک طے کرنے والے

اچھے اچھے بزرگ نظر سے گزر چکے تھے، اس وقت اُس شیر مرد کا سامنا تھا، جو راہِ سلوک  
طریقِ نبوت پر طے کر رہا ہو، شیخ و سجادہ، حلقہ و فرقہ والے بہت سے بزرگوں  
کی زیارت کی سعادت نصیب میں آچکی تھی، آج اُس بزرگ کی حضوری حاصل  
ہو رہی تھی، جو صحابہ کرام، خصوصاً خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے نمونہ پر، صاحبِ دل  
بھی ہو، اور صاحبِ سیف بھی، اخلاقِ اہلِ کمال کے اندر بیٹھ کر ذکر و شغل کرنے والا بھی، اور  
میدانِ میں نکل کر اعداء اللہ سے غر و قتال کرنے والا بھی، صوفیہ نے جہاد کی دو قسمیں  
قرار دے رکھی ہیں، جہادِ اصغر و جہادِ اکبر، اس گھڑی مواجہہ اُس ذات کا تھا، جو  
جہادِ اصغر و جہادِ اکبر دونوں کی جامع ہے، قبل اس کے کہ شیخ کی زبان سے ایک لفظ  
بھی نکلے، محض چہرہ پر نظر پڑتے ہی دل اپنے پہلو سے غائب تھا، اور جس وقت شیخ  
نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا، اور اُن کے دستِ پاک سے اپنا دستِ ناپاک سس ہوا  
جسمِ میں ایک تھر تھری سی پڑ گئی، اور یہ معلوم ہوا، کہ آنکھوں کے سامنے ایک بجلی سی  
کوئنگی، آنکھیں پریم تھیں، دل اندر سے بھر اچلا آتا تھا، اور جی بے اختیار یہی چاہ رہا  
تھا کہ شیخ کے قدموں پر آنکھیں ملے، اور خوب رو رو کر دل کی بھر اس نکالے،  
جلالتِ فاروقی کے متعلق شنیعی شنیعی میں ایک شہرت ہوئی پڑھا تھا۔

ہیبت حق است این از خلق نیست

ہیبت این مرد صاحبِ دل نیست

اس "ہیبت حق" کے معنی ایک بار ہندوستان میں روشن ہوئے تھے، اور ایک آج جا کر  
روشن ہوئے، جب نسبتِ فاروقی رکھنے والوں کی ہیبت و جلالت کا یہ عالم ہے، تو خود  
فاروقِ اعظم کی ہیبت و جلالت کا اندازہ اس زمانہ کے ضعیف القوی کیا اور کیونکر لگا سکتے ہیں!

شیخ کا رس کچھ ایسا بہت زائد نہیں معلوم ہوتا، اور قویٰ تو ماشاء اللہ قابل رشک  
 ہیں، اللہ اس کی عروا قبل میں برکت دے، اور اس کی سپاہ کو نصرت و فتح نصیب کرے  
 کہ اس بیسویں صدی کے دور یا جو جی میں جہاد اسلامی اور غنائے شرعی کا نام دے زمین  
 اگر کہیں زندہ ہے، تو اسی کے دم سے، ورنہ ہائے روشن خیالوں نے تو حالات موجودہ میں  
 اس کے صرف ناقابل عمل ہونے ہی پر بس نہیں کی، بلکہ سرے سے اس کی عدم ضرورت ہی کا  
 اعلان فرما رکھا ہے، شیخ گفتگو صرف عربی میں فرما سکتے ہیں، اور عربی ماشاء اللہ خوب  
 فصیح و شستہ بولتے ہیں، گفتگو مختصر فرماتے ہیں، لیکن ایک ایک فقرہ درود و اثر میں ڈوبا ہوا  
 مولانا مناظر صاحب نہ صرف اپنی طرف سے گفتگو کر رہے تھے، بلکہ مجھ جیسے جاہل و بے زبان کے  
 ترجان بھی وہی بنے ہوئے تھے موضوع گفتگو کیا تھا وہی مسلمانانِ عالم کی سستی و بے چینی، وہی  
 کلمہ گویانِ اسلام کی بے حسی اور بے بسی، ہندوستان کا ذکر آیا، ہندوستان کے مجاہدوں کا  
 ذکر آیا، خلافت کیٹی کی جدوجہد کا ذکر آیا، محمد علی و شوکت علی کی سرفروشیوں کا ذکر آیا، جانشین  
 شیخ الہند کا ذکر آیا، آخرین شیخ نے جس وقت دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے ہیں، تو ہم لوگ تو بہر حال  
 انسان تھے، معلوم یہ ہوتا تھا کہ کمرہ کے اندر بیجا چیزوں کے بھی جان پڑ گئی ہے، اور درود و  
 سق و فرش کا ایک ایک ذرہ ان دعاؤں پر آمین کہ رہا ہے؛ ————— سلوک بطریق  
 نبوت، ہندوستان کے لئے کوئی بالکل نئی اور نامعلوم چیز نہیں، ابھی بہت زمانہ نہیں ہوا، کہ اردو  
 ہی کے ایک فاضل ان سے ایک سید اٹھا اور سرحد پر سکھوں کے مقابلہ میں اللہ کی راہ میں اپنا  
 سب کچھ لٹا کے، اور اپنے آپ کو مٹا کے، دنیا کو دکھا دیا کہ ہندی مسلمان بھی جہاد و غزائے  
 سنی سے نا آشنا نہیں، اخیر یہ تو پھر بھی اب سنی سنی حکایت ہو گئی ہو، لیکن حضرت شیخ الہند  
 دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کا جہاد اور ذوقِ شہادت تو موجودہ نسل کی آنکھوں دیکھی بات

ہے، اسے کون بھول سکتا ہے؟ اسے کیونکر بھلایا جاسکتا ہے؟ اور پھر شیخ الہند کے بعد  
 آج بھی خدائے حسی قیوم کے فضل و کرم سے ایک زندہ سلامت ذات شیخ الہندؒ کی ویاہت  
 کو زندہ اور قائم رکھے ہوئے، ہند اور اہل ہند کے درمیان موجود ہے، جو اسے دیکھا تو  
 پہچان چکے، وہ اپنی آنکھوں کو مبارک باد دین، اور جھٹولنے نہیں دیکھا اور نہیں پہچانا،  
 انھیں دکھانے اور پہچاننے کی اجازت کسے؟





فرماتے ہیں کہ ایک صاحب حضرت جنید بغدادیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے  
 پوچھا کہ کہاں سے آرہے ہو؟ جواب ملا کہ حج سے واپس ہو رہا ہوں، پوچھا حج کر چکے؟  
 عرض کیا کہ کر چکا، فرمایا کہ جس وقت گھر سے روانہ ہوئے، اور عزیزوں سے جدا ہوئے  
 تھے، اپنے تمام گناہوں سے بھی مفارقت کی نیت کر لی تھی؟ کہا "نہیں یہ تو نہیں کیا تھا"  
 فرمایا بس تم سفر حج پر روانہ ہی نہیں ہوئے، پھر فرمایا کہ راہ میں جون جون تمہارا جسم  
 منزلیں طے کر رہا تھا، تمہارا قلب بھی قرب حق کی منازل طے کرنے میں مصروف تھا؟  
 جواب دیا کہ "یہ تو نہیں ہوا، ارشاد ہوا کہ پھر تم نے سفر حج کی منزلیں ہی طے نہیں کیں، پھر  
 پوچھا کہ جس وقت احرام کے لئے اپنے جسم کو کپڑوں سے خالی کیا تھا، اس وقت اپنے نفس  
 سے بھی صفات بشریہ کا لباس اتارا تھا؟ کہا کہ "یہ تو نہیں کیا تھا، ارشاد ہوا کہ پھر تم  
 احرام ہی نہیں باندھا، پھر پوچھا کہ جب عرفات میں وقوف کیا، تو کچھ معرفت بھی حاصل  
 ہوئی؟ کہا کہ "یہ تو نہیں ہوا، فرمایا کہ پھر تم نے عرفات میں وقوف ہی نہیں کیا، پھر پوچھا  
 کہ جب مزدلفہ پر اپنی مراد کو پہنچ چکے، تو اپنی ہر مراد نفسانی کے ترک کا بھی عہد کیا  
 تھا؟ کہا کہ "یہ تو نہیں کیا تھا، ارشاد ہوا کہ پھر مزدلفہ تم حاضر ہی نہیں ہوئے، پھر  
 پوچھا کہ خانہ کے طواف کے وقت صاحب خانہ کا بھی جال نظر آیا تھا؟ کہا کہ "یہ تو نہیں  
 ہوا، ارشاد فرمایا کہ پھر تمہارا طواف ہی نہیں ہوا، پھر پوچھا کہ جب صفا و مروہ کے درمیان  
 سعی کی تھی، تو مقام صفا، اور درجہ مروہ کا بھی کچھ ادراک ہوا تھا؟ کہا کہ "یہ تو نہیں  
 ہوا تھا، ارشاد ہوا کہ پھر سعی بھی تم نے نہ کی، پھر پوچھا کہ جب منیٰ آئے تو اپنی ساری آرزو  
 کو تم نے فنا کیا؟ کہا کہ "یہ تو نہیں کیا تھا، ارشاد ہوا کہ پھر تمہارا منیٰ جانا لا حاصل رہا،  
 پھر پوچھا کہ قربانی کے وقت اپنے نفس کی گردن پر بھی چھری چلائی تھی؟ کہا کہ "یہ تو نہیں



کیا تھا، ارشاد ہوا کہ پھر تم نے قربانی ہی نہیں کی، پھر پوچھا کہ جب نگر یان ماری تھیں تو اپنے جہل اور نفسانیت پر بھی ماری تھیں، کہا کہ یہ تو نہیں کیا تھا، ارشاد ہوا کہ پھر تم نے مری بھی نہ کی، اور اس ساری گفتگو کے بعد آخر میں فرمایا کہ تمہارا حج کرنا نہ کہ برابر رہنا، اب پھر جاؤ اور صحیح طریقہ پر حج کرو،

سید الطائفہؒ کی یہ ماری تقریر محض خیال آرائی و تخیل طرازی نہیں، حضرت ذوالنون مصریؒ اپنی آنکھوں کی دیکھی بات بیان کرتے ہیں کہ متیٰ میں نے ایک جوان کو دیکھا کہ جس وقت ساری خلقت قربانیوں میں مصروف تھی، وہ سب الگ چپکا بیٹھا ہوا ہے، میں برابر اس کی طرف دیکھتا رہا، کہ دیکھوں اب یہ کیا کرتا ہے، آخر میں نے دیکھا کہ اس نے مناجات شروع کی کہ اے پاک پروردگار! ساری خلق قربانی کرتے ہیں مشغول ہے، میں چاہتا ہوں کہ تیرے حضور میں خود اپنے نفس کی قربانی پیش کروں، اسے قبول فرما یہ کہا اور اپنی انگشت شہادت کو اٹھایا، اور دھڑپے زمین پر گر پڑا، میں نے قریب جا کر دیکھا تو روح پر واز کہ چلی تھی! اللہ اللہ! بڑوں کی باتیں بھی کیسی بڑی ہوتی ہیں، انھیں جو کچھ ملتا ہے، وہ رکے نصیب میں کہا آسکتا ہے، وہ جو کچھ دیکھ لیتے ہیں، اسے دیکھنے کے لئے ہر اندھا، کہاں سے آنکھیں لائے! حضرت بانی زید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ وہ عبادت ہی کیا، جو کی آج جائے، او اس کا ثواب کل کے لئے ادھا رہے، اللہ کی طاعت کے معنی تو یہ ہیں، کہ طاعت اور مزد طاعت ساتھ ہی ساتھ دم نقد وصول! چنانچہ اپنے متعلق فرماتے ہیں، کہ جب پہلی بار حج کو گیا، تو بحر خانہ کعبہ کے اور کچھ دکھائی نہ دیا، دوبارہ گیا تو خانہ او

اور صاحب خانہ دونوں کا جلوہ دکھا، اور جب تیسری بار گیا، تو صرف صاحب خانہ ہی کا جلوہ ہر طرف دکھائی دیا، اور مکان کے درو دیوار نظروں سے غائب، شیخ، عجویری، جھونے یہ سب حکایات و اقوال نقل فرمائے ہیں، خود اپنی تحقیق تحریر فرماتے ہیں کہ حرم کو حرم اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے اندر مقام ابراہیم ہے، اور مقام ابراہیم کی دو قسمیں ہیں، ایک مقام تن، ایک مقام دل، مقام تن کا نام مکہ ہے اور مقام دل کی تعبیر مرتبہ خلعت ہے جن کی ہمتیں محض مقام تن تک محدود ہیں، انھیں چاہئے کہ اپنا معمولی لباس اتار کر احرام کی کفنیں پہنیں، حدود و حرم میں شکار نہ کھیلیں، عرفات میں حاضر ہوں، اطواف کریں، وقب علیٰ ہذا، لیکن جبکہ حوصلہ یہ ہو کہ مقام ابراہیم کے مقام دل تک پہنچنے تو اسے چاہئے کہ:-

چون کے قصد مقام دل وے کند از لوثا	اپنے شوق و خواہش کی چیزوں کو چھوڑ دے لوثوں
اعراض باید کرد بہ ترک لذات و راحت	اور راحتوں کو ترک کر دے، غیر اللہ کا تذکرہ
و مگفت از ذکر اغیار معرض شود ز انچہ	تک زبان پر نہ لائے، اس لئے کہ عالم کون
التفات دے بہ کون منظور باشد آنگاہ	کی جانب التفات ہی اس وقت ممنوع ہے
بہ عرفات معرفت قیام گیرد و ازان جا	اس کے عرفات معرفت میں وقوف کرے
قصد مزدلفہ الفت گردد و ازان جا سر	وہاں سے مزدلفہ الفت کا قصد کرے، وہاں
را بہ طواف حرم تنزیہ حق فریاد گوگ	اپنے قلب کو تنزیہ حق کے طواف کے لئے
ہوا و خاطر ہائے فساد را بہ مناسے ایمان	روانہ کرے، اور مناسے ایمان میں خواہشات
بیزار د، و نفس را اندر مخر گاہ مجاہدت	نفس کے سنگریزوں کو پھینک دے قربان گاہ
قربان کردہ بہ مقام خلعت رسد پس دخول	مجاہدات میں اپنے نفس کی قربانی پیش کر دے

مقام تن امن یا شد از دشمن و دشمن ایشان	اور اس طرح مقام غلبت پر فائز ہو جائے
و دخول مقام دل امان بود از قطعیت	تن میں داخل ہونے کے معنی دشمن و دشمن دشمن
و اخوات آن،	سے امان پا جانے کے ہیں، اور مقام دل میں
(کشف المحجوب کشف بجا بلاتنا من)	داخل ہونے کے معنی اللہ کی جدائی اور
	اس کے نتائج سے محفوظ ہو جانے کے ہیں،

دل والون نے جب جب جج کئے ہیں، اس طرح کئے ہیں کہ محض تن والے نیک رہ گئے ہیں، نہ زاد و کوشش کی فکر کی ہے، نہ مرکب و راعلہ کا سامان کیا ہو، نہ رفیق و عزیز کو ہمراہ لیا ہے، نہ منزلوں پر پہنچ کر قیام کیا ہے، نہ پانی کی صراحیان ساتھ لی ہیں، تن تنہا اٹھ کھڑے ہوئے ہیں، اور خالی ہاتھ چل دیئے ہیں، بادیہ کی حجلاتی ہوئی ریگ پر ننگے پیر، اور عرب کی تمنا تھی ہوئی دھوپ میں شنگہ سہرا ایک دودن کی کہنیں ہفتون اور ہینوں کی مسافیتیں ملے کی ہیں، روزوں پر روزے رکھے ہیں، اور فاقون پر فاقے کئے ہیں کوئی ایک دو مثالیں ہوں تو درج کی جائیں، کس کس کے نام، اور کہاں تک گئے جائیں، طاؤس الفقرا شیخ ابو نصر سراج اپنی کتاب الملعین میں اس طرح کی بہت ساری حکایات و روایات درج کر کے لکھتے ہیں، کہ ان اللہ والون کے آداب جج یہ ہیں کہ یہ جب میقات پر پہنچ کر غسل کرتے ہیں، تو اپنے جسم کو پانی سے دھونے کے ساتھ ہی اپنے قلب کو توبہ میں غسل دیتے ہیں، جب احرام پہننے کے لئے اپنے جسم سے لباس اتارتے ہیں تو قلب سے بھی لباس محبت دینا اتار دیتے ہیں، جب زبان سے لبیک لا شریک لک لبیک کہنا شروع کرتے ہیں، تو حق کو پکارنے کے بعد شیطان و نفس کی پکار پر جواب



رکھنا چاہئے، فلاں عمل کے ذریعہ سے یوں تزکیہ نفس کرنا چاہئے، فلاں عمل کو یوں اپنی اصلاح کا وسیلہ بنانا چاہئے، اور فلاں فلاں اعمال سے ان ان مجاہدات کا کام لینا چاہئے، اور پھر ہر ہر مجاہدے کے ساتھ تابعین سے لیکر اپنے زمانہ کے اولیاء کبار کی حکایات بھی درج کی ہیں جس حج کے مقبول کے لئے مقبولوں کو یہ یہ مشقتیں جھیلنی پڑی ہوں، اس کی مقبولیت کا ہم جیسے تباہ کار بھی خواب میں بھی گمان نہیں کر سکتے ہیں؟ جس طاعت کے ادا کرنے میں اندر والوں کو یہ یہ ریاضتیں اٹھانی پڑی ہوں اس کے مقبول ہونے کا ہم نفس کے بندے کبھی بھی حوصلہ کر سکتے ہیں؟ عارفوں نے جس عبادت کا میعار یہ رکھا ہو، ہم تہی مایہ کس منہ سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ ہم سے کسی درجے میں بھی بن پڑی! ————— پھر کیا سفر حج کی یہ ساری دوڑ دھوپ خدائے خداستہ لا حاصل ہی رہی؟ اور وطن سے بے وطن ہونے، میسون اہل وطن سے دور رہنے، سیکڑوں روپیہ صرف کرنے، موسم کی سختیاں اٹھانے کا نتیجہ، خدا بخیر امتہ کچھ بھی نکلا؟

بڑوں کی باتیں بڑوں پر چھوڑیے، کچھ ادا دوڑ میں خرگوش کا دم کہاں سے لائے جو مفلس وبے نواسہ، وہ تاجداروں اور زین کلاہوں کی ریس کا حوصلہ کیوں کرے؟ اور موزیعیت سلیمان وقت کی ہمسری کا سودا ہی اپنے سر میں کیوں پیدا کرے؟ جو اس کے شیرہیں ان کا معاملہ انھیں پر تھوڑیے، اگر کہیں لوازم حج میں وہی سب کچھ داخل ہوتا جو ابھی بیان ہوا ہو، اگر کہیں قبول حج کے لئے یہی سب شرطیں ہوتیں، تو فرمائیے کہ ہم جیسے بیوقوف اور زبون بہتوں کا کیا حشر ہوتا؟ جنید و یاریز، مجویری و غزالی، تو کہیں

صدیوں کی مدت میں اور لاکھوں کی آبادی میں، دوہری چار پیدا ہوتے ہیں، یہ کروڑ ہا  
 کروڑ اور ارب ہا ارب مخلوق جو اس ساڑھے تیرہ سو برس کی مدت میں رصے زمین  
 کے ہر ہر گوشے میں پیدا ہوتی رہی، اور آئندہ خدا معلوم کب تک پیدا ہوتی رہے، کیا  
 ان سب کی محنت، حج اور سفر حج کے لئے سرب سے بے کار و لاعاقل ہی رہتی ہے؟  
 —————  
 قربان جانیے اس کی رحمت کے جو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم  
 اور سب کرم کرنے والوں سے بڑھ کر کریم ہے کہ اس نے ایسے سحمتہ للعالمین کو ہادی  
 و دلیل، حاکم و حکیم، مرشد و معلم بنا کر بھیجا، جس نے اپنے ہر نمونہ عمل میں اقویاء سے کہیں زیادہ  
 ضعیف واکا، حوصلہ مندوں سے کہیں زیادہ ہست ہمتوں کا، بڑوں سے کہیں زیادہ چھوٹوں  
 کا اور طاقت والوں سے کہیں زیادہ کمزوروں کا خیال رکھا اس سب سے زیادہ  
 کامل اور سب سے زیادہ مقبول حج کرنے والے کے حج و اعمال حج و سفر حج کی ایک ایک  
 تفصیل حدیث اور فقہ کی کتابوں میں قلمبند ہے، اور وہ جو آخرت میں ہر بے کس  
 کا سہارا، اور ہر بے آس کا آسرا ثابت ہوگا، اس دنیا میں بھی ہر طاعت اور ہر عبادت  
 کی طرح حج کے معاملے میں اپنے ذاتی عمل سے، نجاتوں اور مشقتوں کے بجائے سہولتوں  
 اور آسانیوں کی راہ کھول گیا ہے، صلی اللہ علیہ وسلم، اور اسی کے اتباع میں ہر ایک  
 کو آس کی جھلک اور ہر ناامید کو امید کی شمع نظر آ رہی ہے،

## باب ۳

### خصتی

مدرسہ مولیٰ لیتہ کا نام اور مجل تذکرہ اوپر گئی بار آچکا ہے، تمام ہندوستان میں  
 پہلے سے مشہور ہے، مجل تذکرہ نے ولون میں امتیاق بڑھا دیا ہوگا، تفصیل کی نذر ان  
 صفحات میں گنجائش نہ یہ اس کا محل، لیکن اتنا کہہ دینے اور آپ کے سن لینے میں کوئی  
 ہرج نہیں، کہ سر زمین عرب پر ہندوستانیوں کے قائم کئے ہوئے مدارس میں شاید  
 سب سے زیادہ پرانی اور مشہور درس گاہ یہی ہے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ضلع مظفر نگر کے  
 باشندہ ہنگامہ مشہور سے قبل ہندوستان کے ایک نامور مناظر عالم تھے، مشہور  
 دشمن اسلام پادری فڈر کو ان ہی نے میدان مناظرہ میں شکست دی تھی، سرکار  
 برطانیہ کی نگاہ میں معتب و مشکوک قرار پائے، ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلے آئے، اور  
 حسین کلکتہ کی فیاض و عالی ہمت خاتون مولیٰ النساء سلیم کی مالی امداد سے ۱۲۹۱ھ  
 میں اس دینی مدرسہ کی بنیاد ڈالی، اور اُس وقت سے اب تک خدا کے فضل سے  
 یہ مدرسہ بخوبی چل رہا ہے، زمانہ کے انقلابات بھی قابل دید رہتے ہیں، سلطان  
 عبدالعزیز خان اور سلطان عبدالحمید خان کے زمانہ میں مولانا کی بڑی قدر و تکریم  
 ہوتی رہی، موجودہ حکومت حجاز کا کائنات مدرسہ کے ساتھ شاید ان "خلیلوں"

کافارہ کر رہی ہو، لیکن مدرسہ اب بھی ماٹار اٹھ اچھی حالت میں ہے، غالباً بارہ بارہ سالانہ کی اعانت سرکار نظام اور سرکار بھوپال دونوں سے ہوتی رہتی ہو، اس سالانہ نواب چٹھاری کے ہاں سے مقرر ہیں، اور متفرق چیزے ہیں، مدرسہ کی عمارتیں خاصی وسیع و عالیشان ہیں، لاکھ سو لاکھ سے کیا کم لاگت میں تعمیر ہوئی ہوگی، سنہ ۱۲۵ ہزار کی رقم سرکار اصفیہ سے نکشت ادا ہوئی تھی، طلبہ میں حجازی، بخاری، ہندی، جاوی، امراتشی، سب ہی قومیں شامل ہیں، گوا فوس ہی کہ حجازیوں کی تعداد بہت کم ہے، تعلیم شروع میں طلبہ کی مادری زبان میں ہوتی ہے، استاد بھی مختلف قوموں کے ہیں، دارالمطالعہ میں اس وقت ہندو رہتا تھا، پچھ جا رہا ہے، اور بھی ہندوستان کے مختلف پرچے بحیثیت مجموعی ہندوستانیوں کا ایک اچھا خاصہ مرکز ہے، ناظم مدرسہ مولانا محمد سعید کیرانوی اس وقت رخصت پر اپنے وطن میں ہیں، قائم مقام ناظم مولوی محمد سلیم کے حسنِ اخلاق کا تذکرہ بار بار آچکا ہے، مدرسہ باوجود اپنے موجودہ ذرایع آمدنی کے اہل خیر کی امداد کی ضرورت سے بے نیاز نہیں،

خیرالبادین، ہندیوں ہی کا ایک دوسرا قابل ذکر مدرسہ، مدرسہ فرغیہ ہے، یہ مدرسہ تاجدار دولت آصفیہ میر عثمان علیخان بہادر آصفیہ کے اسم گرامی کیساتھ منسوب ہے، اور حرم سے بالکل متصل، بلکہ کہنا چاہئے کہ حرم شریف کے اندر ہی باب ابراہیم کے بالا خانہ کی چھت پر اس کے کمرہ واقع ہیں، ان کمروں میں ناگزیر نماز پڑھی جائے، تو گویا حرم شریف ہی کی نماز سمجھی جاتی ہے، طلبہ میں ہندی، حجازی، جاوی سب قوموں کے بچے شامل ہیں، دو سو روپیہ ماہوار سرکار نظام



اور سوا سو روپیہ ماہوار غالباً دوبار بھوپال سے امداد ملتی رہتی ہے، کچھ متفرق چندوں سے مل رہا ہے، موسم حج میں مکان مدرسہ کرایہ پر اٹھا دیا جاتا ہے، اور چونکہ حاجیوں کے لئے بہترین موقع پر واقع ہے، اس لئے کرایہ خاصہ معقول وصول ہو جاتا ہے، ہر سال ۱۰۰۰ روپیہ میں جو ہزار سے اوپر کی رقم حاصل ہو، ان مجموعی آمدنی اور سٹامپ ہزار سالانہ کی رہتی ہے، مصارف بھی ۶۰۰ ہزار سے کم نہیں ہوتے، سالانہ آمدنی بہت ہی کم ہوئی تھی، مالی حالت قابل اطمینان نہیں، اہل خیر کی توجہ و التفات کی ضرورت ہے، مدرسہ کے مہتمم قادی محمد اسحق صاحب مدرسہ کی رپورٹ ہمدرد پریس (دہلی) میں چھپوا لیتے تھے، ان کے نام سے واقفیت اس ذریعہ سے ہوئی، پھر ایک بار غالباً سالانہ میں حیدر آباد میں سرسری ملاقات بھی ہوئی تھی، بڑے متعدد کار گزار صاحب ہمت اور خدمت گزار شخص ہیں، مدرسہ کی ترقی کے لئے بڑے بڑے منصوبے رکھتے ہیں، لیکن پچاس بے زری اور تہمتی سے معذور ہیں، مدرسہ کی عمارت اپنی ذاتی نہیں کرایہ کے مکان میں ہے، اور مصارف کی سب سے بڑی مدد بھی کرایہ عمارت ہے، ایک ایک سال میں بارہ بارہ تیرہ تیرہ سو روپیہ کرایہ میں دینا پڑتا ہے، ہندوستان کے جو اہل کرم مدد کرنا چاہیں، وہ حاجی عبدالغفار صاحب کو بھٹی علی جان صاحب مرحوم، چاندنی چوک، دہلی، یا حاجی عبداللہ بھائی، عبدالرحیم صاحب، ناگدیوی اسٹریٹ بمبئی، کے ذریعہ سے روپیہ مدرسہ کے نام بھیج سکتے ہیں،

مکہ میں ان دونوں کو علاوہ اور بھی مدرسے ہیں، لیکن ان تک پہنچنے

کا نہ وقت ملا، نہ اُن کے باب میں کوئی مفصل واقفیت حاصل ہوئی، مگر محض عباد نگاہ نہیں  
 اچھا خاصا وسیع تمدن شہر ہے، مدرسے، اسپتال، ہوٹل، سائیکلین، بجلی کی روشنی اور کچھ  
 برتن پریس، ہوٹل سارے لوازم تمدن موجود عبادات سے اگر قطع نظر کر کے محض تمدنی  
 حیثیت سے نگاہ دوڑائی جائے تو یہ معلوم ہی نہ ہوگا کہ حجاز کا کوئی شہر ہے، بس یہ معلوم ہوگا  
 کہ لکھنویا کان پور یا آگرہ میں بیٹھے ہوئے ہیں بہت وسیع بازار، حسین اعلیٰ سے اعلیٰ ولایتی  
 کپڑا ہر قسم کا موجود، بہتر سے بہتر کھانے کی دوکانیں اور ہوٹل تلاش کیجائے، تو ہر مذاق  
 کا کھانا مل سکتا ہے، مٹھائیاں، پھل، میوے، بہ افراط تارکھرے ٹیلیفون ہو، اور غالباً  
 لاسکی کا بھی اسٹیشن موجود، علاج، ترکون کے زمانہ سے عموماً ڈاکٹری ہونے لگا ہے، تاہم  
 یونانی طبیبوں کی بھی کمی نہیں، اور دہلی کے دواخانوں سے آئی ہوئی یونانی دواؤں میں بھی  
 اچھی اور قابل اطمینان طبقاتی ہیں، اہل اودھ، پنجاب، دکن، بمبئی، گجرات، ہندوستان کے  
 ہر صوبہ اور ہر گوشہ کے باشندے اچھی خاصی تعداد میں آباد، اور ہندوستان کی یاد کو  
 تازہ رکھے ہوئے ہیں، حکومت وقت کی عنایت قدرۃً گروہ اہل حدیث پر زائد ہے، او  
 جبکہ اس گروہ سے کچھ بھی تعلق ہو وہ فی الجملہ صاحب رسوخ و اثر مصری اخبارات  
 سائل کے علاوہ ہندوستان سے اردو کے پرچے بھی اچھی تعداد میں جا بجا آتے  
 رہتے ہیں، ایک ہفتہ وار اخبار ام القریٰ کے نام سے نکلتا ہے، ہر جمعہ کو شائع ہوتا  
 ہے، دفتر حرم شریف سے قریب ہے، ولیعہد کے محل کی پشت پر واقع ہے، سچے سے تباہ  
 ہے، وقت ہوتا تو اندر جا کر دیر سے ملاقات کیجاتی، اور دفتر کے حالات کا مشاہدہ  
 ہوتا، باہر سے تو دفتر کی عمارت خاصی شاندار معلوم ہوتی ہے، پرچہ کی حیثیت نیم  
 سرکاری بلکہ گنا چاہئے کہ سرکاری ہی ہے، بڑی اقیطیع کے چار صفے ہوتے ہیں ہر صفے

میں پانچ کالم، حجاز میں سالانہ چندہ سرریاں ہے، اور باہر کے لئے ۶ ریال (ایک ریال سعودی، انگریزی سکے میں ۸ اے) کا ہوتا ہے، یا کچھ زیادہ جو لوگ حج و حجاز کے متعلق سرکاری اطلاعات سے باخبر رہنا چاہتے ہیں، ان کے لئے اس کا مطالعہ ضروری ہو،

حاجیوں کو عموماً حج سے فراغت کے ساتھ ہی ایک سے دو انگی کی جلدی پڑ جاتی ہے، کچھ مدینہ جانا چاہتے ہیں، اور کچھ وطن واپس ہونا، ٹھہرنے والے بہت ہی کم ہوتے ہیں، بعض بزرگوں کے ارشادات بھی اسی قسم کے ہیں، کہ حج کے بعد ہی روانہ ہو جانا چاہئے، زیادہ قیام نہ کرنا چاہئے، حضورؐ نے صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بعد حج صرف تین دن کیلئے قیام کے لئے فرمایا تھا، ہم لوگوں کو واپسی کی عجلت تھی، اور پروگرام یہ تھا کہ جدہ سے پہلے حجاز پر روانہ ہو جائیں گے، منشی احسان الدخان صاحب نے کہہ رکھا تھا کہ پہلے جہاز بد جگہ ملنے کی ذمہ داری صرف اسی صورت میں کیا سکتی ہے کہ جلد سے جلد یعنی ۱۳ مارچ کو جدہ آجاؤ، مئی سے ہم لوگ ۱۲ کی شام کو مکہ واپس آگئے تھے، اور خیال یہ کئے ہوئے تھے کہ ۱۳ مارچ کو کسی وقت جدہ پہنچ جائیں گے، موٹر کا دو ڈوٹھائی گھنٹہ کاراستہ ہے بات ہی کیا ہے، جس وقت چاہیں گے چل کھڑے ہوں گے۔۔۔۔۔ تجربہ سے معلوم ہوا کہ یہ محض حسن ظن تھا، واپسی اتنی آسان ہرگز نہیں جتنی ہم لوگ سمجھے ہوئے تھے، پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ واپسی کے لئے سواریاں اسی وقت مل سکتی ہیں جب پہلے مشورہ سلطانی جاری ہوئے، بغیر فرمان شاہی جاری ہوئے، کسی سواری کا ملنا خلاف قانون ہے، اور فرمان کے لئے یہ لازمی نہیں کہ اسکا اجرا ۱۳ مارچ کو ہو جائے، خیر خدا خدا کر کے ۱۴ کو فرمان جاری ہوا، اور اس کے بعد اب معلوم صاحب کے

شتر غزوں سے ایک بار پھر سابقہ شروع ہوا،

مدینہ سے روانگی کے وقت، سواری کے دسباب ہونے میں، جو جو زحمات پیش  
آئی تھیں، ان کا تذکرہ اپنے مقام پر آچکا ہے، خیال یہ تھا کہ گدہ یا یہ تخت سلطانی ہو، یہاں  
کے انتظامات بہت بہتر ہوں گے، اور ہر طرح نظم و باقاعدگی ہوگی، تجربہ سے معلوم  
ہوا کہ اس زمین کا بھی آسمان وہی ہے، اعرین کہنی، جس کی لاریوں پر جدہ سے مدینہ  
تھے، اور مدینہ سے کہ پہنچے تھے، اس کا معاہدہ تم ہو چکا تھا اب نئی سواری کا انتظام  
کرنا تھا، اور یہ یاد رہے کہ سواری کا انتظام معلم ہی کی معرفت ہو سکتا ہے، براہ راست  
کوئی حاجی اپنی سواری کا انتظام نہیں کر سکتا، کرنا چاہئے تو کوئی سواری والا اس  
سید سے منہ بات بھی نہ کرے گا، بلا واسطہ معلم سواری کا انتظام، قانون حکومت کا جرم  
ہے، ایک تاجر عبد الحمید بستی ہندی ہیں، ان کے نام بیٹی سے چلتے وقت سیٹھ عمر بھائی  
چاند بھائی نے تعارف نامہ لکھ دیا تھا، ان کی موٹرین چلتی ہیں، ان سے درخواست کی  
اور بار بار کی، پہلے تو بہت اخلاق سے ملے، لیکن یہ خاص غرض جب پیش کی گئی تو  
پہلے کچھ گول سے جوابات دیئے، اور کئی مرتبہ کی دوڑ و دوپ کے بعد بالآخر انکار  
فرمادیا، ایک تعارف نامہ دہلی کے مشہور حاجی علیجان والوں کی کوٹھی کے شیخ جلال  
صاحب کے نام بھی تھا، ۴۴ کی صبح کو ان سے ملاقات کی، امداد کا وعدہ فرمایا، اپنے  
بعض بزرگ عزیزوں کے نام چٹیان لکھ دیں، ان میں سے ایک بزرگ نے حکام  
عالمیٰ عبید اللہ صاحب تھا، سواری دینے کا پورا وعدہ بھی کر لیا تھا، ان کے درویش  
پر خدا معلوم کتنی بار حاضری دینی پڑی، اور بالآخر یہ معلوم ہوا کہ وعدہ اور ایفا وعدہ

کے درمیان عدم تطابق صرف ہندوستان ہی کے لئے مخصوص نہیں، بلکہ بیت اللہ کے حواریں بھی ٹھیکرہ آسانی ممکن ہو، بہر حال سارے دن کی بے نتیجہ تگ و دو کے بعد ۴۱ کا بھی دن ختم ہو گیا، اور سواری کے ہم ہونے کی کوئی صورت نہ نکلی، داروغہ حبیب اللہ چائے نے اخلاصندی کے ساتھ بہت کچھ مدد کرنی چاہی، لیکن معلم صاحب کے دائرہ پیچ کے سامنے وہ بے بس تھے،

زائد سامان اونٹوں پر لاد کر ۴۱ کی شب میں جدہ روانہ ہو چکا تھا، اب ہم لوگ تھے اور سعی و سعی وطن، صبح اور شام کے اوقات اور دوپہر اور سہ پہر کے گھنٹے اسی کام کے لئے وقف تھے، کہ ادھر سے ادھر ادھر سے ادھر سواری کی تلاش میں دوڑا جا اور ہر در سے محروم و مایوس واپس آیا جائے کیسی نازین اور کہان کے طواف ایک سودا تھا کہ سر پر اور ایک چکر تھا کہ پیرون پر سوار تھا ادا کو جمعہ کا دن تھا، صبح کے اوقات تو اٹھین سرگرداویون کی نذر ہوئے، دوپہر کو حبیب ناز جمعہ کے لئے حرم شریف کے اندر پہنچے، تو جگہ مطلق نہیں، آج حرم شریف مانتا، افتد نازیون سے کچا سچ بھرا ہوا ہے، رکوع و سجود کا ذکر نہیں، اکھڑے ہونے تک کی گنجائش نہیں، مجبوراً حرم شریف کے اندر کی جماعت کا خیال ترک کر کے باب ابراہیم کے بالا خانہ پر مدرسہ خزیہ عثمانیہ کے جو کمرے ہیں، ان میں چڑھ گئے، اور قاری اٹتق صاحب مہتمم مدرسہ کے لطف و کرم سے، کسی نہ کسی طرح یہاں جگہ مل گئی، فاصلہ اس قدر ناز و باہر ٹرک پر نشو و نہنگ تھا، اتنا کہ تکیہ کی آواز تک نہیں سنائی دیتی تھی، اگلے سیدھے، جس طرح بن پڑا، کسی طرح نماز ادا ہو گئی، سہ پہر کو مدرسہ کا سالانہ جلسہ تھا، اس تقریب سے

بیان بعد عصر پھر آنا ہوا اور اس وقت ہر طرف سے عاجز و مجبور ہو کر مہین سے  
اس مضمون کا تار قاری اتحق صاحب کی وساطت سے ہنسی احسان انڈ صاحب انگری  
دیس کا نسل جدہ کے نام دینا پڑا۔

”۳۳ برس برابر سواری کی تلاش ہے معلّم کے کبھی نہ پورے ہونے والے وعدے

اب تک بیان روکے ہوئے ہیں“

خدا کی شان کہ جو حقى انقلاب اندئے نڈر تھا، وہ احسان اندئے ڈر کر فوراً سواری  
کا انتظام کر لایا، اور آدھ گھنٹہ کے اندر معلّم نے خود اگر یہ خبر دی کہ لاری کا انتظام ہو گیا  
اور اب ہم لوگ جب چاہیں روانہ ہو سکتے ہیں!

رضختی کا طواف، طواف الوداع کہلاتا ہے، ملک الملوک کے دربار کا یہ آخری  
سلام ہوتا ہے، طواف الصدر و طواف لافاضہ بھی اسی کے نام ہیں، یہ طواف وطن و پاپ  
جانے والوں پر خفی مذہب میں واجب ہے، البتہ عورتیں اپنے خاص زمانہ میں، اس  
وجوب سے مستثنیٰ ہیں، یہ طواف اسی طرح ہوگا، جی طرح اور سب طواف ہوتے ہیں، فرق  
صرف اتنا ہے کہ ایمین رل نہیں، باقی سات چکر کاٹنا، مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھنا،  
زعمز مینا، حجر اسود کو بوسہ دینا، اور موقعے تلے تو ملترزم سے لپٹنا، یہ سب چیزیں اس طرح بہتور  
خصت کے وقت کی بعض دعائیں جو حرم شریف کے دروازہ سے باہر نکلتے وقت پڑھی جاتی  
ہیں، کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں، معلّم اس وقت پڑھا دیتے ہیں، بہتر یہ ہے کہ کعبہ سے جب روانہ  
ہونے لگے، تو اسے پاؤں در جرم تک آئے، حج کی مقبولیت کی، اور دوبارہ حاضری کی  
بار بار دعا کرے، اور کعبہ سے جدائی پر آنکھیں روئیں یا نہ روئیں، لیکن کم از کم دل ضرور روتا ہو

اور حرم شریف سے باہر اگر مساکین کو کچھ صدقہ بھی دیدے، عصر اور مغرب کے درمیان ہم لوگوں کا سامان بندھ کر تیار ہو گیا، مغرب کی نماز حرم میں پڑھی، اور بعد نماز طوافِ وداع کے مراتب سے فارغ ہوئے، مغرب پڑھے ہوئے کوئی پون گھنٹہ گزرا ہوگا، کہ ہم لوگوں کے قدم، حدودِ حرم شریف سے باہر آ گئے، یہ وقت بھی عجیب ہوتا ہے، کوئی ہشاش بشاش کوئی غمگین و افسردہ، کسی کا دل امیدوں اور امنگوں سے لبریز، اور کسی کا قلب غم و حسرت کے بار سے دبا ہوا، کوئی یہ سمجھ رہا ہے کہ اب دوبارہ ان آنکھوں کو یہ دربارِ ابدیہ دربارِ دیکھنا کا یہ نصیب ہوگا، کسی کو یہ یقین کہ پھر آئیں گے اور بار بار آئیں گے اور سو بار اگر وداعِ حرم کی تلخیاں جھیلیں گے تو ہزار بار آدو وصال کی لذتیں اور حلاوتیں بھی حاصل کریں گے کوئی مغموم کہ کعبہ چھوٹ رہا ہے، کوئی مسرور کہ کعبہ ساتھ چل رہا ہے اپنی اپنی نسبت اور اپنا اپنا ظرف کس کو خبر کہ دونوں کے مالک کی نظیر میں کس کی نذر مقبول، اور کس کا تحفہ قابل قبول

# باب ۳۸

## ”جملہ متعرضہ“

معلم عبدالقادر سکندر کے مظالم کا تذکرہ بار بار آچکا ہے، عجب نہیں کہ بعض ناظرین اس تذکرہ سے اکتا گئے ہوں، لیکن حقیقتہً جو کچھ کہا جا چکا ہے، اس سے کہیں زیادہ وہ ہے، جو نہیں کہا گیا ہے! آپ بتی کے یہ چند موٹے موٹے واقعات تھے، جبکا ذکر ناگزیر تھا باقی اگر وہ کل جزئیات لکھے جائیں، جو ہم لوگوں کو پیش آکر رہے، یا ہم نے دوسروں کو پیش آتے دیکھے، اور کسی ایک پر نہیں، بلکہ امیر احمد صاحب علوی کا گوروی ٹوٹرکٹ جی نیچ سے لیکر غریب سے غریب ہر طبقہ کے حاجیوں پر گزرتے دیکھے، اگر ان سب کو لکھا جائے تو یہ سفر نامہ، سفر نامہ کے بجائے اچھا خاصہ ”سکندر نامہ“ بن کر رہ جائے، اور سکندر نامہ بھی پر لے طرز کا ”برسی“ یا ”بحری“ نہیں، بلکہ نئے طرز کا ”رگستانی“! ————— خوش عقیدہ ناظرین اپنے دلوں میں کہہ رہے ہوں گے، کہ یہ عجب طرح کا مسافر حجاز ہو، گیا تھا حاج کرنے، اور لگا معلم کے مظالم کا دکھڑا روئے، اگر واقعہً معلم کی ذات ایسی ہی ظالم و طاغ خود غرض و بے درد ہوتی ہے، تو آخر دوسرے حجاج یہ شکوے کیوں نہیں کیا کرتے، اتنا شور و شغب ہی تھا کیوں کر رہا ہے؟ لیکن خوش عقیدہ حضرات کا یہ حسن ظن صحیح نہیں یہ تباہ کار پہلا مسافر حجاز نہیں، جس نے معلموں کے خلاف فریاد برپا کیا ہے،



مولانا محمد حسین الہ آبادی کا نام بالکل غیر معروف نام نہیں، حضرت حاجی امداد  
 کے مرید و خلیفہ تھے، اور تمام تر عشق و محبت کے رنگ میں رنگے ہوئے اجیر میں عین حالت  
 سماع میں انتقال فرمایا، اور اس زمانہ میں سارے ہندوستان میں اس واقعہ کی دھواں  
 مچ گئی تھی، آج سے ۳۲، ۳۳ سال قبل ۱۳۱۱ھ میں جو تھی بارج کے لئے تشریف لے گئے  
 اور واپسی پر دہلوانہ و ستانہ زبان میں مختصر سفر نامہ حلیۃ المسکین الی البلد الامین کے نام سے  
 شائع فرمایا، داستان سفر کیا ہے، گویا داستان عشق ہے، عرب اور اہل عرب کے ساتھ  
 محبت و شفقت میں یہ غلو، کہ ان کے خلاف ایک حرف شکایت سننا بھی گوارا نہیں، وقت  
 صاف وغیرہ) با انیمہ آپ بیتی بیان کرتے وقت یہ لکھنے پر مجبور ہیں، کہ مکہ سے ہر ذی الحجہ  
 کو مئی روانہ ہوتے وقت

” اس سال اونٹوں کے لئے میں بہت دیر لگی، اس وجہ سے عصر کے وقت مکہ سے  
 روانگی ہوئی، مغرب حدود میں پڑھی اور عشا کے وقت منیٰ میں قیام ہوا، فجر کی  
 نماز پڑھ کر وہاں سے چلنا چاہئے تھا، مگر بدو اور مطون کے ملازمین نے نہ مانا، منیٰ  
 میں قیام بھی مشکل میرے اصرار سے کیا تھا، اخیر شب میں عرفات کو چل دیئے، اور  
 قبل طلوع آفتاب وہاں پہونچ گئے، بدو اور مطون چونکہ ہمیشہ حج کو آیا جا یا کرتے  
 ہیں اور مقصد دان کا حج ہوتا بھی نہیں، فقط حاجیوں سے تحصیل زکوٰۃ نظر ہوتی ہے  
 اس وجہ سے ان کی نظر میں سنن یا سجدات چند ان با وقت نہیں ہوتے .....  
 یہ ستم پیشہ مطوفین اور ان کے ملازمین اس کا کچھ سمجھا نہیں کرتے، اور اپنی تھوڑی  
 سی راحت کے لئے ان کو (یعنی حاجیوں کو) رنج بھی پہونچاتے ہیں اور ثواب سے  
 غورم رکھتے ہیں“ (ص ۶۲، ۶۱)

چنانچہ مولانا محمود آزادؒ کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ بجائے مطوفوں کے،  
”کہ سے کسی ذی علم سمجھدار کے ساتھ ہوئے..... اور اسے ارکان

حج میں مطوفوں کا پابند نہ رہے“ (۶۲)

فقہ حنفی میں ۱۲ رکعتوں سے کہ کی واپسی بعد زوال ہی درست ہے نہ کہ قبل زوال  
لیکن ظالم مطوفوں کے ہاتھوں مولانا پر کیا گزری، اسے مولانا ہی کی زبان سے سنئے:

”بارہویں کو صبح سے مطوف کے ملازمین نے کہ چلنے کے لئے تعاضاً شروع کیا، اور  
بدون کو ایسا سبق پڑھایا کہ ہرگز زوال کے وقت تک ٹھہرنے کو راضی نہ ہوئے، مطوف  
کے ملازم کچھ پڑھے ہوئے بھی تھے، ایک کتاب میں سے ایک روایت امام ابو حنیفہؒ  
کی دکھائی جس سے اس دن قبل زوال بھی رمی کرنے کا جواز نکلتا تھا، میں نے  
کہا یہ روایت ظاہر روایت کے خلاف ہے، اور غیر مستقیم ہے، مگر انھوں نے ایک  
نہ مانا، پھر رمی ان کا ساتھ چھوڑنا پڑا، وہ میرا سامان لیکر چل دیئے، میں مع  
اپنے چند رفیقوں کے رہ گیا، اور زوال کے بعد رمی کر کے روانہ ہوا، براہ میں مشکل  
سواری کے لئے گدھا ملا“ (۶۲)

مولانا کے مذہب میں عرب و اہل عرب کے متعلق شکایت کا ایک حرف بھی  
زبان پر لانا گناہ، کیسی کچھ اذیت پہونچی ہوگی، جب جا کر وہ بے لفظوں میں آنا  
بھی قلم سے نکلا،

۱۹۲۳ء میں گورکھپور کے مشہور رئیس مولوی سحان الدخان صاحب نے  
سفر حج کیا، اور واپسی پر اپنا سفر نامہ میرا سفر حج کے عنوان سے شائع کیا، اس سفر نامہ

کہ بھی بعض فقرے سننے کے قابل ہیں۔ مولوی صاحب موصوف جانتے ہیں، کہ اس قسم کی کوئی بات زبان سے نکالنا، خوش عقیدگی کے مذہب میں کتنا بڑا جرم ہے، اس لئے بیان کرنے سے قبل تمہید بیان یوں اٹھاتے ہیں ۱۰۔

”اس کے بعد میں مطوفون کے پورے حالات لکھ دینگا، میں خوب جانتا ہوں کہ اول تو لوگ اس کو باور ہی نہ کریں گے اور اگر واپس آئے ہوئے حاجی میری اس تحریر کو دیکھیں گے، تو یقیناً پھر پیر سیدی یا اہل حرم کی عظمت کا دل میں جنال نہ ہونے کا اور کنگائیں گے..... مگر دو خیالوں نے اس گستاخی کا ارتکاب کر لیا ہے، اول یہ کہ یہ تحریر نامکمل نہ رہے، دوسرے جانے والے انخاص آگاہ ہو جائیں“ (۵۵-۵۶)

اس کے آگے مطوفون کے مناقب سنئے۔

”اب سنئے، مطوف آپ کے ساتھ ہرگز ہمدردی سے نہ پیش آئیں گے، وہ ظاہری طور پر آپ کو کھنی چڑی باتوں سے خوب خوش کریں گے، میں خادم ہوں، بکثرت بردا ہوں، آپ کی مرضی میں میری بھی مرضی ہے، جو حکم دیجئے بجا لاؤں..... لیکن کسی شہر والے سے حتیٰ الوسع پکوٹے نہ لینگا اگر..... جبراً قہراً ملا لینگا، تو خود دیا اپنے ملازم کو جسے وہاں کی اصطلاح میں صبی کہتے ہیں، ساتھ کر لینگا، جب آپ کے ساتھ ان میں کوئی ہوگا، تو اگر کوئی صلاح آپ چاہیں کہ وہاں کے کسی شخص سے بے سیکس نا ممکن ہوگی..... یہ برتاؤ عام لوگوں کے ساتھ ہے، خاص لوگوں کے ساتھ علانیہ تو ایسا نہیں کرتے، مگر درپردہ یہی کام باتیں ان کے ساتھ بھی کی جاتی ہیں.....

موسے سلف میں تبرکات کی خبر بداری میں مطوف کا حق الازی، ہو، جبکہ پتہ آپ کو یہ چلے گا جیسے بنارس یا لکھنؤ کے دلال ساتھ ہو لیتے ہیں اور اشارہ کے ساتھ خریداری میں حق قائم

ہو جاتا ہو، (۵۵-۵۶)

آگے مکان کے کرایہ پنجمیہ کے کرایہ وغیرہ میں معلم صاحبان کے "حقوق" کا تذکرہ کرنے کے بعد آخر میں کہتے ہیں:-

"یہ تو چند ظاہری باتیں ہیں جن کو میں نے ظاہر کیا، اور نہ اس کا تو مشنا ہی یہ بتاؤ کہ دھوکے سے قریب سے بہت سے مباحث سے جس طرح ہوا آپ سے حاصل ہی کرتا جا چکا یہ الفاظ ایسے شخص کی زبان سے نکلے ہیں جسکی فیاضیان حد اسراف تک پہنچی ہوئی ہیں، اور جس کی داد و دہش کی صورت بھر میں شہرت ہے اور جس کو خود اپنے معلم سے مطلق کوئی شکایت نہیں پیدا ہوئی تھی،

خان بہادر عبدالرحیم صاحب نقشبندی، علاقہ پنجاب کے رہنے والے، مدرسین محکمہ سرے کے کسی معزز عہدہ پر ممتاز تھے، ۱۹۱۱ء میں انھوں نے سفر حج کیا، اور سفر میں الشرفین کے عنوان سے اپنا مفصل و مبسوط سفرنامہ تین حصوں میں شایع کیا، اس میں معلم صاحبان کے حالات و اسرار خاصہ تفصیل سے بیان کئے ہیں، اس کی نقل کی گئی ہے، نہیں جسے جسے فرقے کافی ہوں گے، فرماتے ہیں:-

"گو یہ امر عجیب ہے، اور طبیعت پر اس کے اظہار سے ناگواری اور گرائی ہے کیونکہ

یہ اختیار کی برائیاں نہیں ہیں، بلکہ خود اپنے عیب دوسری اقوام کے رد و بدویان کئے جاتے ہیں، مگر ان واقعات کا چھپانا جو حجاج کی ایذا کے باعث اور عرب کی بدنامی کے موجب ہیں، اس سے بھی زائد ناگوار ہے، پس کہنا ہی پڑا کہ علی العموم ان بزرگواروں (یعنی مسلمانوں) سے ہندوستانی حجاج کو سخت ایذا و تکلیف پہنچتی ہو

..... جس وقت حجاج جدہ شریف آئے ہیں، تو یہ لوگ خود یا اپنے مطوفوں کو جہدہ روانہ کر کے حجاج کو اپنے دام میں کر لیتے ہیں..... حایوں کو یہ لوگ کھیتی سمجھتے ہیں اور سالانہ پیداوار جہان تک ممکن ہو، نکالنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرتے..... جہان تک ان سے ممکن ہوتا ہے، حجاج کو لوٹتے ہیں، اور کسی طرح اپنے سال بھر کے گزارے کا مبلغ جمع کر لیتے ہیں..... اتنا یہ ہے کہ مطوفین..... امیر حاجی کو لنگوٹی ہندھوا کر چھوڑنا زیادہ ثواب سمجھتے ہیں، یہ عام ہے، شاذ کا ذکر نہیں، خوف میں ڈالنا، غلط خبریں سن کر روحی ایذا پہنچانا تو معمولی باتیں ہیں..... نادائق ہندوستانیوں کے لئے یہی کافی ہے کہ فلاں مطوف کی ہے، مکہ کے رہنے والے ہندوستانیوں کی نظر میں مصوم اور واجب التعمیم ہیں، خواہ ان کے افعال کچھ ہی کیوں نہ ہوں..... یہ جو کچھ میں نے لکھا ہے، میرا اور مختلف حجاج کا تجربہ ہے، (ص ۲۳۹ تا ۲۴۲ حصہ اول)

امرتسر کے ایک صاحب محمد شریف ہیں، انھوں نے ۱۹۲۲ء میں سفر حج کیا، اور واپسی پر اپنا مختصر سا سفر نامہ ۳۳ جزیو کا شائع کیا، معلوم ہوتا ہے، کہ بزرگوں کی آنکھیں دھبے ہوئے ہیں، اس چھوٹے سے رسالہ کے اوراق میں بار بار اس کی تاکید کرتے ہیں، کہ جو کچھ گذرے، حاجی کو چاہئے کہ صبر و تحمل کے ساتھ اسے برداشت کرے، جو امور ناگوار طبع پیش آئیں، انھیں اللہ کی جانب سے آزمائش سمجھے، قس علی ہذا، لیکن ان مواعظ و نصائح کے باوجود، یہ لکھنے پر مجبور ہیں کہ:-

”عموماً یہ سنگیر کہ مکہ شریف میں بہت سے مقام لوگ اپنے فرائض پوری طرح ادا

نہیں کرتے، جس کی وجہ سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہی، یہ شکایت خانہ کعبہ میں دفنانا  
 حرم شریف میں مراد ہے، لوگوں کی زبانی سنی جاتی تھی..... ہم کو بھی اپنے معلم سے  
 تکلیف ہی ہوئی اور کوئی ایسا آرام اس سے نہیں ملا" (ص ۳۳)

اس کے آگے اپنی تکلیف کی تفصیلات لکھی ہیں، یہ تکلیفیں وہی ہیں، جو اکثر و بیشتر  
 حاجیوں کو معلموں کے ہاتھوں پیش آتی رہتی ہیں، مثلاً عین وقت پر باوجود ہر طرح کے  
 پختہ وعدوں کے، سواری کے انتظام سے جواب دیدینا، سواری کا سامان دشمن  
 وغیرہ، باوجود پوری قیمت لینے کے، بوسیدہ اور تکلیف دہ قم کا دینا، مکہ سے روانگی کے  
 وقت سواری کے ہم پہنچانے میں مطلق مدد نہ دینا، وغیرہ وغیرہ،

معلم حضرات اگر صرف اسی پر بس کرتے، کہ حاجیوں سے زیادہ سے زیادہ  
 وصول کر لیا کریں، اور اس کے بعد حاجیوں کو پوری طرح اعمالِ حج ادا کرنے  
 دیتے، تو بھی زیادہ مضائقہ نہ تھا، محکم بیجا روں کا آخر ذریعہ معاش یہی حاجیوں  
 کی آمدنی ہی ٹھہری، لیکن اصلی روناؤ ان کی حرص و ہوس کا نہیں، بلکہ قیامت  
 یہ ہے کہ رہبری کا دعویٰ کر کے کام رہزنی کا کرتے ہیں، مدعی اس کے ہوتے  
 ہیں کہ حج صحیح طریقے پر کرادیں گے، مگر ہوتا اس کے برعکس عموماً یہ ہے، کہ انھیں  
 معلمین کے باعث خدا معلوم کتنے مستحبات چھوٹ جاتے ہیں، سنن رہ جاتے ہیں، اور  
 کتنی بیش بہا گھڑیاں محض ضایع ہو ہو جاتی ہیں، پھر ان کی وجہ سے قلب کو جس تشویش  
 و غلجان کا شکار بننا پڑتا ہو، اور عین شکستگی و فروتنی کے وقت زبان پر جیسے جیسے نالائک  
 کلام آتے ہیں، یہ سب مستزاد مولانا گنگوہیؒ کے خلیفہ مولانا خلیل احمد مرحوم و منقولہ

(شراح ابو داؤد) شریعت و طریقت کے جامع بزرگ، حج کے موقع پر ۹ رذی الحج کوئی  
 مین قبل طلوع فجر، اپنے نوافل معمولہ میں مصروف تھے کہ معلم صاحب نے اگر شور مچانا  
 شروع کر دیا کہ عرفات کے لئے فوراً روانہ ہوں، اس ہنگامہ میں سکون قلب کے  
 ساتھ نماز میں مشغول رہنا مولانا ہی کا کام تھا، سلام پھرنے کے بعد غصہ کے ساتھ معلم نے  
 ارشاد ہوا کہ ہم نے تمہیں مطون قرار دیا ہے، استاد یا میر نہیں قرار دیا، ہم  
 شروق آفتاب سے ایک منٹ پہلے بھی نہیں اٹھیں گے، جتا لون کو اپنے اڈٹون  
 پر اختیار ہے، اپنے اڈٹون کو لیجائیں، ہم پیدل انتظار اللہ عرفات پہنچ  
 جائیں گے (تذکرہ خلیل ص ۲۶-۲۷، ملخصاً) ان چند شہادتوں سے اندازہ ہو گیا  
 ہوگا کہ عالم، عامی، صوفی، رئیس، جس کسی کو بھی حج کی سعادت نصیب ہوئی  
 ہے اسے ساتھ ہی معلم صاحبوں کی ان عنایتوں کا بھی لذت آشنا ہونا  
 پڑا ہے، گویا —

جو تری بزم سے نکلا سو پریشان نکلا

ان معلمین ہی کے طائفہ عالیہ کی شان میں ہے، بدھن کی لوٹ مار کے  
 افسانے آج سے چند سال قبل ہر شخص کی زبان پر تھے، معلموں کے کارنامے  
 اب تک عام نظروں سے مخفی ہیں، — — — ظاہر ہے کہ کسی  
 طبقہ کے سب افراد یکساں نہیں ہوتے، یہ جو کچھ لکھا جا رہا ہے، ایک عمومی  
 اور اکثری حیثیت سے لکھا جا رہا ہے، بعض معلم صاحبان یقیناً کلیہ میں  
 مستثنیات کی حیثیت رکھتے ہیں، ناظر یا جنگ بہادر کے معلم کو (جو شاید  
 حیدر آبادی حجاج کے معلم ہیں) میں نے خود دیکھا کہ وہ اپنے حاجیوں

کی خدمت گزار رہی پوری توجہ و تندرستی کے ساتھ کر رہے تھے، اور بعض نیک  
 بزرگوں سے معلوم ہوا کہ سید امین عظیم مرحوم کے پوتے، سید عقیل عطا مسعود  
 کے طبقہ میں ایک یگانہ ہستی ہیں،





# باب ۳۹

## جسد بہار

"جملہ معترضہ ختم ہوا، یہ سائے چار کا لمون کا "جملہ" حرف نحوی اصطلاح میں نہیں، اپنے لفظی معنی میں بھی "معترضہ" ہی تھا، اور لمون کی پیرہ و ستون سے آئندہ حاجیوں کو آگاہ و خبردار کرنے کے لئے یہ جملہ معترضہ سفرنامہ کا ایک ضروری جزو تھا، اب پھر اصل سفر کی داستان شروع ہوتی ہے، عتقا کا اول وقت ہو چکا تھا، جب مجمع کو پیرتے ہوئے، ہم سب لوگ اعرابیوں پر سوار ملک کی آبادی سے باہر اُس مقام پر پہنچے، جہاں روانگی کے لیے موٹر ملتے ہیں، سوار ہو چکے، لیکن سواروں کی تعداد زیادہ سیڑھی میدان میں گزاری، کچھ وقت معلم صاحب کے ساتھ زق زق بقی بقی میں گزرا، اور باقی سوئے میں صبح ہوئی، نماز فجر پڑھی، آفتاب نکلا، چائے اور ناشتہ سے فراگی، سواروں کا اب بھی پتہ نہیں! دیر کے بعد معلوم ہوا کہ فرلانگ دو فرلانگ پر سرکائی تھانہ ہے، اصلاح ٹھہری، کہ وہاں چل کر قیمت آزمائی کیجائے، پولیس اگر مسافروں تک نہیں آتی، تو مسافر تہہ حال پولیس تک جاسکتے ہیں، ممکن ہے، پولیس کچھ دستگیری کر سکے، ————— تو کل کا یہ مرتبہ کہاں نصیب تھا کہ اللہ کے حکم میں اگر کوئی شہر ہی پر بھروسہ کئے بیٹھے رہیں، خلق اللہ سے استعانت ناگزیر تھی، —————



سے ہم کی دوپہر کو بچلے تھے، اسی طرح شہر مکہ سے ۵۰ ارڈمی انچہ کو بعد مغرب روانہ ہوئے اور  
 ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷ کو نماز چاشت کے وقت شہر نبیہ سے باہر ہوئے، ہندوستانی  
 وقت کے حساب سے کوئی ایسے ہون گے، کہ حدود مکہ سے موڑ روانہ ہو گیا، —  
 دیکھتے ہی دیکھتے یہ چند روز کا بابرکت زمانہ قیام ختم ہو گیا، اب عمر بھراسی کی یاد رہی گئی  
 اور اسی کی حسرتیں، اسی کا دھیان رہیگا اور یہیں کارمان، یہیں کی تمنائیں رہیں گی، اور  
 یہیں کی آرزوئیں، اسی در کی طلب، اور اسی آستان کی تڑپ، ایک خواب تھا کہ چشم زدن  
 میں ختم ہو گیا، اب عمر بھر کی بیداریاں ہوں گی اور تنہا خواب! — لیکن یہ اس  
 کا غلبہ، اور مایوسی کا جھوم کیوں؟ جس قادر علی الاطلاق نے بلا کسی حق و استحقاق کے ایک  
 بار ان آنکھوں سے اس کی زیارت کرا دی، اُس کے فضل و کرم سے کیا کچھ بعید ہے کہ ایک بار  
 پھر، اور ایک ہی بار کی قید کیوں، بار بار پھر جیتے جی، اس جنت ارضی کی سیر کر لے، اور  
 کرتا رہے، ولالے اور پھر لچائے، لے جائے اور پھر لالے، لالے اور بار بار لالے، اور  
 ایسا لالے کہ پھر اس جہم ہوتی کو جنت البقیع یا جنت المعلیٰ کے احاطہ میں حشر تک کے  
 لئے سلا دے، یہیں سلائے اور یہیں سے اٹھائے، "زندگی" کی طلب رکھنے والوں کو  
 انگلستان و فرانس، امریکہ و جرمنی کی سیر مبارک، لیکن "موت" کے دامن میں نبیہ و دھونڈ  
 والا حجاز اور حجاز والے کے سوا، کس کا آسرا لگائے؟ "جنت نظیر" کی آرزو والے کشمیر اور  
 "جنت نشان" کی تمناء والے فرنگستان کی گلکشت میں مصروف رہیں، لیکن "جنت نظیر" اور  
 "جنت نشان" کی شاعری کا مفتون نہیں، جنت کی حقیقت کا بھوکا، اگر ادھر نہ آئے، تو  
 کدھر جائے؟

موٹر کا سفر بخدا اللہ ہر طرح خوشگوار و آرام دہ رہا، اور گومی کی ۲۵ تھی، موسم  
 بہت زائد سخت نہ تھا، موٹر اچھا تھا، مصری شو فر اچھا تھا، ہندی رفتار اچھے تھے، دریا  
 میں ذرا کی ذرا بجزہ میں ٹھہرے یہاں چائے کی میز پر چند چادری جالیوں کا ساتھ رہا،  
 ایک دوسرے کی زبان سے یکسر اپنی اس پر بھی ملاقات پر لطف و شگفتہ رہی، ڈھائی  
 گھنٹہ میں جدہ کی عمارتیں دکھائی دینے لگیں، اور چند منٹ کے بعد موٹر اپنی جگہ پر ٹھہر گیا،  
 آج ہندوستان کی ڈاک کی تقسیم کا دن تھا، وطن چھوڑنے کے بعد یہ پہلی اخباری ڈاک  
 تھی، جو سرزمین عرب پر ملنے والی تھی، عزیزوں کی خیریت میں دوستوں کے ذاتی حالات  
 میں، اور ملک کے عام قومی کیفیات میں دل لگا ہوا تھا، اپنی ڈاک پوسٹ اسٹر جہ  
 کے پتہ پر طلب کر آیا تھا، موٹر سے اترتے ہی دوپہر میں پیدل ڈاک خانے پہنچا، یہ معلوم  
 کر کے بالواسی ہوئی کہ ڈاک کے جواز کی آمد ہے، لیکن ابھی آئینہ چکا ہوا، مجبوراً واپس ہوا  
 اور اپنے کیل صاحب سیونی کے مکان پر پہنچا، سیونی قافلے اس وقت سے کہیں نہیں  
 جدہ واپس پہنچ چکے تھے، اور اکثر دن کے ٹکٹ کا انتظام ہو چکا تھا، وکیل صاحب  
 کے مکان کے اندر هجوم اور باہر ایک میلہ سالنگا ہوا، ہم لوگوں کے پہنچنے میں اچھی خاصی  
 تاخیر ہوئی۔ وہی نظم صاحب کی عنایت! اور اس اثنا  
 میں جہاز کی سب جگہیں بھر چکیں، یعنی کے لئے ٹرزمورسین کا پہلا جہاز، رحمانی، کل ہی پر سو  
 روانہ ہونے والا ہے، اس کی گنجائش بھر کے مسافر سب آچکے، اب بھلا اس پر جگہ ملنے کی  
 کیا صورت ہو؟ وکیل صاحب نے بھی بالواس کر دیا، اور جہاز سیونی کے دفتر والوں نے  
 بھی سیونی کے دفتر ہی میں تھا، کہ اتفاق سے منشی احسان اللہ صاحب وائس کانسلیو  
 آگئے، ٹکٹوں کا معاملہ انھیں کے ہاتھ میں ہے، مگر انھوں نے اپنے ہان کے قاعدے

اور رضا بڑے ایسے مقرر کر رکھے ہیں، کہ اگر کسی شخص کو مسئلہ خاص رعایت اور رعایت کرنا چاہیے  
 بھی، تو اسانی سے نہیں کر سکتے، ہر شخص کو اس کے نمبر ہی پر ٹکٹ ملیگا، اس لئے اس  
 جو ٹکٹ ہوئی وہ بھی کچھ امید افزا نہ تھی،

میں خود توجہ دے رہا تھا، لیکن رفقا کہاں ہیں؟ موٹر پہنچے ہوئے مدت ہو گئی  
 لیکن سائیکوں کی لاری کا اب تک پہنچنا نہیں، موٹر مانا کہ لاری سے قبل پہنچتی ہے، لیکن  
 بس وہی گھنٹہ پون گھنٹہ قبل، اس سے زائد کافرق تو نہ ہونا چاہئے، گھنٹہ گزرا، ڈیڑھ  
 دو گھنٹے تین گھنٹے چار گھنٹے مجھے پہنچے ہوئے ہو گئے، مین ظہر کے اول وقت پہنچا تھا  
 اب عصر کا اوسط وقت ہو گیا، اور لاری کا کمین پہنچنا نہیں، گھر اگر بار بار وکیل صاحب  
 سے دفتر کو ایک اشرف کو ٹیلیفون دلواتا تھا، اور وہاں سے کوئی جواب نہ ملتا تھا، جب  
 بالکل شام ہونے لگی، تو استغاثہ نے کرنٹی احسان اللہ صاحب کے مکان پر گیا، وہ خود  
 تو موجود نہ ملے، البتہ ان کے ہاں مولوی حاجی تارا احمد صاحب کان پوری مل گئے،  
 اور بڑے اخلاق اور تپاک سے ملے، وہ ماشاء اللہ متعدد جگہ چکے ہیں، اور یہاں کی  
 زبان، جغرافیہ، حالات سب سے خوب واقف ہیں، بیچارے ازراہ ہمدردی از خود  
 میرے ہمراہ ہو گئے، اور کمپنی کے دفتر کی تلاش میں نکلے، اور جب اس سے بھی کوئی  
 نتیجہ نہ نکلا، تو اب اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ رضا بالقضا پر مجبوراً عمل کرے، شہر ناہ  
 کے پچھلے پکڑے ہو کر صبر کے ساتھ انتظار دیکھا جائے، اتفاق دیکھئے کہ جون ہی  
 پچھلے پہنچے، پہلی لاری جو دکھائی دی، وہ ہمارے ہی قافلہ کی تھی، عین توجہ  
 آفتاب کا وقت تھا، گویا کہ سے جدہ تک جو فاصلہ میری موٹر تے ڈھائی گھنٹے میں ملے

کر لیا تھا وہ اس لاری نے، پہلے گھنٹے میں طے کیا اساتھیمون سے معلوم ہوا کہ راستہ  
 میں ہر قسم کی افتاد، شو فر کی حرکتوں سے لاری کو پیش آتی رہی، یہاں تک کہ ایک بار  
 اس کی سکرپٹ کی چنگاریوں سے لاری میں آگ بھی لگ گئی، اور کپڑے جلنے شروع ہو گئے،  
 لیکن بے درد و شفیق القلب شو فر کسی قسم کی مدد و ہمدردی کو ناالگ رہا لاری کو روکنے  
 تک کا روادار نہ ہوا! مولانا مناظر صاحب اور دوسرے رفقاء برابر التارا التارا بھرتی  
 احرار قی پکارتے رہے، اور صراحیوں کا پانی ڈال ڈال کر جس طرح بن پڑا آگ بجھائی،  
 ورنہ اگر جانیں بھی چلی جاتیں، تو کچھ عید نہ تھا! کوکب الشرقی کہیں کی گاریوں کا ایک ہی  
 تجربہ ہوا اور خدا نہ کرے اس تجربہ کے اعادہ کی نوبت آئے،

رحمانی، مہنبی کے لئے ۸ روپی کچھ کوروا نہ ہو رہا تھا، اُس پر جگہ ملنے سے بالکل  
 مایوس تھی، اور خیال یہی تھا کہ دوسرے جہاز کے انتظار میں ابھی کئی دن جدہ  
 میں پڑا رہنا ہوگا، لیکن رحمت باری کو مایوس دلون کو شکستہ کرتے کیا دیر لگتی ہے،  
 — اور اس سفر کے دوران میں تو اس کا مشاہدہ قدم قدم پر کرایا گیا —  
 ، ار کی صبح کو جب منشی احسان اللہ صاحب کے ہاں ملنے گیا، تو کچھ دیر کے بعد معلوم ہوا  
 کہ اسی جہاز میں پورے قافلہ کے لئے جگہ نکل آئی ہے یہ احسان تمام سرائی ہی کا تھا  
 لیکن احسان کا واسطہ احسان اللہ کی ذات کو بنایا گیا، منشی صاحب کی عنایت و نوازش  
 کی جب کوئی تعریف کرتا ہے، تو وہ چڑھنے سے لگتے ہیں، اور چشمِ قصور یہ دیکھ رہا ہے،  
 کہ منشی صاحب سفر نامہ کی ان سطور کو پڑھتے جاتے ہیں، اور ان کا استقبال سچا  
 تہنم کے چین ابرو سے کر رہے ہیں، لیکن — دوسروں کا تجربہ جو کچھ

ہوا اور جس شخص کو ہزار ہا اہل حاجت سے سابقہ رہتا ہے، اس کے لئے سب کو مطمئن  
 و رضامند رکھنا آسان بھی نہیں۔ اپنا تجربہ تو ان کے متعلق یہی ہوا کہ انھوں نے  
 اپنے احم باہمی ہونے کا ثبوت دیا، اور علاوہ ٹکٹ میں مدد دینے کے جس کی اس وقت  
 نہایت درجہ قدر ہوئی، کھلانے پلانے میں، چائے پلانے اور کھانا کھلانے میں جس لطف و  
 مدارات کا برتاؤ کرتے رہے، اس سے تو رہ رہ کر دھوکا ہوتا تھا کہ کوئی نئے شمسائیں  
 بلکہ پرانے بے تکلف دوست ہیں اور (اجاب پنجاب معارف فرمائیں) پنجاب کے باشندہ ہیں  
 اودھ کے رہنے والے ہیں، ان پر باریسین کے دفتر کے قاضی عزیز الدین صاحب سے بھی  
 اب کی زیادہ سابقہ رہا، ضلع بارہ بنگی کے قصبہ سیدن پور کے رہنے والے، گویا اپنے وطن  
 تھے، انھوں نے اگر بالکل عزیز دن کا سا برتاؤ کیا تو ان سے اسی کی توقع بھی تھی، جد  
 سے روانگی کے وقت ہم میان بیوی انھیں کے موٹر لاپنچ پر روانہ ہوئے، کہنی کے  
 ایجنٹ، اور شہر جدہ کے حاکم، حاجی عبداللہ علی رضا زبیل کے اخلاق کی کیا تعریف ہو  
 چہرہ کی نورانیت، نور باطن کا آئینہ، پروسیسون کے حق میں آیہ رحمت شیخ عبدالرحمن الفضل  
 سے بھی ملاقات رہی، ان کی محبتیں اور خاطر داریاں بھی بھولنے کی چیز نہیں، اور شیخ  
 نصیف کا آرام وہ اور پر فضا چوتراہی کے آخری مہنت کی گرمی، اور جدہ میں حاجیوں  
 کا ہجوم، اگر اب کی بھی فطرہ کرم سے شیخ نے اپنا چوتراہی عنایت نہ کر دیا ہوتا، تو خدا معلوم  
 دو راتیں کس طرح بسر ہو تیں، جدہ میں رہنے والے گویا اللہ کے گھر کے ڈیوڑھی بان  
 ہیں، حجاج کی خدمت کرنے اور انھیں آسائش پہنچانے کے انھیں بہترین مواقع  
 حاصل ہیں، خوش نصیب ہیں وہ افراد جو ان موقعوں کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے  
 اور انھیں اپنے لئے توشہ آخرت بناتے جاتے ہیں،





بھی، اور زیادہ آرام دہ بھی، سکند کلاس میں بھی بیٹھے موجود، اکبر پر پندرہ سو مسافر  
 تھے، اس پر سترہ سو بین، ہجاز کا علمہ اس کے علاوہ ۹ بیچے تک ہم لوگ پہنچ گئے تھے، ہ  
 ہ گھنٹے کے بعد سہ پہر کو روانگی کی سیٹی ہوئی، اور ہجاز وطن کی طرف روانہ ہوا۔  
 "وطن! کیا خدا کی شان ہے، حجاز کا مسافر ہندوستان کو وطن لکھ رہا ہے، اور سمجھ رہا ہے!  
 یہ وہی سلم خانمان برباد ہے، جو کبھی حجاز آیا تھا، جس کے باپ دادا کی رگوں میں حجازی  
 خون گردش کر رہا تھا، چند صدیوں کے بعد آج وطن پر دیس ہو گیا ہے، اور پر دیس وطن  
 کے حکم میں داخل ہو گیا ہے! حجاز اب اس کے لئے پر دیس ہے! اور مکہ و مدینہ کے حجاز میں  
 اب وہ اپنے تئیں غریب الوطن سمجھ رہا ہے!

---

## باب ۴۰

### جہازِ مہربانی۔ وطن

جانتے وقت اکبر برگئے تھے۔ اللہ اکبر کی بڑائی کو کیر یا ئی پکارنے والوں کی سواری کے لئے ”اکبر“ سے لکڑی ہو زون جہاز اور کون ہو سکتا تھا؟

واپسی کے وقت رحمانی پر سوار ہونا نصیب میں آیا، جج ذرہ کو آفتاب بنا دیتا ہے، ہم اگر واپس ہونے والوں کے ساتھ رحم و رحیمیت کے معاملات شروع ہو گئے ہوں، اور تمام رحمت و رحمانیت کے کاروبار ہونے لگے ہوں، تو دل رحمانی کے نام سے کیوں نہ نفاذ کرے، اور رحمت و رحیم کے معجزات کے پیشا رحلیوں اور بے حساب بہانوں میں یک تازہ عنوان کا اضافہ کرتے کیوں پھکپکائے؟ رحمانی صفت جہاز ہی کا نام کیوں سمجھے، سواری پر جتنے سوار تھے، اگر وہ سب کے سب رحمانی ہوں اگر ان سب کا شمار رحمانیوں میں ہو گیا ہو، تو فضل رحمان و رحیم کے رحم و کرم سے کچھ بھی بعید ہے؛ کسی کی بڑائی پکارنے والے دل نہ سہی، بڑائی پکارنے والی زبانیں تو سب ہی کی تھیں، اور خود اس برٹے کا دیدار نہ سہی، اس برٹے کے گھر کی زیارت کرنے والی آنکھیں تو ہر ایک کی تھیں۔

پس اگر واپسی کے وقت بحرِ قدرت کے عبور کے لئے، سفینہ رحمت و رحمانیت عطا کر دیا گیا ہو، تو اس پر حیرت کیوں کیجئے اور اس جو دونوں فضل و کرم پر تگدُل کیوں ہو جئے؟

رسانی اس وقت تک، ٹرنر مارلین کے جہازوں میں سب سے بہتر ہے، سب  
 زیادہ وسیع اور سب سے زیادہ آرام دہ، اول درجہ کے کین، دوسرے جہازوں سے  
 زیادہ گنجائشی اور آرام دہ، بعض بعض کین بجائے دو آدمیوں کے چار آدمیوں کیلئے  
 سکٹر کلاس میں بچکے لگے ہوئے، ہر کین کے اندر پائپ میں پانی کے از خود آجانے کا  
 انتظام موجود نہ یہ کہ پانی والا پانی کے خزانہ میں، الگ سے لاکر پانی انڈیل جائے، شہر  
 کے کسی نمبر میں بیان ہو چکا ہے، کہ جاتے وقت اکبر جہاز میں جگہ سب اوپر پکتان کے  
 کمرہ سے متقبل مل گئی تھی، اس وقت تو مولانا شوکت علی کی عنایت تھی، وہاں میں اس  
 جگہ کے ملنے کی کیا توقع ہو سکتی تھی، لیکن جو خدائے مہربان ہمیں تھوڑی سی جگہ  
 میں بھی تھا، اب کی اس نے کسی بیرونی کمرے کے نہیں بلکہ خود ٹرنر مارلین کمپنی کے  
 ایجنٹ اور حاکم جگہ، حاجی عبداللہ علی رضا زینل کے دل میں نیکی ڈال دی، انھوں  
 نے پکتان کے نام چٹھی لکھ بھیجی، چنانچہ جب جہاز پر آنا ہوا تو دیکھا کہ وہی سبے اوپر کے  
 عرشہ میں پکتان کے کمرے کے متقبل کمرہ، اس عاجز و گنہگار کے لئے محفوظ اور خالی پکتان  
 سے قدرۃ ہر وقت کا سابقہ اس پکتان کا نام لک ہے گونگی اور خوش مزاجی میں  
 پکتان وارڈ سے کمرہ ہے، لیکن مستعدی، کارگزاری، و خوش تدبیری میں اس سے بڑھا  
 ہوا ہے جہاز کے دوسرے کارکن بھی مستعد و کار گزار ہیں، مسافروں کی خاصی بڑی  
 تعداد حسب معمول، بنگالی حاجیوں کی ہے، پیشادری و سرحدی بھی بکثرت ہیں، اپنے  
 قافلہ کے علاوہ، پرانے ساتھیوں میں چودھری محمد علی راولوی مع اپنے دونوں  
 کے کبس اور اپنی بیمار لیکن نہایت ہمدرد و شریف شخصیت زوجہ مکرمہ کے اب کی بھی  
 ہم سفر ہیں، خوش مزاجی کی دھوم پہلے ہی سے تھی، اب حج کی برکت سے ماشاء اللہ

علی ہمدرد یوں اور ضد منکر اریوں پر زیادہ مستعد ہو گئے ہیں، ایک ایک کے علاج و تدارک کے لئے موجود، نئے ساتھیوں میں ڈپٹی امیر احمد صاحب علوی کا کوری، اور محمد اکرم خان صاحب (ایڈیٹر مجری، کلکتہ) کا ساتھ بھی ہر طرح خوش گوار و دھچپ رہا،

اب پھر وہی ڈیرہ ہفتہ کے لئے، لق و دق اور اتھاہ سمندر سے سابقہ خشکی اور خشکی کی ہر شے سے بے تعلقی، نہ پہاڑ نہ جنگل، نہ شہر نہ دیہات، نہ چرند نہ پرند، نہ باغ نہ مکان، نہ شجر نہ بحر، نہ سڑک نہ دوکان، بس ہر وقت اور ہر سمت عالم آب، اوپر نیلا آسمان اور نیچے نیلا سمندر، نہ کہیں اسٹیشن نہ قیام، دن رات مسلسل روانی ہی روانی، اب کی کل رائی میں بھی ٹھہرنا نہیں، بس یہی تک برابر چلتے ہی رہنا ہے، کچھ تو حج کی برکت، اور کچھ اس لئے کہ طبیعت مانوس ہو چکی ہو، واپسی میں سمندر کی دہشت، اور سمندر سے وحشت، کسی قدر کم ضرور ہو جاتی ہے، لیکن جاتی نہیں رہتی، وطن کا شوق دل پر غالب کہ کل کے پہونچے آج ہی پہونچ جائیں، اور انتظار کی ایک ایک گھڑی طبیعت پر گراں لیکن دن اور رات، گھٹنے اور منٹ تو بہر حال اپنے وقت مقرزہ ہی پر پورے ہون گئے، ہر روز خوش خوش حساب لگ رہے ہیں، اور اندازے ہو رہے ہیں، کہ فلاں تا ایچ، فلاں وقت یہی پہونچیں گے، فلاں فلاں سے ملین گے، فلاں ٹرین سے روانہ ہوں گے، یوں وطن کو تار دین گے، یوں وطن پہونچیں گے، کپتان سے سوال کی بھر مار ہو رہی ہو، اور جن بچاروں کی رسائی کپتان تک نہیں وہ خلاصیوں ہی سے پوچھ پاچھ کر دل کو تسکین دے رہے ہیں، سب اپنے اپنے حال میں مست اور اپنے اپنے منصوبے میں مگن، لیکن سمندر کا تادم ہر منصوبے پر غالب، اور ہوا کے ہول انگیز چھیرے

ہر تہمینہ کے غارت گرا،

سمندر میں برسات کا موسم اور برساتی ہو ایمن بہت قبل سے شروع ہو جاتی  
 ہیں، کپتان وارڈ نے بتایا تھا کہ ۱۰۔۱۱ جون تک میٹی ضرور پہونچ جانا فوراً برسات  
 شروع ہو جائے گی، اور بحری سفر میں برسات کا وسط نہیں، بلکہ ابتدائی اور آخری  
 حصہ زیادہ خطرناک اور تکلیف دہ ہوتا ہے، چنانچہ ہم لوگوں نے مکہ سے روانگی میں  
 جو اس قدر عجلت کی تھی، اس کا ایک بڑا سبب یہی تھا جدہ سے، ۲۲ مئی کو روانہ ہوئے  
 تھے، اب اطمینان تھا کہ خطرہ کے وقت سے قبل ہی میٹی انشاء اللہ پہونچ جائے گی  
 لیکن کیا انسان اور کیا انسان کا ارادہ اور اندازہ! تین چار دن تو سمندر کی حالت غریب  
 رہی اس کے بعد تیز و تند ہوائیں چلی شروع ہو گئیں، اور موجوں نے بلند ہو ہو کر ہمارے  
 سے ٹکرین کھانی شروع کیں، اس کیفیت کا پورا اندازہ بغیر بحری سفر کا ذاتی تجربہ کے  
 ہونہیں سکتا، یہ معلوم ہوتا تھا کہ سطح سمندر سے دس دس اور بارہ بارہ، بلکہ ہند  
 ہندہ اور میں میں فٹ اونچی موجیں، ہر سمت سے امٹا امٹ کر اور بند ہو ہو کر  
 ہمارے پر حملہ آور ہو رہی ہیں! اور ساتھ ہی ہمارے ڈانوا ڈول ہونا شروع ہوا، اوپر  
 کے عرش پر بیٹھ کر دیکھئے، تو ابھی یہ نظر آ رہا ہے، کہ ہمارا کاداہنا پہلو نیچا ہوتے ہوئے  
 بالکل زیر آب ہو جائے کوہے، اور ابھی یہ نظر آنے لگا کہ داہنا پہلو تو ٹکل آیا  
 اور اب باایان پہلو جھکے جھکے غرق ہونے پر ہے، دونوں کی گھبراہٹ کو چھوڑئے،  
 زبانوں کی دادیلا کا بھی ذکر نہیں، تم یہ ہوا کہ سروں میں چکر آنے شروع ہو گئے  
 اور تلی کی بیار سی پھیل گئی، جسے دیکھئے بہتر برپا ہوا، جو اٹھ کر چلا، وہ لڑکھڑا کر گرا،

کوئی دورانِ سرین گرفتار کوئی استغفارِ مین مبتلا، الا ماشاء اللہ، کچھ اللہ کے بندے محفوظ بھی رہے، ————— نماز بہترین عبادت ہو، لیکن نماز کے بعد ہی دعا و استغفار کا بھی حکم ہے اور وہ افضل ترین مجاہدہ ہے، لیکن ختمِ رمضان پر محاذِ صدقہ کا بھی ارشاد ہے، حج جیسے بابرکت سفر میں، اپنی کوتاہیوں، اور نفس پرستیوں سے جو جو لالیشیں اور کشافیتیں جمع ہو جاتی ہیں، اُن کے تصفیہ و تنقیہ کے لئے اس اضطراری مجاہدہ سے بڑھ کر لطیف و پُر اثر نسخہ اور کیا ہو سکتا ہے!

دن جاتے اور فاصلہ طے ہوتے دیر کیا لگتی ہے، ابھی نواجِ جدہ میں تھے ابھی کامران کے سامنے سے گزرنے لگے، بحرِ آخر ختم ہوا، بحرِ حوب شروع ہوا، سقوطِ رہے گزرے، بابِ المذنب سے نکلے، عدن کو پیچھے چھوڑا، ساحلِ عمان بھی نظر سے غائب ہوا، بحرِ ہند کی گہرائیوں کے اوپر آگئے، لیکن وطنِ جون جونِ قرب آتا جا رہا ہے، سمندر کا تلاطم بڑھتا ہی جا رہا ہے، گرمی کی شدت برسات کی سہمی، اس پر مستزاد جسمِ پسینہ میں شرابور غسل سے بھی تسکین نہیں جاتے وقتِ مسلمِ نوڈ سپلائی کینی کے کھانے کا انتظام اچھا تھا، اور انتظامِ مین اگر کچھ کمی تھی بھی، تو میجر اور اسٹنٹ میجر کی خوش اخلاقیات اس کی تلافی کر دیتی تھیں، اب کی مرتبہ یہ کوئی صورت بھی نہ تھی، جو چیز مانگے ہوٹل میں موجود نہیں، کھانا اول تو کھایا ہی کس سے جاتا تھا، کچھ غائب تھی، لیکن جو کھانا چاہتے، انھیں ملتا ہی کیا تھا، جو خوشحال تھے، انھیں مجبوراً انگریزی ہوٹل سے انتظام کرنا پڑا، جو بچا ہے اتنا خرچ نہیں کر سکتے تھے، اور محض مسلم ہوٹل کے بھروسہ پر تھے، اُن کی حسرتِ نصیبی قابلِ رحم تھی، کھانے سے کہیں

بڑھکر مصیبت پانی کی تھی، ٹھنڈا پانی عفا، فرسٹ کلاس والے سبک گویا نیم گرم پانی پینے پر مجبور، جہاز پر برف تھی، اور روزانہ تیار ہوتی تھی، لیکن اتنی قلیل مقدار میں، کہ صرف انگریز افسران جہاز کے لئے کافی ہو سکے، جہاز کے انگریز اوپنم انگریز افسر اور کپتان برف پی رہے ہیں، اور ٹھنڈے پھل (سنترے وغیرہ) کھا رہے ہیں، اور حاجی تب (بڑے) سابر حاجی بھی ہر چھوٹے سے چھوٹے انگریز کے سامنے غریب ہی ہی، قیمت ادا کرنے کو تیار، اس پر بھی قیمت تین تین لگی، و خشک لہی ہی لکھی ہوئی!

واپسی کے وقت جہاز پر عموماً موتیں بھی خاصی تعداد میں ہوتی رہتی ہیں، ہنر کی بے اعتدالیان اور بد پرہیزیان، خاتمہ سفر پر رنگ لاہی کر رہتی ہیں، خصوصاً جو لوگ لاغر و نحیف، مریض و ضعیف، کج تہہ ہوتے ہیں، اور ساتھ ہی اپنے اکرام و آسائش کے لئے زیادہ خرچ بھی نہیں کر سکتے، وہ تو ہجوم، غذا، موسم، آب و ہوا، وغیرہ کی سختیوں کو اور بھی برداشت نہیں کر سکتے، زیادہ تر موتیں اسی طبقہ میں ہوتی ہیں، ہمارے جہاز میں غالباً ۱۶، ۱۷ موتیں ہوئیں، دس دن کے عرصہ میں اور سترہ سو کی آبادی میں یہ تعداد کچھ ایسی بہت زائد تو نہیں، تاہم دونوں میں وھڑکن پیدا کر دینے کیلئے کافی سے زائد تھی، ایک پچیس تیس سال کے جوان سرحدی کی موت، جو نمونیا سے ہوئی اور ساحل بمبئی سے صرف چند میل اوجھ ہوئی، بہت دردناک تھی، افریقہ کے ایک مسین تاجر مس اپنے خشم و غم کے، فرسٹ کلاس کے مسافر تھے، ان کی جوان بیوی کی وفات بھی بڑی حسرتناک ہوئی، شیر خوار بچہ کو ان باپ وطن چھوڑ آئے تھے، جہاز پر انتقال کے بعد غسل میں سخت دقت ہوئی، حاجیوں کا جہاز اور اس پر غسل تکفین

کا کوئی معقول انتظام نہیں بدقت تو مردوں کے لئے بھی پڑا کرتی ہے، عورتوں کیلئے اس سے بھی کمین بڑھ کر پیش آتی رہتی ہے، ————— لیکن ان خوش نصیبوں کی موت کا کیا پوچھنا! گناہوں سے پاک صاف تازہ حج کئے ہوئے، عرفات کی طہری اور دیدار کعبہ سے مشرف، غریب لوطنی کی موت، سمندر کی قبرجنت کا راستہ سیدھا کھلا ہوا جہنم آتا ہو کہ آنسو بہانے کے بجائے، ان مرنے والوں اور مرنے والیوں کی خوش قسمتی پر جی کھول کر رشک کیجئے، رحمت حق کا نزول ان پر بھی نہ ہو گا، تو اور کس پر ہو گا!

۲۷ مئی (۸ اردی اچھ) کو دوشنبہ کا دن تھا جب سہ پہر کے وقت جدہ سے روانہ ہوئے تھے، ۳۲ رجب کو ایک ہفتہ پورا ہو کر دوشنبہ آگیا، اور وطن کی آتشیں اب تیز سے تیز تر ہو گئی، دن کے گھنٹے اور رات کی گھڑیاں اب کاٹے نہیں کٹتی تھیں، ایک ایک دن پہاڑ ہو رہا تھا، بھوک اور پیاس سے حال ابتر ہو رہا تھا، اس پر بھی سہ شنبہ کا دن سامان کے رکھ رکھاؤ، ٹھیک ٹھاک میں بسر ہوا، از اند بستر بندھتے تھے اور کھلتے تھے، اور پھر بندھتے تھے، یکس، صندوق، سوٹ کیس، ہینڈ بیگ، بار بار بند ہوتے تھے، کھلتے تھے اور پھر بند ہوتے تھے، پہاڑ شنبہ کو طوفانی حالت تیز ہو گئی، سمندر میں تلاطم تو تھا ہی، بارش بھی اچھی خاصی ہو گئی، جہاز پر بارش کا منظر خاصہ میب و دشت انگیز ہوتا ہے، کمزور دل والے بادل کی گرج، بجلی کی کرک، ہولکے زور، بارش کے شور، اور فضا کے اندھیرے گھپ کو دیکھ دیکھ کر سہے جادو تھے، اور جہاز اس فضا سے تیر و تار میں دوسرے جہازوں کو اپنے وجود سے مطلع



کرنے کے لئے بار بار بمبائیک سیٹیاں دے رہا تھا، کسی کا دل ناخدا سے، اور کسی کا خدا سے اٹکا ہوا، دلوں میں ہول و اضطراب اور زبانون پر دعا و استغفار پورا طوفان تو نہ تھا، البتہ طوفان کا ایک ہلکا سا نمونہ ضرور دیکھنے میں آگیا، جہاز کے لاسکی کے ذریعہ سے بمبئی، دفتر خلافت کمیٹی، کو اپنی آمد کا تار دیدیا، اور جی بے اختیار یہ چاہ رہا تھا کہ تار ہی میں ناشتہ کی خصوصاً تازہ پھلوں کی بھی فرمائش کر دیجائے چار شنبہ کی شام کیسی خوش آئند شام تھی! جہازوں کی شکلین اور دور دور کی عمارتیں سہ پہر ہی سے نظر آنی شروع ہوئی تھیں غروب آفتاب کے بعد ساحل کی روشنیاں صاف دکھائی دینے لگیں، یہ روشنیاں کوئی نئی اور انوکھی نہیں بارہا کی دیکھی ہوئی ہیں، لیکن آج کی کشمکش اور دل کشی ان میں کبھی پیشتر محسوس ہوئی تھی؟ ————— شب کے دس بجے ہوں گے، کہ جہاز سمندر میں ساحل سے فاصلہ پر لنگر انداز ہو گیا، اب صبح کو گودی میں داخل ہوگا، اور کہیں نو دس بجے تک اترا نا ہوگا، اتنا انتظار کس سے ہوگا! اور یہ رات کیسے کاٹے گئے گی!

یہ اللہ کے زاہدوں کے صبر و انتظار کا آخری لطیف مجاہدہ خدا خدا کر کے ختم ہوا، ۴ بجوں، پچیس بجے صبح ہوئی، بندر گاہ کے افسروں اور ڈاکٹر وغیرہ کی آمد رفت جہاز پر شروع ہوئی، دن نکلا اور کچھ دیر کے بعد جہاز نے آہستہ آہستہ گودی کی طرف طرف کھسکنا شروع کیا، نیچے کے درجوں کے مسافر بچا پے اپنی گھڑی مٹری سینکھائے، اپنے کندھوں اور سروں پر لوجھ لافے اوپر کے حصہ پر آگئے، اول

فرست کلاس والے سب سے اوپر کے عرشہ پر اکھڑے ہوئے، سب کی نگاہیں شوق و اشتیاق کی تصویر بنی ہوئی ساحل کی طرف جمی ہوئیں نیلجی، اب پلیٹ فارم صاف نظر آنے لگا، اور استقبال کرنے والوں کے چہرے دکھائی دینے لگے، ہلکا ترشح ہو رہا ہے بہت سے سروں پر چھتریان لگی ہوئی ہیں، اس وقت کی خوشی کا کیا ٹھکانا! کوئی اپنے کسی عزیز کو ڈھونڈ رہا ہے، کوئی اپنے کسی دوست کو، اور جس کے کوئی دوست یا عزیز جو دینین، اس کے لئے اس وقت وطن کے غیر اور بیگانے بھی کسی دوست یا عزیز سے کم نہیں! بابائے خلافت! اس موزون و عجیب لقب کو لوگوں نے خواہ مخواہ طنز پر مفہوم میں لینا کیوں شروع کر دیا ہے، جناب شوکت صاحب! ماشاء اللہ اپنے اس تن و توش کے ساتھ بھلا کسی مجمع میں کسی کے چھپائے چھپ سکتے ہیں! اپنی رنگین چمکدار عبا اور مسکراتے ہوئے چہرہ کے ساتھ رومال ہلاتے ہوئے، سب سے پہلے نظر پڑے، مولانا عرفان، مولوی شفیع داؤد میاں، میٹھو عبداللہ، مولوی سید مرتضیٰ صاحب بہادر (مدد اس) کہنا چاہئے کہ ساری کی ساری خلافت کمیٹی پلیٹ فارم پر موجود! حج کی تحقیقاتی کمیٹی کا اجلاس یمنی میں شروع ہو رہا ہے اس کے سارے ارکان جمع ہیں، باہم اشارے ہو رہے ہیں، صاحب سلامت، مبارکباد و فرح پرسی! سارے کام ہاتھوں کی حرکت سے انجام پا رہے ہیں اور ظالم ہمارے، کہ ایک ایک انج کی رفتار سے سرک رہا ہے!

آدھ گھنٹہ، پون گھنٹہ، خدا خدا کر کے انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں، کوئی نوبتے ہون گئے، کہ جہاز پلیٹ فارم پر آکر رکا، ٹرہیاں لگیں، لیکن ابھی مسافروں کو اترنے

کی اجازت نہیں، جہاز سیٹیں کے اعلیٰ افسروں اور جیٹیں کے ممبروں نے جہاز پر  
 قدم رکھا، ٹرنز مارین کے ایجنٹ میٹی ہسٹر براؤن سے ملاقات ہوئی، اور حالات سفر  
 پرنٹ وومنٹ کی گفتگو، شوکت صاحب، مولوی عرفان، مولوی شفیع داؤدی سب  
 اس وقت عزیزوں سے بڑھکر عزیز معلوم ہو رہے ہیں، جہاز سے اترنے کا مرحلہ بھی جہاز  
 پر چڑھنے کے مرحلہ سے کچھ کم نہیں ہوتا، بھیڑ بھار، دھکم دھکا چپقلش کے سارے لوازم موجود  
 مولانا شوکت علی کی مہربانی سے ساتھ کی یو این فورڈ اٹرکٹین، اور اسی وقت موٹر پر  
 "دار الخلافتہ کی طرف روانہ بھی ہو گئیں، کچھ دیر کے بعد ہم لوگ بھی اترے جہاز کے رکتے  
 ہی قلیوں کی ایک پوری جماعت اوپر آجاتی ہے، یہ لوگ خوب سدھے ہوئے اور شاد  
 ہوتے ہیں، اور بڑی بات یہ کہ ایمان دار اور دیانت دار بھی ہوتے ہیں، ضروری  
 طے کر کے جو چیز چاہئے، ان کے سپرد کر دیئے، اترنے کے ساتھ ہی میٹی کے مشہور خاں  
 ججاج حاجی جو علی صاحب کی طرف سے ہر حاجی کی خدمت میں ایک ایک کچہرہ نان  
 اور دو دو کیلے پیش ہوتے ہیں، ٹھنڈے پانی اور پھلون کو مدت سے ترے ہوئے  
 تھے اس وقت کیلون کا یہ تحفہ بڑی ہی نعمت معلوم ہوا، اور ایسے محسن کے حق میں دل  
 دعا نکلی، جہاز سے اترنے کے بعد ایک بڑا مرحلہ "جنگی خانہ" (کسٹم) کا ہوتا ہے، گھنٹوں  
 لگ جاتے ہیں، ایک ایک چیز کھول کر دکھانی پڑتی ہے، میں خود تو حسب معمول، البتہ  
 کسی دقت میں پڑے ہوئے موٹر پر اپنے معزز میزبانوں کے ساتھ روانہ ہو گیا، اور ساتھ  
 کالانا پٹنہ رفیق و عزیز شیخ مشیر الزمان صاحب کے جو بہترین رفیق سفر ثابت ہوئے، نیز  
 اپنے ماں کے خاندان ملازم، حاجی محمد علی کے جس کی ذات سے سفر کی تقریباً ہر مشکل  
 آسان ہوتی رہی، سپرد کر آیا، چنانچہ کچھ دیر کے بعد سامانِ خیریت پہنچ گیا،

دار الخلافہ پہونچے پہونچے اربچ چکے تھے مدت کے بعد آج امینان و فرغت  
 سے اپنی مرضی کے موافق غسل کیا، اور جب کھانا سانسے آیا، تو گویا مہو کون اور نرینوں  
 کی طرح کھایا، وطن کی قدر سفر کے بعد ہی ہوتی ہے، ہر شے میں ایک خاص لذت  
 محسوس ہو رہی ہے، خاص خاص دوستوں اور عزیزوں کے نام تار روانہ کر دیئے  
 بیٹی میں ڈیڑھ دن، باوجود شدید بارش کے مصروفیت ہی میں گذرا، سیٹھ عمر بھائی  
 چاند بھائی سے مل کر تعیہ امانت اُن سے واپس لینا کینوں کو روپیہ میں تبدیل کرانا  
 عزیزوں دوستوں کے لئے تحفہ تحائف خرید کرنا، سارا وقت اسی دوڑ دھوپ میں  
 بسر ہو گیا، اخبارات کو مدت سے ترسا ہوا تھا، دنیا کے انقلابات، ہندوستان کے  
 واقعات کی کچھ خبر نہ تھی، و فر خلافت میں جلدی جلدی اخبارات کی فائلوں پر ایک  
 نظر کر گیا، مرحون کو شب کے وقت پیتا اور اکسپرس سے لکھنؤ کے لئے روانہ ہوا، قافلہ  
 کے دوسرے اشخاص اپنی اپنی منزلوں کے لئے متفرق ہو گئے، چودھری محمد علی ردوہی  
 کا ساتھ لکھنؤ تک رہا، بھوپال اسٹیشن پر حیات صاحب (پلسٹی آفیسر) اور سید مرزا علی  
 صاحب جج بانی کورٹ، جنہیں آج مرحوم کہتے ہوئے قلم کا کلیجہ شوق ہوتا ہے، سید  
 الطاف احمد صاحب مع دوسرے احباب کے موجود تھے، مرحون کو صبح ۶ بجے لکھنؤ  
 اسٹیشن پہونچا، اور احباب و خالصین کی ایک پوری جماعت کو موجود پایا، گھر پہونچ کر  
 والدہ ماجدہ کی قدمبوسی کی، بچوں کے سر پر ہاتھ پھیرا، عزیزوں کی خوشی کا کیا پوچھنا  
 لیکن ان کی مسرت کا رنگ ہی سب سے الگ ہوا، ہر لفظ اور ہر عبارت اس کیفیت  
 کے اظہار سے قاصر ہے، قریب ایک ہفتہ کے لکھنؤ میں قیام رہا، اور سبب لانا چلنا ہوتا  
 رہا، سہارا پچ کو دیا، باؤ سے روانہ ہوا تھا، اور ۱۶ مرحون کو پورے تین مہینے میں

کے بعد پھر وہیں واپس پہونچا، پہلے حج کا سفر برسوں کا کام تھا، چھ چھوہینے تو ابھی  
چند سال قبل تک لگ جاتے تھے اب بھراؤ تین مہینے کے اندر، یہ اطمینان و عزت  
تمام یہ سارا سفر ممکن ہو گیا ہے، بلکہ اگر جہازوں کا انتظار آمدورفت میں کرنا نہ پڑے  
اور مدینہ منورہ میں مختصر قیام پر اکتفا کیا جائے، تو چھ سات ہفتے بھی کافی ہو سکتے ہیں  
اللھم لك حجۃ و بك آمنۃ و عليك توكلت و لك اسلمت و اياك اسرمت فقبل  
نسئلي و افقر لي ذنوبي و كفر حق سيأتي و استعملني في طاعتك ابدًا اما البقيتني و اعد لي  
من الناس، اللھم انی استودعك ديني و امانتي و حوائيم قملي فاحفظها اعلیٰ و علی  
كل مؤمن و مؤمنة انك سمیع الدعاء، اللھم لا تجعل عددا آخر العہد من بیتك  
و اسر حق العہد الیہ و احسن ادینی حتی تبلغنی اہلی و اکنفی موتی و موفی عیالی  
و جمیع خلقتی آئینون تابعون عابدون ساجدون و المرب حامدون صدق اللہ  
و عدوہ و نضی عبدہ و دھن ہر اکلاھن اب و عدوہ الا الہ الا اللہ و عدوہ  
لا شریک لہ،

## ضمیمہ (۱)

### حکومت حجاز اور خدمت حجاج

حکومت حجاز کی اصلی اور نمایان حیثیت، دنیا سے اسلام کی نظر میں خصوصاً حجاج اور زائرین کی نظر میں خادم حرین کی ہے، حجاز کا عالم مکہ و مدینہ کا خادم ہونا ہی مناسب ہے، آداب زیارت، حاجیوں کی خدمت اور ان کی ضروریات کے سلسلہ میں بہت سے کام اسی کے کرنے کے ہوتے ہیں، ان خدمات کا ذکر روداد سفر کے ضمن میں اپنے اپنے موقع پر چاہا جاتا ہے، ذیل میں ان کی پوری فہرست مرتب کر کے یکجا پیش کی جاتی ہے، جن اردو خوان حضرات کو موجودہ حکومت حجاز میں سو و تقرب حاصل ہے، اگر وہ ان معروضات کو سلطان تک پہنچا دیں، تو علاوہ خدمت حجاج کے اہم کے، یہ حکومت حجاز کے ساتھ بھی عین ہوا خواہی ہوگی،

(۱) سرزمین حجاز، سالہا سال سے بد امنی کا مرکز بنی ہوئی تھی، حاجیوں کا مال اگ لگا رہا، جان تک ہر وقت خطرہ میں رہتی تھی، سعودی حکومت کی سب بڑی برکت و سعادت یہ ہے کہ راستوں میں امن و امان قائم ہو گیا، اور بدویوں کی لوٹ مار کے واقعات، افسانے بن گئے، اس خدمت عظیم پر موجودہ حکومت کی حقیقت بھی شکر گزاری کی جائے، بجا و درست ہی،

(۲) اب حاجیوں کو سب سے زیادہ تکلیف معلوم کے ہاتھ سے پہونچتی ہے، حاجی تھوڑا غریب و نادان وقت حاجی معلم کے ہاتھ میں ایک بے جان کہہ کی طرح ہوتا ہے، معلم اس کو جو نظام چاہے کرے، جس طرح چاہے اسے لوٹے، فریاد و داد رسی کا کوئی کھلا ہوا راستہ اس کے علم میں نہیں ہوتا، حکومت اگر حرم شریف کے مختلف دروازوں پر ونیز عرفات اور نئی میں مختلف نمایاں و مشہور مقامات میں اپنے عقال کو متعین کر دیا کئے جنہیں معلوم، ونیز شو فروں کی شکایات سننے کے اختیارات ہوں اور ان عارضی عدالتوں کو خوب اچھی طرح مشہور بھی کر دیا کرے، (یہ آخری شرط بہت ضروری ہے) تو حاجیوں کو ایک بڑی حد تک، شدید تکلیفوں سے نجات مل سکتی ہو

(۳) حاجیوں کی بہت سی تکلیفوں کی جڑ ان کی ناواقفیت و اجنبیت ہوتی ہو ملک اجنبی زبان اجنبی، ہر شے ان کے لئے اجنبی ہوتی ہے، سواری والے ان سے جو چاہیں کر ایہ وصول کر لیں، ہر شخص انہیں جس طرح چاہے، دھوکا دے لے ان بیچاروں کے پاس ہونا کوئی ذریعہ ان وقتوں سے بچے کا نہیں ہوتا، حکومت اگر یہ کرے کہ موسم حج میں، حاجیوں کے لئے جدہ مکہ مدینہ عرفات، مزدلفہ، منیٰ وغیرہ کے متعلق ضروری معلومات کے مختصر ہدایت نامے (جنہیں مشہور مقامات کے پتے، اہم مقامات کے درمیانی فاصلے، سواریوں کے کرایے، ایشاء کے نرخانے وغیرہ وضع ہوں) لاکھوں کی تعداد میں، مختلف زبانوں، دینی عربی کے علاوہ فارسی، اردو، ترکی، پنجابی، جاوہی وغیرہ میں چھپوا کر شائع کرے، تو حاجی صاحبان بہت سی زحمتوں اور تیشوں سے بچ جائیں، یہ ہدایت نامے زیادہ تر سہند بل کی شکل میں ہوں، اور جو سبز زینت پر قدم رکھتے ہی حاجیوں کے ہاتھ میں پہونچ جایا کریں، ان کے علاوہ کچھ بڑے بڑے

پوسٹروں کی صورت میں ہوں، جو جدہ، مکہ، مدینہ منی وغیرہ نیز راستہ کی منزلوں میں نمایاں مقامات پر چھپان کر دیئے جائیں،

(۴) سٹی میں ایک یا ڈیڑھ سڑک کا ہونا جیسا اس وقت ہر اسٹریٹسز کا کافی ہو اور حاجیوں کو خصوصاً واپسی کے وقت بڑی ہی شدید زحمت اور کشمکش کا سامنا کرنا ہوتا ہے، تین یا چار راستوں کا ہونا ضروری ہے، حکم از کم دو راستوں کا ضروری انتظام ہونا تو از بس ضروری ہے، اس وقت تو حالت یہ ہے، کہ اونٹ، چمڑا، گھوڑے، موٹر پیدل اور آنے والوں اور جانے والوں سب کے لئے کل ایک ہی راستہ ہے، ہجوم کے وقت وہ منفی نفسی کا عالم ہوتا ہے، کہ میدان حشر کا نقشہ نظروں کے سامنے پھر جاتا ہے،

(۵) عرفات اور مزدلفہ میں مختلف ممالک کے لحاظ سے الگ الگ کیپ قائم ہو جائیں، مثلاً ہندی کیپ، مصری کیپ، جاوی کیپ وغیرہ، قس علیٰ ہذا، ان مختلف محلوں کے لئے الگ الگ عارضی سڑکیں بھی ہونی چاہئیں، شارع ہندیہ، شارع مصری وغیرہ تاکہ بٹھکے ہوئے حاجی یا سانی اپنے اپنے کیپ تک پہنچ سکیں، ہر سڑک کیلئے کوئی خاص نمایاں علامت یا نمبر ہونا چاہئے، پھر اس کے ماتحت ہر ہر نمبر کا نمبر ہونا چاہئے، اس وقت خیموں کے جنگل میں بچھڑے ہوئے حاجیوں پر جو مصیبت گذرتی ہے اس کا حال کوئی انھیں کے دل سے پوچھے،

(۶) پھٹکے ہوؤں کی رہنمائی کے لئے عرفات اور مزدلفہ میں حکومت کی چوکیاں بھی جایا، اور نمایاں مقامات پر قائم ہونی چاہئے، ان میں ایسے افسر رکھے جائیں جو مختلف زبانیں جانتے ہوں، اور شفقت، حلم، و ہمدردی میں ممتاز ہوں،

(۷) عرفات و مزدلفہ میں دو کانون کا موجودہ انتظام بھی اصلاح کا محتاج



ہے، بجائے اس کے کہ ایک جگہ بہت سی دوکانیں لگا دی جائیں، جن کے وجود کی خبر بھی دور افتادہ حاجیوں کو نہیں ہونے پاتی، بہتر یہ ہوگا کہ ہر ہر کیپ کے لئے الگ الگ بازار اس کیپ کے مذاق کی مناسبت سے قائم کرایا جائے،

(۸) انتظامات حج کے لئے کوئی کمیٹی اس وقت بھی حکومت کے ماتحت یقیناً موجود ہوگی، اس کمیٹی کے حلقہ خدمت کو وسیع تر اور اس کی خدمات کو مفید تر بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اس حج کمیٹی میں ہر سال، باہر سے آنے والے حاجیوں کے بھی کچھ نمائندہ شریک کئے جائیں جو اپنے اپنے ملک کے حاجیوں کی ضروریات کا حتی الامکان پورا انتظام کر سکیں،

(۹) شفا خانوں اور متعدد شفا خانوں کے عارضی قیام کی ضرورت نئی عرفات، مزدلفہ اور ان کے علاوہ مکہ و مدینہ و جدہ کی درمیانی منزلوں میں ہے، اس کی بھی شدید ضرورت ہے کہ یہ شفا خانے اپنی جگہ اور اپنے رنگ و غیرہ کے لحاظ سے بہت نمایاں ہوں تاکہ ہر شخص بلا دشواری اور بہ آسانی ان تک پہنچ سکے،

(۱۰) طواف و داخلہ حرم شریف کے سلسلہ میں، سلطان معظم کو خود اپنے طرز عمل پر بھی غور و نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہے، خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا اسوہ ان کے سامنے ہے، وہ حضرات جب حرم شریف کے اندر داخل ہوتے تھے اور طواف کرتے تھے، تو نہ ان کے ہمراہ مسلح غلاموں یا سپاہیوں کا غول ہوتا تھا نہ ان کے لئے مطاف خالی کرایا جاتا تھا، نہ اور کسی حیثیت سے وہ اپنے کو عام حاجیوں سے ممتاز رکھتے تھے،

(۱۱) مدینہ منورہ کے والی کا طرز عمل ہجہ کے دن، مسجد نبوی میں اور بھی

زیادہ رنج ہو تا ہے، گھنٹوں قبل سے روضہ شریفہ کا ایک بڑا حصہ (یعنی منبر نبویؐ اور محراب نبویؐ کا درمیانی حصہ) والی اور اُن کے رفقاء کے لئے خالی کر لیا جاتا ہے اور حکومت کے سپاہی، نماز پڑھنے والوں اور تلاوت کرنے والوں کو پھیراٹھا دیتے ہیں جب یہ سب ہو لیتا ہے، تو عین نماز کے وقت والی بدینہ، مسلح سپاہیوں اور بدعتیوں کے غول کے ساتھ مسجد میں آتا ہے، سلطان، بدعات کے دشمن ہیں، پھر خدا معلوم یہ سب زیادہ کھلی ہوئی "بدعت" اب تک کیونکر روار کھی گئی ہے؟

(۱۲) مسجد نبویؐ کے موجودہ قالین، بوسیدہ وادی، اور موجودہ روشنی ناکافی اور بار بار پھیر جانے والی، ہرگز اس مسجد کے شایانِ شان نہیں، اعلیٰ و بہتر فرش اور بہتر روشنی کی فوری ضرورت ہے،

(۱۳) مسجد نبویؐ کے موجودہ وضو خانوں کے نل ایک تو تعداد میں بہت کم ہیں اور پھر جتنے ہیں، وہ بھی ناقص و ازکار رفتہ بعض اوقات نمازیوں کو وضو کے لئے سخت وقتوں کا سامنا ہوتا ہے،

(۱۴) مسجد نبویؐ کے اندر ستونوں کے پاس، یا صفوں کے درمیان، گندے، بدبودار اور نجاست آمیز جوتوں کو لا کر ڈھیر کر دینے کا نظارہ سخت تکلیف دہ ہے اور بہت سارے کی قطعی ممانعت ہو جانا چاہئے،

(۱۵) مسجد نبویؐ کے اندر سائلوں پر کوئی روک ٹوک نہیں، عین حالتِ نماز، تلاوت، ذکر و دعائیں اُن کے ہاتھوں خصوصاً اُن کے چھوٹے بچوں کے ہاتھوں جو اذیتِ قلب اٹھانی پڑتی ہے، اس کا اندازہ تجربہ کے بعد ہی ممکن ہے اور اس بھی بڑھکر مزو دین کا شور و شغب، اور عین مقصودہ شریفہ کے پہلو میں یہ آواز بلند

لین دین کرنا تکلیف دہ ہوتا ہے، سائلوں اور مردوں دونوں کی یہ حرکتیں، ہر مسجد کے ادب و احترام کے منافی ہیں، چہ جائیکہ مسجد نبویؐ کے! خدا معلوم حکمت اب تک کیوں اس باب میں رواداری و تشیم پوشی سے کام لے رہی ہے، (۱۶) مسجد نبویؐ کے پانچ دروازوں میں سے ایک دروازہ، باب النساء کے نام سے موسوم عورتوں کے لئے مخصوص کہا جاتا ہے، لیکن عموماً اس دروازہ پر بھی مردوں کا براہ قبضہ رہتا ہے، اگر مردوں کی آمد و رفت اس دروازہ سے قطعاً روک دی جائے، تو عورتوں، اور خصوصاً ہندوستان کی کمزور اور شرمیلی عورتوں کو بڑی راحت و سہولت ہو جائے،

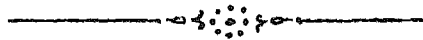
(۱۷) ارکان حج کے ادا کرنے میں، ہر اسلامی فرقہ اپنے اپنے طریق پر آزاد ہے اور یہی ہونا چاہئے تھا، لیکن ضرورت یہ ہے اس رواداری و فراخ مشربی کو بڑی مدینہ منورہ کے باب میں بھی وسیع کیا جائے، اور آداب زیارت میں بھی ہر فرقہ کو اپنی طریق پر آزاد چھوڑ دیا جائے، تا وقتیکہ اُس کی آزادی، دوسرے فرقوں کی دلائل کا سبب نہ بن جائے،

(۱۸) مسجد نبویؐ میں، اور مقصورہ شریف سے متعلق جو سپاہی اور سپرہ دار مقرر رہتے ہیں، ضرورت ہے کہ وہ خاص طور پر خوش خلق، سچل، اور شیریں زبان ہوں، خلق محمدیؐ کا نمونہ ہوں، اور سب و شتم، بد زبانی، و درشت کلامی کو کسی حال میں بھی کام میں نہ لائیں،

(۱۹) جنت البقیع اور جنت البقیع دونوں مسلمانانِ عالم کے محترم ترین اور تمبر ترین قبرستان ہیں، ان کی موجودہ حالت دیکھ کر مسلمانانِ عالم کے جذبات کو

سخت اور ناقابل برداشت ٹھیس لگتی ہے، یہ مقصود نہیں کہ ان پر از سر فوقیہ تعمیر ہو  
لیکن ان کو غلاظت اور گندگی سے صاف رکھنا، اور ہر قسم کی توہین اور بے ادبیوں  
سے بچانا بہر حال لازمی ہے، قبرین بالکل پست اور خام سی، لیکن یہ تو نہ ہو کہ صحابہ  
کرام و ازواجِ مطہرات، اولیاء و صالحین کی قبور پر، معاذ اللہ، مزلیہ کا دھوکا  
ہونے لگے!

(۲۰) مکہ، مدینہ، اور جدہ، بینون مقامات پر کرایہ کی سواریوں کا انتظام فوری  
توجہ کا محتاج ہے، موسم حج میں، شرح کرایہ کی گرائی کا مضائقہ نہیں، لیکن اس کے  
بعد سواری تو خاصی آسائش و آرام کی ملنی چاہئے، یہ تو نہ ہو کہ راکب کو خود مگر  
بنکر رہنا پڑے!



## ضمیمہ (۲)

### عام ہدایات

(۱) سفر خواہ چند ہی میل کا ہو، بہر حال سفر ہوتا ہے، پھر حج کا سفر تو ہزاروں میل کا سفر ہے، ریل، جہاز، اونٹ، موٹر، سب ہی سوار یوں سے سابقہ پڑتا ہے جو ملک کی حیثیت زبان کی نادانیت، آب و ہوا کا اختلاف، معجم کی حقیقت، اس کے علاوہ مین، تھوڑی بہت تکلیف پیش آئی ناگزیر ہے، لیکن یہ تکلیف ہرگز ایسی نہیں ہوتی، کہ کسی معنی میں بھی ناقابل برداشت کمی جاسکے، خیالی تکلیفوں اور اندیشوں کا بیشتر حصہ بالکل باطل ثابت ہوتا ہے، اور اسے اس سفر مبارک کی کرامت سمجھنا یا جو کچھ کہ اکثر وقتیں عین وقت پر ایک بالکل غیر متوقع طور پر حل ہو جاتی ہیں جن صاحبوں پر حج فرض ہے، وہ صوبایات سفر کے اندیشہ سے ہرگز اپنی ہمت کو ہمت نہ ہونے دیں،

(۲) بڑی چیز، جذبہ شوق و ولولہ عقیدت ہے، جو لوگ اپنے ولی شوق سے اور حج کی اہمیت کو سمجھ کر آتے ہیں، انہیں کوئی دقت، وقت ٹھیس ہی نہیں ہوتی، سارا سفر سبھی خوشی، صبر ہی کے ساتھ نہیں، شکر کے ساتھ گزار دیتے ہیں، بخلاف اس کے جن کے دل اس سفر کی اہمیت سے خالی ہیں، اور وہ محض کسی کے اصرار

یا خاطر سے اس کے رفیق سفر ٹکرا جاتے ہیں، اُنھیں کو سب سے زیادہ تکلیف محسوس کرتے اور بات بات پر پریشان ہوتے دکھایا، اُنڈاس ابتلا سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھے،

(۳) حجاز میں اب تقریباً سب ہی چیزیں ملنے لگی ہیں، اس لئے گھر سے زائد سامان لانے کی ہرگز ضرورت نہیں، بار برداری وغیرہ کے مصارف اتنے بڑھ جاتے ہیں کہ کفایت کا پہلو بھی نہیں نکلتا، ضروری سامان بیہی میں خرید لیا جائے، ہمارا اگر عملہ ہمارے ہم پیدا کر لیا جائے، تو بہت سی مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں، مکہ میں سب کچھ مل جاتا ہے اور مدینہ میں بھی ضرورت بھر کی چیزیں، پہلے لوگ گھی کے پیسے ساتھ لیکر چلتے تھے، اب حجاز میں بہتر سے بہتر گھی ملنے لگا ہے، البتہ اگر کھانے کی خشک چیزیں، جو عرصہ تک ابھی رہ سکتی ہوں، گھر سے ہمراہ لے لی جائیں، تو بہتر ہے، کھانا نہ ملنے کی صورت میں وقت بے وقت بہت کام دین گی،

(۴) بخارا قبض، پشیش وغیرہ کی چند دوائیں، جو اپنے تجربہ میں آپکی ہوں ہمراہ ہمراہ رکھ لینا چاہئے، میرٹھ کے مولوی حکیم محمد مصطفیٰ صاحب (دار الشفاء و مصطفیٰ میرٹھ) نے شفاء الحجاج کے نام سے ایک چھوٹا سا کبس ایسی ہی خوب دکار آمد دوائی کا تیار کیا ہے، چند روپیوں میں آجاتا ہے،

(۵) جابحون کو ہماز کے اوپر تازہ باجماعت میں جو قیتیں پیش آتی رہتی ہیں وہ تو اپنی جگہ پر ہیں ہی، اُن کے علاوہ ایک بڑی دشواری سمت قبلہ سے شقی پیش آتی رہتی ہے، قطب نما کا ساتھ رکھنا ضروری ہے، لیکن محض قطب نما سے بھی کام نہیں چل سکتا، مدرس کے ایک صاحب نے (خدا انھیں جزائے خیر دے) ایک مستقل ”رسالہ دریافت سمت قبلہ“ کے نام سے مرتب کر کے نالغ کر دیا ہے، جس میں

اور کراچی سے لیکر عدن تک اور پھر مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کے دریا فی راستہ کی تمام منزلوں کے لئے اہمیت قبلہ کے درجے اور دقیقہ درج کر دیئے ہیں، رسالہ مذکور حسب ذیل مقامات سے غالباً باقیمت مل جائے گا۔

(۱) مولوی محمد عبداللہ صاحب احقر، مکان نمبر ۲۴ کوچہ حسین الملک، پرانا باغ، ڈاکخانہ ردولہ ہیٹ، مدراس،

(۲) منیجر صاحب مظفری ٹپنی، مینار والی مسجد، ممبئی،

(۳) ہر شخص کی آسائش اور ضرورتوں کا میار دوسروں سے جدا ہوتا ہے، اس لئے کوئی ایک تخمینہ و مصارف سب کے لئے نہیں بتایا جاسکتا تاہم عموماً واسطاً یہ کہنا غالباً غلط نہ ہو کہ ہجاز میں تیسرے درجہ کے ٹکٹ لینے والے اور حجاز میں اونٹ پر سفر کرنے والے، پھر سو روپیہ اور ہجاز میں اونچے درجوں کے ٹکٹ لینے والے، اور حجاز میں موٹر پر سفر کرنے والے، ایک ہزار روپیہ فی کس کے حساب سے اپنے ہمراہ رکھیں، تو بہتر ہوگا، ہم لوگوں کا اوسط خرچ اس تخمینہ سے بہت کم پڑا، لیکن ہم لوگوں کو خدا کے فضل سے بعض غیر معمولی سہولتیں حاصل ہو گئی تھیں ہر شخص کو یہ کفایتیں نہیں حاصل ہو سکتیں، بہت سے مصارف ناواقفیت کی بنا پر بڑھ جاتے ہیں، اگر انسان پہلے حج کر آیا ہو یا حجاز میں اس کے شناسا موجود ہیں تو کافی کفایت ہو سکتی ہے، کئی شخص مل کر الگ سفر کریں، تو بھی کافی بچت ہو جاتی ہے،

(۴) ہمسفری کی برکتیں ظاہر و واضح ہیں، اور اگر کوئی واقف کار و تجربہ کار شخص بطور رفق سفر مل جائے، تو مصارف میں بھی کمی رہتی ہے، اور صحوبات سفر سے بھی ایک حد تک نجات ہو جاتی ہے، تاہم اس سفر کی رفاقت بے بڑی نازک و خطرناک

آسانی سے ہر شخص کو رفیق و شریک ہرگز نہ بنا لینا چاہئے بڑی بڑی پرانی دوستیاں اور عزیز داریاں اس سفر میں ٹوٹے دھین بھی اور سنیں بھی، محض خلوص اور دوستی کے بھروسہ پر ہرگز کام نہ چلیگا، انقیاد و بے نفیسی کو رفاقت و شرکت سفر کا لازمی معیار رکھنا چاہئے، کھانے پینے کے انتظام میں جتنی عجلت کی رہ سکے بہتر ہو۔

(۸) حجاز میں گنیاں بہت کام آتی ہیں، اس لئے بمبئی سے بجائے لوٹ اور روپیوں کے گنیاں ضرور ہمراہ لے لینی چاہئے، اونٹ کا کرایہ علم صاحب کے مطالبات، موٹر کارٹر ان سب مواقع پر گنی ہی کام آئیں گی، البتہ ہماز کے مہارن کے لئے روپیہ یا نوٹ بھی کچھ ضرور رکھ لینے چاہئے، اٹھنی، چوٹی، کنی وغیرہ ریزگاری کی بھی ایک محمول تعداد ہر وقت موجود رہنی چاہئے، حجاز میں چاندی کی ریزگاری انسانی سے چل جاتی ہے، نکل کے سکون میں وقت ہوتی ہے،

(۹) بمبئی میں حاجی، عموماً مسافر خانوں میں ٹھہرتے ہیں، تین مسافر خانے مشہور ہیں، ایک مسافر خانہ سیٹھ اسماعیل صیب کا بھنڈی بازار میں ہے، بھنڈی بازار بڑا بازار ہے، جہاں تمام چیزیں یہ آسانی مل جاتی ہیں، یہ مسافر خانہ عام ہو حاجی اور غیر حاجی سب اس میں ٹھہر سکتے ہیں، حاجیوں کے لئے مخصوص ایک مسافر خانہ ڈاری بندر میں ساحل سمندر کے قریب، سیٹھ قوسیلماں کا ہے اور دوسرا مسافر خانہ سراج حاجی صاحب و صدیق مرحوم کا کرناک روڈ پر بڑے اسٹیشن کے قریب، اور کرافٹ مارٹ سے بالکل متصل ہے، مارٹ میں دینا بھر کی چیزیں مل جاتی ہیں، عظیم الشان چو منتری عمارت، اہم کرے ہیں، ہر کمرہ وسیع و ہوادار، ۱۰، ۱۰، مسافروں کے قیام کی گنجائش، سب سے اوپر کا صحن ایک خوش منظر تفریح گاہ، ہر منزل میں آٹھ آٹھ



پاخانے، اور چار چار غسل خانے مع پانی کے نل اور بجلی کی روشنی کے موجود، دودھ  
 برٹے باورچی خانے، سٹے مین والد ماجد مرحوم جب حج کے لئے جا رہے تھے، ان کے  
 ہمراہ اس مسافر خانہ میں کئی دن قیام کا اتفاق ہوا تھا، اب کی پھر گھوم پھر کر  
 دیکھا، داروغہ مسافر خانہ مولوی حضرت اللہ صاحب، ماشاء اللہ ایک پیکر نور او  
 ان کے نائب منشی عبدالستار صاحب، سراپا خدمت و ایثار،

(۱۰) حاجیوں کے لئے ہمازی کمپنیاں تین ہیں، ان تینوں میں سب سے  
 بڑی مغل لائن ہے، جو عملاً اب ٹرنز مارین کمپنی کے ہاتھ میں ہے، یورپ کے جہازوں  
 جہازوں کے آرام و آرائش کا تو خیال ہی حاجیوں کو چھوڑ دینا چاہئے، یہ حالت  
 موجودہ ٹرنز مارین کے انتظامات سب سے بہتر ہیں، اور انھیں کو غنیمت سمجھنا چاہئے  
 اس کے جہاز رحمانی اور رضوانی حال کے بنے ہوئے، اور نسبت سب سے زیادہ آرام  
 ہیں، ان سے اتر کر اکبر اور جہانگیر ہیں،

(۱۱) مسافر زیادہ تر تکلیف، خود اپنی جلد بازی، گھبراہٹ اور بے صبری  
 سے اٹھاتے ہیں، اگر جہاز سے اترتے وقت، یا چڑھتے وقت ذرا صبر و سکون سے  
 کام لیا جائے، اور اس کی کوشش نہ کی جائے، کہ خواہ مخواہ دھکے کھاتے ہوئے،  
 اور ہجوم کو پھرتے پھاڑتے ہوئے بہتر سے بہتر جگہ پر قبضہ ہو جائے، تو بالآخر حکم  
 سب کو مل ہی جاتی ہے، کوئی رہ نہیں جاتا ضرورت صرف حقوڑے سے صبر و تحمل کی  
 (۱۲) اگر کفایت آسائش اور ہجوم کی کشمکش سے بچنا مد نظر ہے تو لازمی ہے  
 کہ سفر عین موسم حج میں نہیں بلکہ اس سے کچھ قبل اختیار کیا جائے، اور واپسی فوراً  
 نہیں بلکہ کچھ ٹھہر کر ہو، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، اجدہ اسب کمین زیادہ وقتیں اور

گرا نیان میں اسی وقت ہوئی ہیں جب هجوم کا شباب ہوتا ہو  
 (۱۳) معلم سے سابقہ پڑنا ناگزیر ہو، حتی الامکان معلم کو خوش رکھنا چاہیے، لیکن  
 اس پر بہت زیادہ اعتماد ہرگز نہ کرنا چاہیے، مسائل جج سے نیز عربی زبان سے عربی  
 زیادہ واقفیت ہوگی، اسی نسبت سے معلم کی محتاجی سے بے نیازی رہیگی، مسائل جج  
 و زیارت کی بہترین وجہ ترمین رہنا، اردو میں مولانا مسعود الدین صاحب رہے ہیں  
 کی ضخیم و مفصل کتاب ارجح الزیارت ہے، ضروری مسائل کے لئے مولانا شید احمد  
 گنگوہی قدس سرہ کی مختصر اور جیبی زبدۃ المناکب بالکل کافی ہو، عربی میں  
 بیسیون کتابین ہیں،



## ضمیمہ (۳) ۵

### منازل سفرِ جدہ تائیں

جدہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان سوڑجین میں منزلوں پر ٹھہرتا ہے، ان میں سے چند کا ذکر سفرنامہ میں نہیں آگیا ہے، بعض کے ناموں میں کچھ غلطیاں ہوئی ہیں، ذیل میں کل منزلوں کے صحیح نام مع ان کے درمیانی مسافتوں کے درج ہیں، یہ فاصلہ بحساب کیلومیٹر میں، ایک کیلومیٹر تقریباً ۵ فرلانگ کا ہوتا ہے:-

۵۳- کیلومیٹر	جدہ - ذہبان
۴۳ "	ذہبان - تول
۵ "	تول - القضیمہ
۵۵ "	القضیمہ - رابغ
۱۱۰ "	رابغ - مسورہ
۶۵ "	مسورہ - ابیار بنی حسانی
۳۵ "	ابیار بنی حسانی - شقیہ
۳۳ "	شقیہ - حبیہ



۵۱۲۳

DUE <sup>V</sup>DATE ۹۱۵۹۳۲

---

